انتخاب سخن

(جلد سوم)

سلسلۂ مومن

مرتب

حسرت موہانی

انتخاب سخن

(جلد سوم)

سلسلۂ مومن

مرتب

حسرت موہانی

انتخاب سخن

(جلد سوم)

سلسلۂ مومن

مرتب

حسرت موہانی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کونسل کی پہلی اشاعت	:	2018
تعداد	:	550
قیمت	:	-/155 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	1970

INTIKHAB-E-SUKHAN VOLUME -3

By: Hasrat Mohani

ISBN :978-93-87510-08-1

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025 فون نمبر: 49539000 فیکس: 49539099

شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر: 26109746 فیکس: 26108159 ای۔ میل: ncpulsaleunit@gmail.com

ای۔ میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: ہائی ٹیک گرافکس، ڈی 8/2، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز II، نئی دہلی-110020

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم وفنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہردلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضیٰ کریم)
ڈائریکٹر

فہرست

	مقدمہ	vii
01	انتخاب مومن	01
02	انتخاب نسیم دہلوی	25
03	انتخاب تسلیم	45
04	انتخاب حسرت موہانی	85
05	انتخاب شیفتہ	219
06	انتخاب اشرف	233
07	انتخاب قلق	241
08	انتخاب شگفتہ	257
09	انتخاب مہر لکھنوی	269
10	انتخاب اصغر گونڈوی	277
11	انتخاب عرش گیاوی	287
12	انتخاب ہادی مچھلی شہری	297
13	انتخاب شفیق جون پوری	305

مقدمہ

مولانا حسرت موہانی کو شاعر کی حیثیت سے ایسی شہرت ملی کہ ان کے دیگر علمی و ادبی کارناموں پر گمنامی کی گرد جم گئی۔ حالانکہ وہ ایک اعلیٰ شاعر ہی نہیں، ایک ممتاز صحافی، ایک اہم نقاد اور ایک بلند پایہ تذکرہ نگار بھی تھے۔ علاوہ ازیں انھوں نے "انتخاب سخن" کے نام سے گیارہ جلدوں میں کم و بیش دوسو (200) شعرا کے دواوین کے انتخابات شائع کر کے اپنے عہد کے شعری اور ادبی ذوق کی تہذیب و تربیت بھی کی۔

حسرت نے پہلے چند اہم شعرا کے انتخاب مرتب کر کے اردوئے معلی کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع کیے۔ اس کے بعد وہ "انتخاب سخن" کی ترتیب کی طرف متوجہ ہوئے۔ حسرت "انتخاب سخن" کا یہ مجموعہ اپنے تذکرے کے تکملے کے طور پر مرتب کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جس طرح ان کے تذکرے کے خاکے میں تبدیلی ہوتی رہی، اسی طرح "انتخاب سخن" کا خاکہ بھی تغیر و تبدل کے مراحل سے گزرتا رہا۔

اُردوئے معلی، شمارہ جنوری، فروری 1925 میں لکھتے ہیں "انتخاب سخن" آٹھ جلدوں میں 200۔ اُردو دواوین کا انتخاب ہے"۔[2] پھر اُردوئے معلی، شمارہ جولائی تا دسمبر 1926 میں

لکھتے ہیں: "انتخاب سخن یعنی تقریباً200 مطبوعہ و غیر مطبوعہ اردو دواوین کا انتخاب مفصلہ ذیل گیارہ جلدوں میں" ۔3ے گویا پہلے وہ "انتخاب دواوین" کے نام سے پانچ جلدوں میں یہ انتخاب مرتب کرنا چاہتے تھے اور اس کے چند حصے شائع بھی کیے۔ بعد میں اسے "انتخاب سخن" کے نام سے آٹھ جلدوں میں اور پھر گیارہ جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد بھی اس خاکے میں جزوی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ بہرحال راقم سطور کے پیش نظر جو مواد ہے اس کے مطابق حسرت نے بہ ترتیب ذیل گیارہ جلدوں میں "انتخاب سخن" شائع کیا :-

جلد اوّل۔ جزو اوّل (سلسلۂ شاہ حاتم)،	شاہ حاتم (علاحدہ)، رنگین، نثار، بیدار، تاباں، ماہر، بقا، بیتاب، عشرت، طالب، معروف، امیر، افسر، شاہ نصیر۔
"جزو دوم"	سودا، قائم، نوا بدایونی، تنویر دہلوی، ظفر دہلوی، شاداں۔
جلد دوم جزو اوّل (سلسلۂ ذوق)	ذوق، داغ، رسا، جگر۔
جزو دوم	رونق ٹونکی، حسن بریلوی، نوح ناروی، نسیم بھرت پوری، بیخود دہلوی، بیخود بدایونی، ظہیر دہلوی، انور دہلوی، مذاق بدایونی، مائل دہلوی، سیماب، کیفی، عزیز حیدرآبادی۔
جلد سوم جزو اوّل (سلسلۂ مومن)	مومن، نسیم، تسلیم، حسرت موہانی (علاحدہ)
"جزو دوم"	شیفتہ، اشرف گسمنڈوی، قلق میرٹھی، خیراتی لال شگفتہ، مہر لکھنوی، اصغر گونڈوی، عرش گیاوی، ہادی مچھلی شہری، شفیق جون پوری۔

جلد چہارم جز واوّل (سلسلۂ مظہر)،	مظہر (جانِ جاں)، حسرت (حیات محمد)، یقین، بیان، شاعر، حزیں۔
"جز ودوم" (سلسلۂ میر، درد وسوز)،	میر، راسخ عظیم آبادی، میر حسن، درد، میر اثر، میر سوز، افسوس، امانت، لطافت، فصاحت۔
"جلد پنجم" (سلسلۂ جرأت)،	حسرت (استاد جرأت)، جرأت، غفنفر، رضا، رقت، رضوی، محنت، انصرت، مصروف، محبت، جلال، مائل، شائق، ناسخ، رضا علی وحشت۔
جلد ششم جز واوّل (سلسلۂ مصحفی)،	مصحفی، سرور، منتظر۔
"جز ودوم"	ہوس، مخمور، عیشی، غافل، شہیدی، تنہا، نوبت رائے منتظر۔
جلد ہفتم جز واوّل (سلسلۂ آتش)،	آتش، ماہ، صبا، حنا، قمر موہانی، فروغ لکھنوی۔
"جز ودوم"	رند، خلیل، شرف، حیرت، اکبر داناپوری، اکبر الٰہ آبادی، کیف، ازل۔
جلد ہشتم جز واوّل (سلسلۂ اسیر وامیر)،	اسیر، امیر، جلیل
"جز ودوم"	داغ، ماہر، جرار، افسوں، شوق قدوائی، حفیظ جونپوری، گستاخ رامپوری، مضطر خیرآبادی، بے نظیر شاہ وارثی، مست بنارسی، صفدر رامپوری، جاہ کانپوری، کلب علی خاں نواب، جگر بسوانی، شفق عمادی، بشن نرائن درابر، دل شاہ جہانپوری، احسن سنبھلی، شرف مجددی، وفا رامپوری، مصباح مجددی۔ 4

جلد نہم جز واوّل (سلسلۂ ناسخ)،	ناسخ، برق، جلال، آرزو۔
"جز دوم"	رشک، قبول، سحر، وزیر، میر کلو عرش، نادر، مہر، آباد، نور، تعشق، قلق، آسی سکندر پوری، حاتم علی مہر، گویا، قدر بلگرامی، حبیب کنتوری، شاد پیرو میر، افضل الہ آبادی، فدا علی عیش، شمشاد، منیر شکوہ آبادی، صغیر، احسان شاہجہانپوری، یاس لکھنوی، دلیرن فرخ آبادی۔
جلد دہم جز واوّل (سلسلۂ غالب)،	غالب، مجروح، حالی، سالک، ذکی، اسمٰعیل، شعلہ
جلد دہم جز واوّل (سلسلۂ غالب)،	رنگی۔
"جز دوم"	ناظم، عاشق، نازش۔
جلد یازدہم جز واول (متفرق)،	ولی، آبرو، ممنون، انشا، فراسو فرنگی، صادق خاں اختر، قادر بخش صابر، ذکی مرادآبادی، واجد علی شاہ اختر، طاہر فرخ آبادی، مشتاق لکھنوی، شاد عظیم آبادی، کامل لکھنوی، قمر بدایونی، نظم طباطبائی، ظفر علی خاں، مجاز، بہزاد لکھنوی کے، توفیق حیدرآبادی۔
"جز دوم"	فغاں، راسخ دہلوی، رونق دہلوی، ضمیم بلند شہری، ندرت میرٹھی، فانی، عزیز، محشر۔

"جلد یازدہم کا تیسرا حصہ بھی تیار ہے۔ عنقریب وہ بھی چھاپا جائے گا۔

تیسرے حصے میں مندرجہ ذیل دواوین کا انتخاب درج ہوگا:

پنڈت بشن نرائن درابر لکھنوی کا، آزاد عظیم آبادی، اشہری، امیر بدایونی، بسمل موہانی، بیان میرٹھی، بیخود موہانی، تجمل، ثاقب لکھنوی، جاوید لکھنوی، جرکین، جعفر زٹلی، جوہر رامپوری، چکبست

لکھنوی، جوش ملیح آبادی، حافظ پیلی بھیتی، خورشید لکھنوی، رضوان مرادآبادی، رضی تارنولوی، جگت موہن لال رواں، ریاض بدایونی، نجمی امروہوی، سلیم پانی پتی، شہباز عظیم آبادی، صاحبقراں محشر گونی امروہوی، صفی لکھنوی، ظریف لکھنوی، فطرت موہانی، فلک لاہوری، قیس علی گڑھی، کوکب لکھنوی، نظیر اکبرآبادی، نیاز بریلوی اور یاس عظیم آبادی وغیرہ"[7]

جس زمانے میں حسرت نے یہ انتخابات مرتب کرنا شروع کیے، اس وقت اردو شعروادب ایک انقلاب سے دوچار تھا، مغربی اور بالخصوص انگریزی ادب کے زیر اثر جہاں اردو شاعری نئے نئے رجحانات سے آشنا ہورہی تھی، وہاں اس کا ایک منفی پہلو یہ بھی تھا کہ اردو کے قدیم شعری سرمائے سے بیزاری بھی پیدا ہورہی تھی۔ حسرت ایک اعلیٰ شاعر تھے، اس لیے انھیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ ذوق شعری کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے اساتذہ اور اہم شعرا کے کلام کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ اس لیے انھوں نے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا کہ قدیم شعری سرمایے کو جامع انتخابات مرتب کرکے عام کیا جائے اور اس کے ذریعہ شعرا اور قارئین کے ذوق کی تہذیب وتربیت کی جائے۔

حسرت نے یہ انتخابات قلمی ومطبوعہ دواوین، بیاضوں اور تذکروں کی مدد سے مرتب کیے ہیں۔ انھیں مرتب کرنے میں انھوں نے اس بات کی بہ ممکن کوشش کی ہے کہ ہر غزل کے انتخاب میں غزل کی ہیئت برقرار رہے، یعنی مطلع ومقطع اور کم سے کم تین شعر ضرور ہوں۔ اس کی وجہ سے جہاں یہ نقصان ہوا کہ کمزور اشعار بھی انتخاب میں جگہ پاگئے، وہاں یہ فائدہ بھی ہوا کہ اس طرح زیادہ شعری سرمایہ محفوظ ہوگیا۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ انتخابات بیشتر غزل پر مشتمل ہیں، ان میں دوسرے اصناف کو بہت کم جگہ ملی ہے، ہاں جدید دور کے نظم گو شعرا کے انتخاب میں نظمیں بھی شامل کرلی گئی ہیں۔

حسرت کے مقصد، ماخذ اور طریق انتخاب کو سمجھنے میں خود ان کا ایک بیان بڑی حد تک معاون ہوگا۔ وہ "انتخاب کلیات جعفرعلی حسرت" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"اردو زبان کی بدقسمتی سے اور ناقدردانوں کی غفلت کی وجہ سے بہت سے زبردست استادوں کا کلام برباد ہوگیا، ایسا کہ اب تلاش کرنے پر بھی اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اور بہت کا کلام ضائع ہونے کے قریب ہے یعنی یہ کہ اگر بہت جلد اس کی حفاظت اور اشاعت کا انتظام نہ کیا جائے گا تو کچھ دنوں میں دنیا سے ناپید ہو جائے گا"۔

راقم حروف ہمیشہ اس امر کو افسوس کی نظر سے دیکھا کرتا تھا اور چونکہ اشاعت کی استطاعت نہ رکھتا تھا، اس لیے اس امر پر قانع تھا کہ جہاں تک مل سکیں تمام قدیم دیوان جمع کر لیے جائیں۔ جب اس کوشش میں خدا کی عنایت سے کچھ کامیابی ہوئی تو ہمت کچھ بڑھی اور خیال پیدا ہوا کہ جس قدر دیوان دستیاب ہو گئے ہیں وہ چھپوا دیے جائیں۔

لیکن چونکہ زبان ان ضخیم دواوین کی ثقیل تھی اور بعض مضامین زمانۂ موجود کے مذاق کے خلاف تھے، اس لیے بہر حال مناسب یہی معلوم ہوا کہ ان کا انتخاب شائع کیا جائے۔ سلسلۂ اردوئے معلی کا یہ پہلا دیوان بھی کلیات حسرت سے انتخاب کیا گیا ہے لیکن بڑی محنت اور کوشش سے۔ اس امر کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس انتخاب کی وجہ سے کسی طرح شاعر کا رنگ سخن اور اس کے کلام کی خوبیاں اور برائیاں مخفی نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل باتوں کی پابندی کی گئی ہے۔:

i - انتخاب اس طور پر کیا گیا ہے کہ دیوان کی صورت قائم رہے۔ مثلاً منتخب غزلوں میں اصلی غزلوں سے اشعار کم ہیں۔ لیکن غزل کی حیثیت بجنسہ باقی ہے، یعنی ایسا نہیں کیا گیا ہے کہ مطلع و مقطع غائب کر دیا جائے یا صرف درمیان کے دو ایک شعر کم کر دیے جائیں۔

ii - اس غرض کے حاصل ہونے کے لیے زیادہ تر وہی غزلیں چھانٹی گئی ہیں جن میں منتخب ہونے کی حالت میں بھی غزل کی صورت باقی رہی ہے۔ یعنی جس میں کم از کم پانچ شعر قابل انتخاب مل سکے ہیں۔

iii - حتی الامکان مطلع و مقطع ضرور قائم رکھا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض غزلوں میں

مطلع اور بعض میں مقطع سست ہے۔ لیکن اس سے دو 2 فائدے ہوئے ہیں ایک تو یہ کہ غزل کی صورت قائم رہی۔ دوسرے یہ کہ شاعر کے کمزور کلام کا نمونہ بھی انتخاب میں موجود رہا۔ ورنہ بہ حالتِ دیگر دوسروں کو شاعر کے اصلی رتبۂ شاعری کے دریافت میں دقت ہوتی"۔ 8

ان انتخابات کے ماخذ کے متعلق کچھ شکوک ظاہر کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار لکھتے ہیں:۔ "پروفیسر مسعود حسن رضوی راوی ہیں کہ حسرت مرحوم کے پاس انھوں نے کچھ قلمی نسخے بھی دیکھے تھے، جو مکمل دیوان نہیں محض انتخابات تھے اور حسرت نے انھیں جوں کا توں شائع کر دیا 9 "۔ راقم سطور سے بھی پروفیسر موصوف نے ایک ملاقات کے دوران یہ بات کہی تھی۔ خود حسرت نے محمد امان نثار دہلوی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ: "شاہ کمال الدین حسن کمال مانک پوری نے ایک تذکرہ اور ایک نایاب مجموعہ انتخاب دواوین اساتذہ کا مرتب کیا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے راقم حروف کو وہ مجموعہ حضرت عرش ملیح آبادی کے ذریعہ دستیاب ہو گیا ہے، اس میں بعض ایسے ایسے شاعروں کا کلام موجود ہے جن کی نسبت خیال یہ تھا کہ ان کا دیوان دنیا سے ناپید ہو گیا ہوگا۔ منجملہ ان کے ایک نثار کا بھی دیوان ہے جس کا انتخاب 66 صفحوں میں آیا ہے"۔ 10

اس کا امکان ہے کہ حسرت نے کچھ شعرا کے انتخابات اس مجموعۂ انتخاب یا کسی اور مجموعے سے بجنسہ نقل کر لیے ہیں لیکن ہر شاعر کے انتخاب کے متعلق یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ اس سلسلے میں حسرت کے دوسرے بیانات کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ انتخاب کلیات مرزا جعفر علی حسرت کے دیباچے کا اقتباس اوپر نقل ہو چکا ہے۔ دیوان غالب کے انتخاب کے آخر میں بطور ضمیمہ چند اشعار نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ "قاضی القضاۃ کلکتہ مولوی سراج الدین علی خاں موجد موہانی کی فرمائش سے مرزا نے اپنے دیوان اُردو اور فارسی کا خود انتخاب کر کے اس کا نام گُلِ رعنا رکھا تھا۔ راقم کے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ چنانچہ یہ اشعار ضمیمہ اسی سے نقل کیے گئے ہیں 11 "۔ اسی طرح دیوان رشکی کے انتخاب کے آخر میں لکھتے ہیں:۔ "دیوان رشکی کا قلمی مسودہ ہم کو مولوی غلام السبطین صاحب بدایونی کے ذریعے سے دستیاب ہوا۔ یہ انتخاب اسی دیوان

مسودہ ہم کو مولوی غلام السطین صاحب بدایونی کے ذریعہ سے دستیاب ہوا۔ یہ انتخاب اسی دیوان سے کیا گیا ہے[12]"۔ ان بیانات سے بات ظاہر ہے کہ حسرت نے بیشتر شعرا کے دواوین اور کلیات کا بہ نظر غائر مطالعہ کر کے خود ہی انتخابات مرتب کیے ہیں۔ کچھ شعرا کے انتخابات انھوں نے تذکروں اور بیاضوں کی مدد سے بھی مرتب کیے ہیں۔ جیسے مرزا مظہر جان جاناں کے اشعار تمام تر تذکروں سے ماخوذ ہیں۔ اس مسئلے پر قاضی عبدالودود صاحب کی رائے بڑی صائب ہے۔ وہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"یہ خیال کہ حسرت نے جو انتخابات شائع کیے ہیں وہ دواوین پر مبنی نہیں کلا صحیح نہیں۔ ان کے پاس بہت سے قلمی اور مطبوعہ دواوین تھے اور ان سے انھوں نے انتخاب میں کام لیا ہے۔ مگر ان کے ایسے انتخابات بھی ہیں جن کے اشعار تذکروں اور بیاضوں (وغیرہ) سے لیے گئے ہیں"۔[13]

یہ انتخابات کئی لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک تو یہ کہ تھوڑے صفحات میں اُردو کا تمام قابل قدر شعری سرمایہ ہماری نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے، اور یہ انتخابات دواوین اور کلیات کے مطالعہ سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے ذریعے عام لوگوں کی رسائی بھی کلاسیکی ادب تک ہو جاتی ہے۔ ورنہ تمام دواوین اور کلیات کا حصول ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ تیسرے یہ کہ ان میں حسرت کے ایسے معاصر شعرا کے انتخابات بھی شامل ہیں، جن کا مجموعۂ کلام اس وقت تک مرتب نہیں ہوا تھا۔ ایسے شعرا کے کلام کی ابتدائی نوعیت کو سمجھنے اور ان کے کلام کی تاریخی ترتیب میں ان انتخابات سے بڑی مدد ملے گی۔ چوتھے یہ کہ ان سے خود حسرت کی شخصیت اور ذوقِ شعری پر روشنی پڑتی ہے۔ ان کے ذریعے بقول عابد رضا بیدار "وہ حسرت سامنے آ جاتا ہے جو مرنجاں مرنج ہے، شریف، متین اور روادار ہے، ماضی پرست نہیں ماضی کی قدر کرنے والا ہے، شاعروں کے ایک دوسرے پر منہ بسورنے والے خود مرکزی طبقے میں اپنے معاصرین، گھٹیا معاصرین کو بھی ان کی حیثیت سے زیادہ جگہ دینے والا ہے.....اور سب سے بڑھ

گر یہ کہ خود حسرت کی شاعری میں جو ضبط و نظم ہے اور حسرت سے قبل کے سارے شعری سرمایہ کا نچوڑ مل جاتا ہے، اس کا سبب سمجھ میں آ جاتا ہے"۔ 14

حسرت نے یہ انتخابات مرتب کر کے اردو ادب کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ انھوں نے ان کے ذریعے بہت سے کم مشہور اور گم نام شعرا کو روشناس کرایا ہے۔ بہت سے اساتذہ کو بھی انھوں نے نئی زندگی عطا کی ہے۔ حسرت نے جس وقت یہ انتخابات مرتب کیے اس وقت تک حاتم، مظہر، سوز، قائم، مصحفی، حسرت (استاد جرأت) اور جرأت جیسے مشہور و معروف شعرا کے دواوین غیر مطبوعہ اور کمیاب بلکہ نایاب تھے۔ حسرت کے یہ انتخابات بڑی حد تک جامع ہیں اور ان سے متعلقہ شعرا کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان انتخابات سے اس دور کے نقادوں کو بھی بڑی مدد ملی ہے اور انھوں نے انھی کی بنیاد پر بہت سے شعرا کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں مثال کے طور پر نیاز، مجنوں اور فراق کے کئی تنقیدی مقالوں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر احمر لاری

حواشی

1. اردوئے معلی، اکتوبر 1909، ص 1۔
2. اردوئے معلی، جنوری فروری 1925، ص ٹائٹل 2۔
3. اردوئے معلی، جولائی تا دسمبر 1926، ص 2۔
4. مصباح مجددی کے انتخاب کی جگہ گستاخ رامپوری کا انتخاب دوبارہ چھپ گیا ہے جو پہلے انتخاب سے مختصر ہے۔
5. فہرست میں بہزاد کی جگہ فضلی بنگالی درج ہے۔ جبکہ متن میں بہزاد لکھنوی کا کلام شامل ہے۔
6. ابر لکھنوی کا انتخاب جلد ہشتم جزو دوم میں شامل ہے۔
7. انتخاب سخن، جلد یازدہم، جزو دوم، دیباچہ، ص ٹائٹل 2 (مطبوعہ رئیس المطابع کانپور 1929) یہ حصہ راقم السطور کی نظر سے نہیں گزرا۔ غالباً اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔
8. دیوان حسرت (انتخاب کلیات مرزا جعفر علی حسرت)، مرتبہ حسرت موہانی، دیباچہ، ص 1 تا 2 (مطبع احمدی، علی گڑھ، 1904)
9. عابد رضا بیدار، مقالہ "بیت قلی خاں حسرت اور ان کا کلام" مشمولہ سہ ماہی "اردو ادب" علی گڑھ، جون 1958، ص 109 (حاشیہ)
10. سہ ماہی "تذکرۃ الشعرا" حصہ اوّل، جزو دوم، ص 1۔
11. انتخاب سخن، جلد دہم (جزو اول) ص 92 (رئیس المطابع، کانپور، 1929)
12. انتخاب سخن، جلد دہم (جزو اول) ص 186 (رئیس المطابع، کانپور، 1929)
13. عابد رضا بیدار، مقالہ "بیت قلی خاں حسرت اور ان کا کلام" مشمولہ سہ ماہی اردو ادب" علی گڑھ، جون 1958، ص 109 (حاشیہ)
14. عابد رضا بیدار، مقالہ "حسرت" مشمولہ ماہنامہ "برہان" دہلی، جولائی 1961، ص 9۔

انتخاب دیوان

مومن

نہ کیونکر مطلع دیوان ہو مطلع مہر وحدت کا   کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرع انگشت شہادت کا
بچاؤں آبلہ پائی کو کیونکر خارماہی سے   کہ بام عرش سے پھیلا ہے یارب پاؤں وحشت کا
نہ دے تیغ زباں کیونکر شکست رنگ کو طعنے   کہ صفحہائے خرد پر حملہ ہے فوج خجالت کا
غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے   نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا
گلوئے خامہ میں سرمہ مداو دودۂ دل ہے   مگر لکھتا ہے وصف خاتمہ جلد رسالت کا
نہ پوچھو گرمیٔ شوق ثنا کی آتش افروزی   بنا جاتا ہے دست عجز شعلہ شمع فکرت کا
عنایت کر مجھے آشوبگاہ حشر غم اکدل   کہ جس کا ہر نفس ہم نغمہ ہو شور قیامت کا
فروغ جلوۂ توحید کو وہ برق جولاں کر   کہ خرمن پھونک دیوے ہستی اہل ضلالت کا
خدا یا لشکر اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا   لبوں پر دم بلا ہے جوش خوں شوق شہادت کا
امیر لشکر اسلام کا محکوم ہوں یعنی   ارادہ ہے مرا فوج ملائک پر حکومت کا
زمانہ مہدیٔ موعود کا پایا اگر مومن   تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرت کا

چھوڑا تھا دل نہ تھا یہ موئے پر خلل گیا — جب تھیں سانس کی گئی دم بھی نکل گیا
اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی — کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
جوں خفتگاں خاک ہے اپنی فتادگی — آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا
اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل — میں کوچۂ رقیب میں سر کے بل گیا
کچھ جی گرا پڑے تھا پر اب تو نے ناز سے — مجکو گرا دیا تو مرا جی سنبھل گیا
بت خانے سے نہ کعبے کی تکلیف دے مجھے — مومن بس اب معاف کر یاں جی بہل گیا

لگے خدنگ جب اس نالۂ سحر کا سا — فلک کا حال نہ ہو کیا مرے جگر کا سا
نہ جاؤں گا کبھی جنت میں میں نہ جاؤں گا — اگر نہ ہوئے گا نقشہ تمھارے گھر کا سا
کرے نہ خانہ خرابی تری ندامت جور — کہ آب شرم میں ہے جوش چشم تر کا سا
یہ جوش یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت — دعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا
ذرا ہو گرمیٔ صحبت تو خاک کردے چرخ — مرا سرور ہے گل خندۂ شرر کا سا
خبر نہیں کہ اسے کیا ہوا پر اس در پر — نشان پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا
دل ایسے شوخ کو مومن نے دے دیا کہ وہ ہے — محبِ حسین کا اور دل رکھے شمر کا سا

ان سے بدخو کا کرم بھی ستم جان ہوگا — میں تو میں غیر بھی دل دے کے پشیمان ہوگا
اور ایسا کوئی کیا بے سرو سامان ہوگا — کہ مجھے زہر بھی دیجیے گا تو احسان ہوگا
محو مجھ سا دم نظارۂ جانان ہوگا — آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیران ہوگا
خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ — دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارمان ہوگا
کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل — تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آسان ہوگا
دیدۂ خنظر آتا نہیں تجھ تک شاید — کہ میرے خواب کا بھی کوئی نگہبان ہوگا
کیونکہ امید وفا سے ہو تسلی دل کو — فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیمان ہوگا
اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن — آخر اس بزم میں کوئی تو سخندان ہوگا

آخر امید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا　　مرگ کی آس پہ جینا شب ہجراں ہوگا
درد ہے جان کے عوض ہر رگ و پے میں ساری　　چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا
نسبت عیش سے ہوں نزع میں گریاں یعنی　　ہے یہ رونا کہ دہن گور کا خنداں ہوگا
بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا　　دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیماں ہوگا
چارہ جو اور بھی اچھا وہ کرے گا ٹکڑے　　پردۂ شوخ جو پیوند گریباں ہوگا
دوستی اس صنم آفت ایماں سے کرے　　مومن ایسا بھی کوئی دشمن ایماں ہوگا

دیدۂ حیران نے تماشا کیا　　دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے　　آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا
مرگئے اس کے لب جان بخش پر　　ہم نے علاج آپ ہی اپنا کیا
بجھ گئی ایک آہ میں شمع حیات　　مجکو دم، سرد نے ٹھنڈا کیا
غیر عیادت سے برا مانتے　　قتل کیا آکے اچھا کیا
ان سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی　　مجکو مرے شرم نے رسوا کیا
زندگیٔ ہجر بھی اک موت تھی　　مرگ نے کیا کار مسیحا کیا

جور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے　　راز مرا صبر نے افشا کیا
کچھ بھی بن آتی نہیں کیا کیجیے　　اس کے بگڑنے نے کچھ ایسا کیا
جائے تھی تیری مرے دل میں سو ہے　　غیر سے کیوں شکوۂ بے جا کیا
رحم فلک اور مرے حال پہ　　تونے کرم اے ستم آرا کیا
سچ ہی سہی آپ کا پیماں ولے　　مرگ نے کب وعدۂ فردا کیا
دشمن مومن ہی رہے بت سدا　　مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

سوئے نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا　　بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا
خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب　　ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا
وہ آئے بہر عیادت تو تھا میں شادیٔ مرگ کسی سے چارہ بیداد آسماں نہ ہوا
دم حساب رہا روز حشر بھی یہی ذکر ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا
ہے شرط ہم پہ عنایت میں گو نہ گو نہ ستم کبھی محبت دشمن کا امتحاں نہ ہوا
امید وعدۂ دیدار حشر پہ مومن تو بے مزہ تھا کہ حسرت کش بتاں نہ ہوا

ہم کیا موئے تو درد دل زار کم ہوا بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا
کچھ اپنی ہی نصیب کی خوبی تھی بعد مرگ ہنگامہ محبت اغیار کم ہوا
معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا
ناکامیوں کی کاہش بے حد کا کیا علاج بوسہ دیا تو ذوق لب یار کم ہوا
ہر چند اضطراب میں میں نے کمی نہ کی تو بھی وہاں تغافل بسیار کم ہوا
سب تابہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا
ذکر بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی کچھ اب تو کفر مومن دیندار کم ہوا

رات کس کس طرح کہا نہ رہا نہ رہا پر وہ مہ لقا نہ رہا
تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے جی بلا سے رہا رہا نہ رہا
تو فلک مرگ ہم سے سب غافل اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا

بسکہ اک پردہ نشیں سے دل بیمار لگا جو مریضوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا
شوخ تھا رنگ حنا میرے لہو سے سو ہے قتل اغیار سے کیا ہاتھ ترے یار لگا
تو کسی کا بھی خریدار نہیں پر ظالم سرفروشوں کا ترے کوچہ میں بازار لگا

منہ میں کیسا خم صہبا کے بھر آیا پانی　　تیرے لب سے جو لب ساغر سرشار لگا
کعبہ سے جانب بت خانہ پھر آیا مومن　　کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا

شب غم فرقت ہمیں کیا کیا مزے دکھلائے تھا　　دم رُکے تھا سینے میں کمبخت جی گھبرائے تھا
یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکائے تھا　　تھے غلط پیغام سارے کون یاں تک آئے تھا
بات شب کو اس سے منع بے قراری پر بڑھی　　ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھائے تھا
کوئی دن تو اس پہ کیا تصویر کا عالم رہا　　ہر کوئی حیرت کا پتلا دیکھ کر بن جائے تھا
ہوگئی دو روز کی الفت میں کیا حالت ابھی　　مومن وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا　　کہ ہر ہر بات میں ناصح تمھارا نام لیتا تھا

میرے کوچہ میں عدو مضطر و ناشاد رہا　　شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجاد رہا

میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا　　میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا
کیا خجل ہوں اب علاج بے قراری کیا کروں　　دھر دیا ہاتھ اس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا کیا
عرض ایماں سے ضد اس غارتگر دیں کو بڑھی　　تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

کسی کا ہوا آج کل تھا کسی کا　　نہ ہے تو کسی کا نہ ہوگا کسی کا
کیا تم نے قتل جہاں اک نظر میں　　کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا
جو پھر جائے اس بے وفا سے تو جانوں　　کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا
وہ کرتے ہیں بے باک عاشق کشی یوں　　نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا
دم الحذر اور عشق بتاں سے　　تجھے ڈر ہے اے مومن ایسا کسی کا

محشر میں پاس کیوں دم فریاد آگیا　　رحم اس نے کب کیا تھا کہ اب یاد آگیا
الجھا ہے پانوں یار کا زلفِ دراز میں　　لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
ہم چارہ گر کو یوں ہی پہنائیں گے بیڑیاں　　قابو میں اپنے گر وہ پری زاد آگیا
دل کو قلق ہے ترکِ محبت کے بعد بھی　　اب آسماں کو شیوۂ بیداد آگیا
ذکر شراب و حور کلامِ خدا میں دیکھ　　مومن میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آگیا

وعدۂ وصلت سے دل ہو شاد کیا　　تم سے دشمن کی مبارکباد کیا
ان نصیبوں پر کیا اختر شناس　　آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا
بت کدہ جنت ہے چلیے بے ہراس　　لب پہ مومن ہرچہ بادا باد کیا

دلِ بیتاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہرے گا　　سوا اس در کی زنجیروں کے یہ مجنوں نہ ٹھہرے گا
اگر گردش یہی ہے بیخودوں کے چشم میگوں کی　　کفِ ساقی میں جام بادۂ گلگوں نہ ٹھہرے گا
ایسی خو پڑ گئی ہے بے طرح زانوئے جاناں کی　　یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا
مہ نو بن گئے ہم طولِ شب ہائے جدائی سے　　کہاں تک دیکھیے وہ حسن روز افزوں نہ ٹھہرے گا
طواف کعبہ کا خوگر ہے . . . صدقے ہونے دو　　بتو سمجھو ذرا مومن ہے مومن یوں نہ ٹھہرے گا

یہ عذر امتحاں جذب دل کیسا نکل آیا　　میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا
کیا زنجیر مجھ کو چارہ گر نے کن دنوں میں جب　　عدو کے قید سے وہ شوخ بے پروا نکل آیا
دمِ بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو　　کہ ہر زخم بدن سے خون کا دریا نکل آیا
خدنگ یار کے ہمراہ نکلی جان سینے سے　　یہی ارماں اک مدت سے جی میں تھا نکل آیا
بہت نازاں ہے تو اے قیس وحشت پر دکھاؤں گا　　کتابوں میں کبھو قصہ جو مومن کا نکل آیا

فراق غیر میں ہے بے قراری باب اپنا سا　　بنایا تو نے اس کو بھی دلِ بیتاب اپنا سا
کسی کا سوز دل ہرگز تجھے باور نہیں آتا　　تو سب کو جانے ہے اے مہر عالم تاب اپنا سا

جواب خون ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے — کہ ظالم رہ گئے منہ لے کے سب احباب اپنا سا
اگرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب کہتا ہے — کہاں ہے لیک معنی بند مضمون یاب اپنا سا

ذرا منہ دکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا — آج ہم نے اس کو اپنا زور و زر دکھلا دیا
موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر — جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا
گو حسد سے پر جواب بھی ہے وہی ناصح کی بات — ناحق اس جان جہاں کو اک نظر دکھلا دیا
دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمان بالغیب آپ کا — اس بت پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا — میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا
دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں — اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا
مت رکھیو گرد تارک عشاق پر قدم — پامال ہو نہ جائے سرفراز دیکھنا

قابو میں نہیں ہے دل کم حوصلہ اپنا — اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھ سے گلہ اپنا
اس حال کو پہنچے تیرے قصہ سے کہ اب ہم — راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا
انصاف کے خواہاں ہیں ہیں طالب زرہم — تحسین سخن فہم ہے مومن اپنا

ہمسری اس زلف سے یہ بھی ایسا ہوگیا — لو مرے بخت سیہ کو اور سودا ہو گیا
گر جنازے پر عدو کے وہ خود آرا ہوگیا — پر ہمارا بھی تو مرجانا تماشا ہو گیا
چشمۂ حیواں بنا اس کے لبوں کی شرم سے — پانی پانی بسکہ اعجاز مسیحا ہو گیا
جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوش یاس کی — مفت اس بلوے میں شب خون تمنا ہو گیا
شربت مرگ آب حسرت شور بختی زہر غم — تلخ کامی سے مجھے کیا کیا گوارا ہو گیا
حق تو ہے کیا غزل اک اور مومن نے پڑھی — آج باطل سارے استادوں کا دعویٰ ہو گیا

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا   دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا
شعلہ دل کو ناز تابش ہے   اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا
شوق نے دورباش اعدا کو   اس کی محفل میں مرحبا جانا
مے نہ اتری گلے سے جو اس بن   مجکو یاروں نے پارسا جانا
شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا   تو نے مومن بتوں کو کیا جانا

چلوں کے بدلے مجکو زمیں پر گرا دیا   اس شوخ بے حجاب نے پردہ اٹھا دیا
فرماتے ہیں وصال ہے انجام کار عشق   کیا ناصح شفیق نے مژدہ سنا دیا
رشک فغاں کی ہائے رقیب آفرینیاں   محشر نے خفتگان زماں کو جگا دیا
اس کی شرارتوں سے جگر داغ داغ ہے   گل کھانے کو رقیب کا چھلا منگا دیا
ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ہے سب کا سر   مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

دل قابل محبت جاناں نہیں رہا   وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیاں نہیں رہا
بیکاری امید سے فرصت ہے رات دن   وہ کاربار حسرت وہ حرماں نہیں رہا
کیا تلخ کامیوں نے لب زخم سی دیے   وہ شور اشتیاق نمکداں نہیں رہا
بے اعتبار ہوگئے ہم ترک عشق سے   از بسکہ پاس وعدۂ پیماں نہیں رہا
مومن یہ لاف الفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر   دلّی میں کوئی دشمن ایماں نہیں رہا

کیا رم نہ کروگے اگر ابرام نہ ہوگا   الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
ناکامی امید پہ صبر آئے تو کیا آئے   ہر بات میں کہتے ہو کہ یہ کام نہ ہوگا
منقوش دل خلق ہے پرہیز کی خوبی   کتنا ہی کرے ظلم وہ بدنام نہ ہوگا
گلرنگ ہوا گریہ خون سے مرا دامن   کیا اب بھی تجلی چرخ سیہ فام نہ ہوگا
وہ مشق رہی اور نہ وہ شوق ہے مومن   کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہوگا

غصہ بیگانہ وار ہونا تھا
بس یہی تجھ سے یار ہونا تھا

گر نہ تھی اے دل اس کے رنج کی تاب
کیوں شکایت گزار ہونا تھا

خاک ہوتا نہ میں تو کیا کرتا
اس کے در کا غبار ہونا تھا

شکوۂ دہر پر کہا تم کو
آفتِ روزگار ہونا تھا

صبر کر صبر ہو چکا جو کچھ
اے دل بے قرار ہونا تھا

وہ نمک پاش بھی نہیں ہوتے
یوں ہی دل کو فگار ہونا تھا

رات دن بادۂ و صنم مومن
کچھ تو پرہیز گار ہونا تھا

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

دامن اس کا جو ہے دراز تو ہو
دست عاشق رسا نہیں ہوتا

حال دل یار کو لکھوں کیونکر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمھارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سنے عرض مضطرب مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا
مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اس کے
کیونکر لب قاصد سے پیغام ادا ہوتا

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اسے بھی فکر ستم نہ ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا

پڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اس نے خط پڑھ کے نامہ بر سے
کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ ہوتا

جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی
اگر چہ یہ سرنوشت میں تھا تمھارے سر کی قسم نہ ہوتا

مگر رقیبوں نے سر اٹھایا کہ یہ نہ ہوتا تو بے مروت
نظر سے ظاہر حیات نہ ہوتی حیا سے گردن میں خم نہ ہوتا

ہوا مسلمان میں اور ڈر سے نہ درس واعظ کو سن کے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے بنتی عذاب ہجر صنم نہ ہوتا

تھی وصل میں بھی فکر جدائی تمام شب — وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب
واں طعنہ تیر بار یہاں شکوہ زخم ریز — باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب
مومن میں اپنے نالوں کے صدقے کہ کہتے ہیں — اس کو بھی آج نیند نہ آئی تمام شب

کرتے ہیں عدو وصل میں حرماں کی شکایت — تھی بارے موثر غم ہجراں کی شکایت
ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ — دل ہی میں رہی رنجش جاناں کی شکایت
پامال ستم ہے دل ناکام کے ہاتھوں — کس منہ سے کروں ولولۂ جاں کی شکایت
حوران بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا — مومن مجھے کیونکر نہ ہو ایماں کی شکایت

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح — اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح
تشبیہ کس سے دوں کہ طرحدار کی مرے — سب سے نرالی وضع ہے سب سے نئی طرح
مر چک کہیں کہ تو غم ہجراں سے چھوٹ جائے — کہتے تو ہیں بھلے کی ولیکن بری طرح
نے تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں — کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح
ہوں جاں بلب بتان ستمگر کے ہاتھ سے — کیا سب جہاں میں جلتے ہیں مومن اسی طرح

نہ کیونکر بس ہوا جاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر — وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں میں کہہ کہہ کر
نوید اے دل کہ رشک غیر سے چھوٹے اسے ہم نے — ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہہ سہہ کر
خدا کو مان اپنی راہ لے کعبہ کو جا مومن — صنم خانہ میں کیا لیوے گا اے گم گشتہ رہ رہ کر

ہجراں کا شکوہ لب تلک آیا نہیں ہنوز — لطف وصال غیر نے پایا نہیں ہنوز
اے جذب دل وہ شوخ ستمگر تو یک طرف — پیغام لے کے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز
واعظ ہمارے سامنے کرتا ہے وصف حور — سمجھا ہے اس نے جلوہ دکھایا نہیں ہنوز

ناصح رقیب سے ہے بدآموز تر کہیں   پر میں نے تیرا حال سنایا نہیں ہنوز
اب کی وفورِ عشق صنم میں ہے گفتگو   مومن وہ لب پہ ہائے خدایا نہیں ہنوز

ہر غنچہ لب سے عشق کا اظہار ہے غلط   اس بحث صبح کی تکرار ہے غلط
کرتے ہو مجھ سے راز کی باتیں تم اس طرح   گویا کہ قول محرم اسرار ہے غلط
سچ تو یہ ہے کہ اس بت کافر کے دور میں   لاف و گزاف مومن دیندار ہے غلط

مجلس میں تانہ دیکھ سکوں یار کی طرف   دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف
شام فراق خواب عدم کا ہے انتظار   آنکھیں لگی ہیں دولت دیدار کی طرف
اس نے دکھا دکھا کے مجھے چھیڑ دیکھنا   گل پھینکے عندلیب گرفتار کی طرف

وہ جو زندگی میں نصیب تھا وہی بعد مرگ رہا قلق   یہ قلق ہے کیسا کہ بے ستم گئی جاں پر نہ گیا قلق
پیہم ہے حالت جانکنی غرض اب تو جاں پر آبنی   یہ عذاب مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق
یہ کہاں کی جی کو بلا لگی مری ہائے کیونکر ہو زندگی   کوئی کیا جیے جو ہوا ایک سا شب و روز صبح و مسا قلق
شب ہجر روز وصال کی تری شوخیاں جو نظر میں تھیں   کہوں کیا تغیر حال دل کبھی تھا سکوں کبھی تھا قلق
نہیں چاہ میری اگر انہیں نہیں راہ دل میں تو کس لیے   مجھے روتے دیکھ کے رو دیا مرا حال سن کے ہوا قلق
غم ہجر یار کے ہاتھ سے شب و روز ہوں میں عذاب میں   ہے ہمیشہ ایک نئی تپش ہے مدام ایک نیا قلق
شب وعدہ جذبۂ شوق سے ہوئی کشمکش یہ ستم ہوا   کہ وہ آتے آتے جو تھم گئے تو کسی طرح نہ تھما قلق
کہاں جاں بلب ہوں جو آئے تو مری زندگی ہو تو یوں کہا   ترے جینے کی مجھے کیا خوشی ترے مرنے کا مجھے کیا قلق
یہی دین اگر ہے تو چھوڑ دو طرف اور صنم کی نہ رخ کرو   جسے مومن آپ کے واسطے ہے مثال قبلہ نما قلق

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق   سچ تو یوں ہے بری بلا ہے عشق
اثر غم ذرا بتا دینا   وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق
ہم کو ترجیح تم پہ ہے یعنی   دلربا حسن و جاں ربا ہے عشق

دیکھیے کس جگہ ڈبو دے گا میری کشتی کا ناخدا ہے عشق
اب تو دل عشق کا مزا چکھا ہم نہ کہتے تھے کیوں برا ہے عشق
آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے باوفا حسن و بے وفا ہے عشق
قیس و فرہاد و وامق و مومن مرگئے سب ہی کیا وبا ہے عشق

امتحاں کے لیے جفا کب تک التفات ستم نما کب تک
غیر ہے بے وفا پہ تم توکہو ہے ارادہ نباہ کا کب تک
جرم معلوم ہے زلیخا کا طعنۂ دست نارسا کب تک
تم کو خو ہوگئی برائی کی درگزر کیجیے بھلا کب تک
مرچکے اب تو اس صنم سے ملیں مومن اندیشۂ خدا کب تک

پھر نہ چھوڑوں گو وہ کردے چاک جیب جاں تلک ہاتھ پہنچا چاہیے اس شوخ کے داماں تلک
اول الفت ہے یارب وصل ہی میں ہو وصال ہم کو تو جینا نہ رکھیو آمد ہجراں تلک
سینے سے گھبرا کے آخر جان لب پر آگئی حال پہنچا یاں تلک اور تم نہ آئے یاں تلک
نیند میں یارب دوپٹہ کس کے منہ سے ہٹ گیا ہے زمیں سے روشنی افلاک نور افشاں تلک
شوق بزم احمد وذوق شہادت ہے مجھے جلد مومن لے پہنچ اس مہدی دوراں تلک

بسکہ مشتاق ناز یار ہے دل ستم آموز روزگار ہے دل
زلف مشکیں میں کاہے کو رکھتے کیا خبر تھی انھیں نگار ہے دل
وصل جاناں کہاں سوائے خیال ہم ہیں مایوس امید وار ہے دل
بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ بے اثر آہ و بے قرار ہے دل
شب ہجراں کو سمجھے روز جزا مومن ایسا سیاہ کار ہے دل

شام سے تا صبح منتظر صبح سے تا شام ہم   ایک عالم میں ہیں کیوں گردش ایام ہم
آن بیٹھا کون کوٹھے پر جو یوں حیراں سے   خاک پر چپکے پڑے تکتے ہیں سوئے بام ہم
گر ترے کوچے کو دی کعبہ سے نسبت کیا گناہ   مومن آخر تھے کبھی اے دشمن اسلام ہم

پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھر میں ہم   راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم
اس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت   ہوتے جو پائمال کسی رہگذر میں ہم
دلی سے رامپور میں لایا جنوں کا جوش   ویرانہ چھوڑ آئے ہیں ویرانہ تر میں ہم
وصل بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال   مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم   پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم   منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بے کسی سے ہم
صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا   لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم
بے روئے مثل ابر نہ نکلا غبار دل   کہتے تھے ان کو برق تبسم ہنسی سے ہم
کیا گل کھلے گا دیکھیے ہے فصل گل تو دور   اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم
کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا   کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم
لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں   مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم   تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم
اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے   تو بات بات میں مضطر ہوا نہ کرتے ہم
اگر جلاتے نہ اس شعلہ رو کے عشق میں جی   تو سوز آتش غم سے جلا نہ کرتے ہم
اس آفت دل و جان پر اگر نہ مرجاتے   تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا نہ کرتے ہم
اگر نہ ہنسانا ہنسانا کسی کا بھاجاتا   تو بات بات پہ یوں رو دیا نہ کرتے ہم
جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن   تو دیکھ خرچ کو بے بے خدا نہ کرتے ہم

دل آگ ہے اور لگائیں گے ہم   کیا جانئے کسے جلائیں گے ہم
اب اور سے لو لگائیں گے ہم   جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم
برباد نہ جائے گی کدورت   کیا کیا تری خاک اڑائیں گے ہم
سر دوش عدو پہ رکھ کے بیٹھے   جانا نہ کہ سر اٹھائیں گے ہم
بت خانہ چین ہو گر ترا گھر   مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

لاش پر آنے کی شہرت شب غم دیتے ہیں   اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں
کیا دوا سے ہو تری رنجش ہردم کا علاج   چارہ گر یوں مجھے رنج پیہم دیتے ہیں
لذت جور کشی نے مجھے شرمندہ کیا   طعنے کیا کیا اے ارباب ستم دیتے ہیں

مجھے ہے چھیڑنے کو میرے گرسب ہوں مرے بس میں   نہ دوں ملنے کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں
نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بتا دیتے   کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغان آسماں رس میں
نہ میں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری   اثر کس کس کو ہو ہووے بھی گر فریاد بیکس میں
کبھو گر غیر سے مستثنیٰ تو کہو ہے طعن سے رک کر   یہ کیوں کس واسطے ہم ایسے تیرے ہو گئے بس میں
در بت خانہ وحشت بتاں اور آپ اے مومن   یہ حضرت آ گئی اک بار کیا طبع مقدس میں

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں   اضطراب دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں
دیکھتے ہی گل نظر میں تیرا ہنسنا پھر گیا   آتش گل نے لگائی آگ اے گلرو ہمیں
کیا اثر تھا اشک دشمن میں جو کوئے یار سے   مارے غیرت کے بہا کر لے چلے آنسو ہمیں
باعث بیتابی عالم نگاہ یاس ہے   چشم جادوگر نے یہ سکھلا دیا جادو ہمیں
گر یہی شوق شہادت ہے تو مومن جی چکے   مار ڈالے۔ کاش کوئی کافر دلجو ہمیں

دم بہ دم رونا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں   کیا کہیں عاشق ہوئے یا ہو گیا سودا ہمیں
ہر ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا   بند کرنے کو قفس میں دام سے چھوڑا ہمیں

بزم میں اس کی بیاں درد و غم کیونکر کریں　　وہ خفا جس بات سے ہوئے وہ ہم کیونکر کریں
سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا　　ہم بھی تو مومن ہیں دل نذر صنم کیونکر کریں

تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں　　ہم نہیں چاہتے کی اپنی شب دراز میں
کیونکہ نہ آدھی رات تک جاگے وہ جس کا دھیان ہو　　آ ہوئے نیم خواب میں نرگس نیم باز میں
ان سے اب التفات کی غیر کو ہیں شکایتیں　　سن کے مرا مبالغہ منت احتراز میں
کیا ابھی سینے جل چکے کیا ابھی دل پگھل چکے　　بوئے کباب اب نہیں آہ جگر گزار میں
یاد بتاں میں لاکھ بار فرط قلق سے ہم بھی تو　　بیٹھے اٹھے ہیں مومن اب گر رہے شب نماز میں

جیب درست لائق لطف و کرم نہیں　　ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں
ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں　　سچ ہے کہ مجھ میں طاقت جور و ستم نہیں
مومن سوئے حرم ہے تکاپوئے فکر کیوں　　کیا اس زمیں میں قافیہ بیت الصنم نہیں

دن بھی دراز رات بھی کیوں ہے فراق یار میں　　کا ہے　سے فرق آ گیا گردش روزگار میں
خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں　　کیوں نہ ہمیں زیادہ ہو جوش جنوں بہار میں
مرگ ہے انتہائے عشق یاں رہی ابتدائے شوق　　زندگی اپنی ہوگئی رنجش بار بار میں
دھیان میں مومن آ گئی بحث جبر و اختیار　　قابوئے یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں

نالہ ہی نکلے ہے گو ہم مدعا کہنے کو ہیں　　لب نہیں کہنے: ب اب کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ　　کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں
ترجماں التماس شوق ہے تغیر رنگ　　جوں زبان شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں
دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا　　بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجیے پھر ہم بھی کچھ
آرزو ہائے دل رشک آشنا کہنے کو ہیں
ہوگئے نام بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

وہ علی الرغم عدو مجھ پہ کرم کرتے ہیں
ہے ستم لطف کے پردے میں ستم کرتے ہیں
اے اجل کاش الٹ جائیں شب ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں
جاکے کعبہ میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جائے لبیک سدا ہائے صنم کرتے ہیں

تاثیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں
بیچارگی سے جان پڑی کس عذاب میں
کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں
ہم کچھ تو بد تھے جب نہ کیا یار نے پسند
اے حسرت اس قدر غلطی انتخاب میں
بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہوچکے
اب عذر کیا رہا نگہ بے حجاب میں
مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کردیا
حسرت بھی اب نہیں دل ناکامیاب میں
ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں
دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش
وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں
تقریر بھی بری مری تقدیر بھی بری
بگڑے و. پرسش سبب اجتناب میں
پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

شعلہ ہائے تپ دل آگ لگاتے کیوں ہو
گر ہو دلسوز مرے مجکو جلاتے کیوں ہو
نہیں منظور اگر بوالہوس کا شکوہ
غیر کو تم مرے اشعار سناتے کیوں ہو
کھل گیا عشق صنم طرز سخن سے مومن
اب چھپاتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

اگر زنجیر کش سوئے بیاباں اپنی وحشت ہو
تو پائے قیس کا ہر ایک چھالا چشم حیرت ہو
سمجھتا خوب ہوں میں اس بناوٹ کی لگاوٹ کو
قسم کھا جاؤں گا گر تیرے دل میں کچھ محبت ہو
ہوئے بے خواب آہ نیم شب سے تو لگے کہنے
کہ سوتوں کو جگا دیتے ہو تم بھی ک[illegible]ت ہو

عدو سے بزم میں ہوتی رہی چشمک زنی کیا کیا　　نہ دیکھا حال میرا تم بھی کتنے بے مروت ہو
بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن　　نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو　　ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو
چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرت ناصح　　طرز نگہ چشم فسوں ساز تو دیکھو
مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ　　بدنامی عشاق کا اعزاز تو دیکھو
محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے　　منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو
اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک　　شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو
جنت بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے　　جور اجل تفرقہ پرداز تو دیکھو

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو　　وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر　　مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم　　گلۂ ملامت اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی　　تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی　　کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا　　سو نباہنے کا ذکر کیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا　　میں وہی ہوں مومن مبتلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

آئے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو　　جوں سوز دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو
روٹھے سو روٹھے ہم سے منتے نہیں ہو کیونکر　　غیروں سے جب لڑے ہو لڑتے ہی من گئے ہو
باد بہار میں ہے کچھ اور عطر بیزی　　تم آج کل میں شاید سوئے چمن گئے ہو
ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی　　کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو عذر کچھ چاہیے ستانے کو
صبح عشرت ہے وہ نہ شامِ وصال ہائے کیا ہوگیا زمانے کو
برق کا آسماں پہ ہے دماغ پھونک کر میرے آشیانے کو
شکوہ ہے غیرت کی کدورت کا سو میرے خاک میں ملانے کو
چل کے کعبے میں سجدہ کر مومن چھوڑ اس بت کے آستانے کو

سیماب ہے پہلو میں مرے دل تو نہیں یہ اس دل نے ستایا مجھے غارت ہو کہیں یہ
کچھ شور محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکیں یہ
حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو مرتا ہوں ابھی گر ملے مدفن کو زمیں یہ
کیا یار کے آنے کی سنی کچھ کہ اجل کی کاہے کی خوشی ہجر میں ہے جان حزیں یہ
یاں کاہے کو وہ آنے لگا اے کشش دل تو لاکھ کہے پر کوئی آتا ہے یقیں یہ
بیدم سا پڑا تھا کوئی اس کوچہ میں اس نے دروازہ میں آجھانک کے دیکھا جو کہیں یہ
اس رحم کے صدقے وہیں گھبرا کے کہا ہاں ق جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ

دل بستگی سی ہے کسی زلف دوتا کے ساتھ پالا پڑا ہے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ
مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ
ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ
سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ
آتے ہی تیرے چل دیے سب ورنہ یاس کا کیا ہجوم تھا دل حسرت فزا کے ساتھ
ملیں کینے سے بھی خوش ہوں کہ سب یہ تو کہتے ہیں اس فتنہ گر کو لاگ ہے اس مبتلا کے ساتھ
مومن وہی غزل پڑھو شب جس سے بزم میں آتی تھی لب پہ جان زہ وجذا کے ساتھ
الٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ
اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغ خلد ہے کس جائے مجکو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ
آتی ہے بوئے داغ شب تار ہجر میں سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ

تجھے وعدے سے پھر آنے کی خوش یہ خبر نہ تھی　　ہے اپنی زندگی ہی اسی بے وفا کے ساتھ
اللہ ری گمرہی بت و بت خانہ چھوڑ کر　　مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے　　بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے
جب گھر میں نہ ہو تم تو رہیں کوچے میں ہم کیوں　　شکوہ جو تمہارا تو ہمارا بھی بجا ہے
توبہ گنہ عشق سے فرمائے ہے واعظ　　یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار ہوا ہے
تھا محو رخ یار میں کیا آئینہ دیکھوں　　معلوم ہے یارو مجھے جو رنگ مرا ہے
مومن نہ سہی بوسہ پا سجدہ کریں گے　　وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی　　خبر ہے لاش پہ اس بے وفا کے آنے کی

قتل ہوکر ہم بچے آزار سے　　عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے
لاغری ہے زندگی مشکل ہوئی　　ہے گراں تر جان جسم زار سے
کر علاج جوش وحشت چارہ گر　　لادے اک جنگل مجھے بازار سے
ذکر اشک غیر میں رنگینیاں　　بوئے خون آئی تری گفتار سے
گر دعا کرتا ہوں مومن وصل کی　　ہاتھ باندھے ہے وہ بت زنار سے

ہے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے　　یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے
حسن روز افزوں پہ غرا کس لیے اے ماہرو　　یوں ہی گھٹتا جائے گا جتنا کہ بڑھتا جائے ہے
غیر کے ہمراہ وہ آتا ہے میں حیراں ہوں　　کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے ہے
تاب و طاقت صبر و راحت جان و ایماں عقل و ہوش　　ہائے کیا کہیے کہ دل کے ساتھ کیا کیا جائے ہے
خاک میں مل جائے یا رب بے کسی کی آبرو　　غیر میری نعش کے ہمراہ روتا جائے ہے

اب تو مرجانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو   ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے
دیکھیے انجام کیا ہو مومن صورت پرست   شیخ صنعاں کی طرح سوئے کلیسا جائے ہے

ہوئی تاثیر آہ و زاری کی   رہ گئی بات بے قراری کی
مبتلائے شب فراق ہوئے   ضد سے ہم تیرہ روزگاری کی
یاس دیکھو کہ غیر سے کہہ دی   بات اپنی امیدواری کی
تیرے ابرو کی یاد میں ہم نے   ناخن غم سے دل نگاری کی
کیا مسلماں ہوئے کہ اے مومن   حاصل اس بت سے شرمساری کی

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے   فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے
ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے   نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے
تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں   اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے
تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے   ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہوں گے
ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم   لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے
ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیماں کہ بس   ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہوں گے
ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا   اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے
صبر یارب میری وحشت کا پڑے گا کہ نہیں   چارہ فرما بھی کبھی قیدی زنداں ہوں گے
منت حضرت عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی   زندگی کے لیے شرمندۂ احساں ہوں گے
پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی   پھر وہی پاؤں وہی خار مغیلاں ہوں گے
عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن   آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے   کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے
آج اس بزم میں طوفاں اٹھا کے اٹھے   یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلا کے اٹھے
ہو عذاب شب یلدا سے رہائی یارب   زلف منہ سے کہیں اس مہر لقا کے اٹھے

سوزش دل سے ہوا کیا ہی میں پانی پانی   وہ جو پہلو سے پسینے میں نہا کے اٹھے
شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اس کے آگے   خوب احوال دل زار سنا کے اٹھے

بے پردہ بس چلوں یک بار تم آ بیٹھے   ہے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنی
لو چھیڑ رہے ہے نکہت کو گلہائے شبینہ کی   اب تم سے بھی چل نکلی باد سحری اتنی
کیا ہوگئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے   یا خوش تھی وہ کچھ یا بدنظری اتنی
کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے   ہے ہے میری الفت سے ہے بے خبری اتنی

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے   اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے
کیونکر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج   مومن یہ نقد دل زرجان کی زکوٰۃ ہے

مجھ پہ طوفان اٹھائے لوگوں نے   مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے
کردیے اپنے آنے جانے کے   تذکرے جائے جائے لوگوں نے
وصل کی بات کب بن آئی تھی   دل سے دفتر بنائے لوگوں نے
کیا تماشا ہے جو نہ دیکھے تھے   وہ تماشے دکھائے لوگوں نے
کردیا مومن اس صنم کو خفا   کیا کیا ہائے ہائے لوگوں نے

تمہیں تقصیر اس بت کی کہ ہے میری خطا گتی   مسلمانو! ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

جب وہ حیرت زدہ چہرے پہ نظر کرتا ہے   آئینہ صد گلۂ آئینہ گر کرتا ہے
اک نمکداں سے تو لذت نہ اٹھی اے قاتل   زخم دل عرض نمکداں دگر کرتا ہے
کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا راز نہاں   ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے
بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں   تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے
سن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں   مومن اے اہل فن اظہار ہنر کرتا ہے

صبر وحشت اثر نہ ہوجائے　　کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے
کثرت سجدہ سے وہ نقش قدم　　کہیں پامال سر نہ ہو جائے
میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ　　تجکو اپنی نظر نہ ہو جائے
بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں　　کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے
رشک دشمن کا فائدہ معلوم　　مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے
اے دل آہستہ آہ تاب شکن　　دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے
مومن ایماں قبول دل سے مجھے　　وہ بت آزردہ گر نہ ہو جائے

کیا مرے قتل پہ ہامی کوئی جلاد بھرے　　آہ جب دیکھ کے تجھ سا ستم ایجاد بھرے
خون دل پیتے ہیں خوکردہ محنت اے کاش　　ساغر دہر میں ساقی مئے بیداد بھرے
چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا　　خون اتنا کہ سر نشتر فصاد بھرے
مومن اس شعلہ زبانی کی کہاں قدر مگر　　منہ در آبلہ سے گرئ فریاد بھرے

دربدر ناصیہ فرسائی . کیا ہوتا ہے　　وہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے
ایک نظر دیکھے سے سرتن سے جدا ہوتا ہے　　بے جگہ آنکھ لڑی دیکھیے کیا ہوتا ہے
چشم خونبار مری آپ نے تلووں سے ملی　　ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے
جان بلب ہوں خبر وصل سنادے قاصد　　لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے
ہوکے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں　　وہی کہہ دے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے
ہو نہ بیتاب غم ہجر بتاں میں مومن　　دیکھ دو دن میں بس اب فضل خدا ہوتا ہے

ہے دل میں غبار اس کے گھر اپنا نہ کریں گے　　ہم خاک میں ملنے کی تمنا نہ کریں گے
کیونکر نہ کہیں منت اعدا نہ کریں گے　　کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے
ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں　　اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے

بیمار اجل چارہ کو گر حضرت عیسیٰ اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے
اس کو میں ٹھہرنے نہ دیا جوش قلق نے اغیار سے ہم شکوۂ بیجا نہ کریں گے
مومن وہ غزل کہتے ہیں اب جس سے یہ مضمون کھل جائے کہ ترک در بت خانہ کریں گے

تو یہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے
ٹھہری ہے کہ ٹھہرائیں گے زنجیر سے دل کو پر برہمی زلف کا سودا نہ کریں گے
ہے عہد کہ پھر جانہ پھریں کوئے بتاں میں پھر جائیں اب اس عہد سے ایسا نہ کریں گے
اے حضرت مومن یہ مسلم جو ہے ارشاد بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کریں گے
لیکن جو بتوں ہی نے بھلا آپ سے کی بات پھر آپ ہی فرمایئے کیا کیا نہ کریں گے

نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی کتنی ہی طاقت آزمائی کی
گر نہ بگڑو تو کیا بگڑتا ہے مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی
مومن آؤ تمھیں بھی دکھلا دوں سیر بت خانہ میں خدائی کی

وہ کہاں ساتھ سلاتے ہیں مجھے خواب کیا کیا نظر آتے ہیں مجھے
مومن و دیر خدا خیر کرے طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

جذب دل زور آزمانا چھوڑ دے پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی
تشنہ لب ایسے ہم گرے مے پر کہ کبھی سیر عید گاہ نہ کی
میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کرکے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی
تھا مقدر میں اس سے کم ملنا کیوں ملاقات گاہ گاہ نہ کی
مومن اس ذہن بے خطا پہ حیف فکر آمرزش گناہ نہ کی

بندھا خیال جناں بعد ترک یار مجھے   کیا ہے یاس نے کیا کیا امیدوار مجھے
نہ ہو وہ بات کہ جس سے وفا میں آئے خلل   کہیں نہ کچھ ناصح سے شرمسار مجھے
بقدر جوش تڑپنے کو تھادلے پس قتل   وہ بے قرار ہوئے آگیا قرار مجھے
اگر حساب وفا امتحاں کے بعد نہ ہو   قبول عذر ستم ہائے بے شمار مجھے
خدا کرے ملک الموت ان سے پہلے آئے   بہت سی لینی ہیں جانیں پے نثار مجھے
ہرآن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار   وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے
ثواب ترک صنم چج سہی ولے مومن   یہ کیا غضب کہ سناتے ہو بار بار مجھے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی   تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی
موئے آغاز الفت میں ہم افسوس   اسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی
کہا ہے غیر نے تم سے مرا حال   کہے دیتی ہے بے باکی ادا کی
مجھے اے دل تری جلدی نے مارا   نہیں تقصیر اس دیر آشنا کی
کہا اس بت سے مرتا ہوں تو مومن   کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

تھے ہمیں مومن کی خودداری پہ کیا کیا اعتماد   کیا خبر تھی یہ کہ یوں محو بتاں ہو جائے گا

جان دی اور اس وفا پر امتحاں باقی رہا   حشر کی فریاد کا اس کو گماں باقی رہا

جب کہا میں نے کہ تم بیداد گر نا آشنا   بے مروت بے وفا بیگانۂ احباب ہو
ہنس کے فرمایا کہ میں تو خیر جو کچھ ہوں سو ہوں   تم بھی تو بے چین ہو بے صبر ہو بیتاب ہو

فقط

انتخاب دیوان

نسیم دہلوی

دیکھنا کیا مرتبہ ہے عاشقوں کی آہ کا　　اول و آخر میں جس کے حرف ہے اللہ کا
سب میں اور سب سے الگ ہے پاکدامانی تری　　بعد ملنے کے جدا ہے لفظ جیسے راہ کا
کیا ملے وہ زخم ازل سے جس کو تو بخشے فراق　　خامہ کرسکتا نہیں بخیہ شگاف آہ کا
دل کسی صورت تو بہلے کیوں تم آزردہ ہوئے　　شور بے تابی نہیں ہے زمزمہ ہے آہ کا
میں تو اس کے روئے روشن کا ہوں دیوانہ نسیم　　تنگ ہے جس کو نقاب حسن جلوہ ماہ کا

ہوں عاشق دیوانہ جو معشوق خدا کا　　غل نالۂ زنجیر میں ہے صل علیٰ کا
بے ہوش کیا ہے کسی باہوش نے مجکو　　جھگڑا نہ رہا یاد عذاب دوسرا کا
تو پیش نظر روح فدا شوق ہم آغوش　　اب ہاتھ نہ احسان اٹھائیں گے دعا کا
شمشیر محبت سے ہوا چاک جو سینہ　　ہر زخم جگر لفظ بنا صل علیٰ کا
اعمال نسیم اپنے برے ہیں کہ بھلے ہیں　　لیکن ہے بھروسا ہمیں محبوب خدا کا

خود فراموشی اثر ہے اس پری کی یاد کا   دل دکھانا خاص شیوہ ہے میری فریاد کا
قبر پر آیا ہے دینے کو مبارکباد مرگ   یہ نیا ایجاد ہے میرے ستم ایجاد کا
واہ کیا رعب جنوں ہے اپنے صدقے جائیے   ہاتھ کیسا کانپتا ہے جسم بھی فصاد کا
کہتے کہتے رہ گئے ہنگام استفسار حشر   کچھ محبت آ گئی منہ دیکھ کر جلاد کا
مجکو بھی تجدید عادت میں رہا کرتی ہے فکر   جس طرح پہلو بدلتا ہے تری بیداد کا
دیکھ لیتا ہے جو اس نے آنکھ سے دیکھا نہیں   شوق تیرا نور دل ہے کور مادر زاد کا
بعد آزادی بھی مدت تک نہ چھوڑا ہم نے گھر   آ گئی شرم وفا منہ دیکھ کر صیاد کا
حق خدمت چاہتا ہے چل کے رہیے اے نسیم   مدتوں سے آہ ویراں ہے قفس صیاد کا

تم تک مجھے لایا تھا جوش اس دل مضطر کا   اب جاؤں کہاں رستہ معلوم نہیں گھر کا

تنگ کرتا ہے بدل جانا یہ سو سو بار کا   رنگ رخ نے ڈھنگ سیکھا ہے مزاج یار کا
عادت بے سود کھو دیتی ہے آنکھوں سے وقار   کچھ اثر رکھتا نہیں خندہ لب سوفار کا
اب تو ہر زخم جگر ہے دامن ابر بخیل   تر نہیں ہوتا ہے سو بوسوں سے لب سوفار کا
رہ گیا ہے کچھ جو کانٹوں میں الجھ کر جابجا   تار دامن اب نظر آتا ہے گیسو خار کا
آسماں پر کچھ شفق پھولی نظر آنے لگی   عکس جا پہنچا تمھارے دامن گلنار کا
شغل افغاں کے لیے بلبل کرے گی اعتکاف   باغباں گوشہ بتا دے دامن گلزار کا
چشم عاشق بن گیا ہوں اس لیے میں اے نسیم   شاید آ جائے نظر جلوہ جمال یار کا

پھر غلغلہ ہے آمد فصل بہار کا   بگڑا مزاج میرے دل بے قرار کا
بوسے فریب سے جو لب یار کے لیے   برہم معاملہ ہے مرے اعتبار کا
گر جانتے جگائے گی بر خیز حشر کی   احساں نہ لیتے راحت خواب مزار کا
دم بھر کے دیکھنے کی تمنا ہمیں نہیں   شرمندہ ہے گناہ بھی کیا ایک بار کا

سنگ تربت لال ہے میرے تن محرور کا　　پھول کھلاتا نہیں گر کر چراغ گور کا
دیکھیے کچھ دن ہوائیں اس کو آہ سرد کی　　جوش خون گرم سے منہ آ گیا ناسور کا
کثرت دولت میں لطف خانہ بربادی بھی ہے　　شہد کے ہونے سے لٹ جاتا ہے گھر زنبور کا
حال دل چھیڑا تو بولے اور کچھ فرمایئے　　ذکر خوش آتا ہے کس کو قصہ مشہور کا
کون سن سکتا ہے کس کو اتنی طاقت اے نسیم　　اپنا ہر نالہ ہے پروردہ کنار صور کا

بس کہ ہوں محو تصور شاہد مستور کا　　دل میں عالم ہے مرے فانوس شمع طور کا
میری ہستی اک صدا ہے جو نہ آئی کان تک　　شور پنہاں ہوں سو وہ بھی خندہائے دور کا
مصرع تاریخ پسند طبع والا ہے نسیم　　ماہ ہے اک خال رخسار شب دیجور کا

ہر گھڑی کرتی ہے غل محرومیٔ تقدیر کا　　اشک تر کس نے چرایا دیدۂ زنجیر کا
شوخیاں وحشت دکھاتی ہے نئے انداز سے　　چشم آہو بن گیا حلقہ میری زنجیر کا
رات دن اب تو گزرتی ہے بڑے آرام سے　　تم پر احساں ہے میری فریاد بے تاثیر کا
جب وہ سننے بیٹھتے ہیں آنکھ میں آتی ہے نیند　　کیا اثر رکھتا ہے افسانہ مری تقدیر کا
کس قدر رغبت سے چوسا ہے دل مجروح نے　　نطق تک باقی نہیں رکھا زبان تیر کا
وائے قسمت حسن کی دولت کو لوٹیں تیرہ روز　　طرہ ہائے شمع رکھتا ہے دہن گلگیر کا
زیب کی حاجت حسینوں کو نہیں ہوتی نسیم　　پیرہن بے بخیہ ہے خورشید کی تنویر کا

فصل گل آئی زمانہ ہے جنوں کے جوش کا　　ہمت اے ساقی یہی ہے وقت نوشانوش کا
پھر سبو اچھلے جھکے شیشے ہوئے لبریز جام　　رخصت اے زاہد زمانہ ہے وداع ہوش کا
ایک چپ رہنے سے لاکھوں راحتیں موجود ہیں　　مٹ گئے جھگڑے ہوا احسان لب خاموش کا
بے خبر رکھتا ہے مجھکو جوش وحشت اے نسیم　　مدتیں گزریں نہیں رکھتا تعلق ہوش کا

اس درجہ تھا قلق مجھے رد سوال کا — دریا بہا کیا عرق انفعال کا
اللہ رے تردد خاطر کی کثرتیں — تودہ بنا دیا مجھے گرد ملال کا
شعلوں میں آفتاب میں انجم میں ماہ میں — جلوہ کہاں کہاں ہے تمھارے جمال کا

حرفوں کے ملے جوڑ بڑھا حسن رقم کا — ہر لفظ کے پیوند میں بخیہ ہے قلم کا
کیا طاعت کاہش ہے کہ اٹھتی نہیں گردن — جب دیکھیے سر کو مرے سجدہ ہے قدم کا
عاشق کو نہیں دولت دنیا کی تمنا — جو داغ ہے سینے میں نمونہ ہے درم کا
آنکھوں کو سکھا دیجیے بیداریٔ کامل — احسان اٹھائیں گے نہ ہم خواب عدم کا
سولیں گے تہ خاک جھپک جائیں گی آنکھیں — آجائے گا جھونکا جو کوئی خواب عدم کا
آنکھوں کے تقاطر سے خبردار ہو دامن — کچھ اور ارادہ ہے مرے ابر کرم کا
رہتے ہیں نسیم اس رخ گلگوں کے نظارے — جلوہ ہے مری آنکھ میں گلزار ارم کا

عروس فکر رنگیں کو خیال آیا جو تزئیں کا — شگاف خامہ شانہ بن گیا زلف مضامیں کا
بلا ٹلتی ہے بخشش سے بہا اے چشم تر آنسو — ملے کچھ دامن خالی کو صدقہ روح غمگیں کا
بشکل مرغ بسمل اور بڑھ جاتی ہے بیتابی — دل مضطر کو طعنہ ہوگیا ہے نام تسکیں کا
دو سرحت دی دعا کو مطلب بیتاب نے میرے — کہ برسوں قافلہ ڈھونڈا کیا فریاد آمیں کا
نسیم اب قدر دانی اشتیاق سامعیں پر ہے — دکھایا لطف ہم نے ہر طرح سے طبع رنگیں کا

جو عاشق ہو تو کچھ سمجھے یہ نکتہ آشنائی کا — ملا ہے حکم کیوں سجدے میں ہم کو جبہہ سائی کا
حدیث نالہ میری آرزو سن سن کے روتی ہے — لباس ماتمی پہنا ہے شبہائے جدائی کا
کلام آتش مرحوم سے بھی نالہ پیدا ہے — نسیم آگاہ تھا کچھ وہ بھی درد آشنائی کا

آباد غم و درد سے ویرانہ ہے اس کا　　ٹوٹا ہوا جو دل ہے وہ کاشانہ ہے اس کا
جب دیکھیے کہتا ہے وہی ذکر سناؤ　　معلوم ہوا شوق بھی دیوانہ ہے اس کا
دن رات ہے یہ مسکن انوار تصور　　سینہ جسے کہتے ہیں پری خانہ ہے اس کا
گر گوش حقیقت شنوا ہے تو سمجھ لے　　جو شور ہے اس دہر میں افسانہ ہے اس کا
کیا پوچھتے ہو حال نسیم جگر افگار　　دیکھا جسے خوش وضع وہ دیوانہ ہے اس کا

ہوئے مضمون اعلیٰ میری طبع پاک سے پیدا　　ہزاروں آسماں ہیں ایک مشت خاک سے پیدا
جھکے شیشے کھلے آغوش ساغر دخت زر چمکی　　اٹھو مستو ہوا ہے آفتاب افلاک سے پیدا
ہوائے دولت منعم نہیں ہے خاکساروں کو　　کہ ہر دم تازہ خلعت ہے لباس خاک سے پیدا
نہ کیوں ہو جلوہ ہائے نو عروسِ زلف مضموں میں　　جو شانہ ہو ہمارے پنجۂ ادراک سے پیدا
نسیم اب سینہ سے چمکا فروغ داغ بیتابی　　طلوع مہر ہے صبح گریباں چاک سے پیدا

لحد پر ابر مایوسی ہوا افلاک سے پیدا　　بھلا خیر خاک کیا ہوگا ہماری خاک سے پیدا
ادب آموز ہوں مدت سے طرز بے حجابی میں　　مزے کیا کیا نہیں ہیں خاطر بیباک سے پیدا
نسیم اپنے سخن کے خوف سے حاسد دبلتے ہیں　　یہ رتبہ ہے ثنائے صاحب لولاک سے پیدا

مبدل بے سبب کب ہے احیا رنگ رو میرا　　کسی کی جستجو میں ہے دل پر آرزو میرا
پریشانی کے پہلو میں دل افگاری کی شکلیں ہیں　　خبر کچھ اور دیتا ہے یہ لطف گفتگو میرا
نہیں ممکن جو کچھ ممکن نہ ہو مرجانے والوں کو　　لب خنجر کا فاقہ توڑ دیتا ہے لہو میرا
انہیں رسوا کرے گا مجھکو نادم غیر کو دشمن　　غضب کیا کیا نہ لائے گا یہ جوش آرزو میرا

ساغر پلاکے بے خبر دوجہاں بنا　　او پیر مے فروش ہمیں بھی جواں بنا
اللہ رے درازی آغاز مدعا　　نکلا جو حرف منہ سے میرے داستاں بنا

اٹھا مرا غبار جو تعظیم یار کو ایسا ہوا بلند کہ اک آسماں بنا
لیل و نہار گیسو در خار یار میں جی چاہتا ہے بیٹھ رہیں اک جہاں بنا
عشاق جان فروش کے دیکھو تو حوصلے مقتل تمام معرکۂ امتحاں بنا
بیکار تھی نہ خاک نہ درد جگر نسیم اس سے زمیں اس سے ہراک آسماں بنا

کسی صورت تو دل کو شاد کرنا ہمیں دشمن سمجھ کر یاد کرنا
دعائیں دیں گے چھٹ کر قیدی زلف جہاں تک ہو سکے آزاد کرنا
کہیں وہ آفریں ایسا پڑے ہاتھ نہ مجھ پر رحم او جلاد کرنا
مسیحائی دکھانا بعد مردن جو دل چاہے تو کچھ ارشاد کرنا
اڑادو خاک میری ٹھوکروں سے اگر منظور ہے برباد کرنا
ادب سیکھے نہیں ہوں تو گرفتار بتا کر قاعدے بیداد کرنا
مزا تھا بے لبی کی گالیوں میں اسی بھولے سبق کو یاد کرنا
جنازہ اٹھ چکے میرا تو تم بھی ادا رسم مبارکباد کرنا
نسیم خستہ دل نے جان دے دی غضب لایا ترا بیداد کرنا

میں وہ ایذا دوست تھا راحت سے مجکو غم ہوا زخم کو ناخن سے چھیڑا درد دل جب کم ہوا
شب گھٹی ہر پردہ دار عشق محو غم ہوا رک گئیں آہیں مزاج آرزو برہم ہوا
رات بھر دیکھا تماشا ہم نے برق و ابر کا آہ کے شعلوں سے جب درد جگر باہم ہوا

خوں ٹپک کر آنکھ سے پھر اشک تر پیدا ہوا معدن لعل بدخشاں میں گہر پیدا ہوا
کیا غضب ہے جسم خاکی کی قفس میں جان ہو قید یہ وہ طائر ہے جو بام عرش پر پیدا ہوا
پیس ڈالا آسیائے چرخ نے اس کو نسیم جب زمانے میں کوئی صاحب ہنر پیدا ہوا

ہر حرف سے پیدا اثر جوش بلا تھا — نامہ ترا کیا تھا مری قسمت میں لکھا تھا
بخشا دم قسمت مجھے قسام ازل نے — وہ نالہ جو تاثیر فراموش بنا تھا
سیکھا یہ نسیم ان سے فریب ستم آمیز — ہر زخم رلانے کے لیے میرے ہنسا تھا

ہوئیں جب بند آنکھیں خوف پرسش کا یقیں آیا — ہوئے بیدار ہم جب وقت خواب واپسیں آیا
اٹھے شعلے دروں سینہ سے تعظیم فرقت میں — سرشک دیدہ استقبال کو تا آستیں آیا
وہ تھا محروم راحت میں وہ مقبول جفا تھا میں — کہ ایذا ڈھونڈنے کو جو کوئی آیا نہیں آیا
نہ پایا کوئی مجھ سا بے زباں شاید زمانے میں — کہ ناصح سرزنش کرنے کو جب آیا یہیں آیا
اذیت دوست ہے ہر چند لیکن دل بہلتا ہے — سبب کیا ہے ابھی تک ناصح مشفق نہیں آیا
نسیم ایسی غزل لکھی کرامت جس سے پیدا ہے — ہوئے شرمندہ حاسد منکروں کو اب یقیں آیا

لو فراغت ہوگئی کیسا سبک جاں ہوگیا — چاک داماں ہوگیا ٹکڑے گریباں ہوگیا
کی گہر ریزی ہمارے آبلوں نے ٹوٹ کر — تھا متاع عمر جو وقف بیاباں ہوگیا
کچھ نہیں لطف چمن کی ہم کو خواہش اے نسیم — شکل گل ہر زخم دل سینے میں خنداں ہوگیا

ہر رفیق بے کسی منزل پہ منزل رہ گیا — گر پڑا آنسو کسی جا پر کہیں دل رہ گیا
صید لاغر کر دیا تاخیر قاتل نے مجھے — ذبح کے لائق نہیں مرنے کے قابل رہ گیا
زمزمہ سنجی بھلا دی خطرۂ صیاد نے — آتے آتے کان تک شور عنادل رہ گیا
دی نہ فرصت ہمرہی کی اضطراب روح نے — دل میں پروانے کی سوز شمع محفل رہ گیا

جتنے غم تھے ہمیں مرے شکوۂ بیداد ہیں سب — ذکر کا ہے کو ہیں افسانہ فریاد ہیں سب
للہ الحمد کہ میں رنج فراموش نہیں — جو ستم تم نے کیے ہیں وہ مجھے یاد ہیں سب
اپنے اشعار کا آتش نے دیا آپ جواب — معترض ہو جیے تو قابل ایراد ہیں سب
راست کہتا ہوں یہ میں ناسخ و سودا و نسیم — اپنے انداز میں بے مثل ہیں استاد ہیں سب

تیوری چڑھی ہوئی ہے کشیدہ نظر ہیں آپ   کچھ اور حوصلہ ہے جو آئے ادھر ہیں آپ
صیاد رنج فکر اسیری ہے کس لیے   سوزِ نفس سے خاک مرے بال و پر ہیں آپ
حسرت فزاہیں جذبِ محبت کے حوصلے   یہاں اپنے نالہ ہائے سحر بے اثر ہیں آپ
آنکھوں میں ہے لحاظ تبسم فزاہیں لب   شکر خدا کہ آج تو کچھ راہ پر ہیں آپ
باتوں میں ہے فریب تو افسوں نگاہ میں   ہر ہر طرح سے ہوش ربائے بشر ہیں آپ
وا کیجیے نہ عقدۂ زلفِ دراز کو   اتنا رہے خیال کہ نازک کمر ہیں آپ
پایا غزل نے طول نہیں کم ابھی امنگ   کچھ خبر ہے نسیم کہاں ہیں کدھر ہیں آپ

غنچے نے تاجِ گل نے کیا پیرہن درست   شادی بہار کی ہے ہوا ہے چمن درست
پیغام دلکشا ہے آمد بہار کی   مرکر ہوئی ہے نرگسِ بیمار تندرست
گل جلوہ گر ہیں آمد فصل بہار ہے   کر باغباں نشیب و فراز چمن درست
کرتی ہے جمع بادِ صبا خاک منتشر   ہوتا ہے پھر نشاں مزار کہن درست
فرہاد نے فریب محبت میں جان دی   سمجھا کہ ہے معاملہ پیرزن درست
ساقی بھلا ہو خیر سے کوئی جام دے   رکھے خدا ہمیشہ تری انجمن درست
بدلو ردیف اور کہ جی بھر گیا نسیم   ہو اور طرح زلف عروس سخن درست

کعبہ نہیں ہے زاہد غافل نشاں دوست   دل ڈھونڈ عاشقوں کا یہی ہے مکان دوست
جھگڑا مٹا عذاب گیا مخلصی ملی   رکھتے تھے ایک دل سو ہوا مہمان دوست
ہے سرفروشیوں پہ بہائے جمال یار   ارزاں ہے آج کل تو متاع دکان دوست

آئینہ بن کر رہوں ہر وقت پیش روئے دوست
وہ مجھے دیکھا کرے دیکھا کروں میں سوئے دوست

حسرت دیدار میں کیا کیا نہ تڑپی عندلیب
تا قفس لائی صبا جس دم چمن سے بوئے دوست

سچ تو یہ ہے کہ مرگ عاشق کے تصدق جایئے
چشم مصروف نظارہ سر بہ زانوئے دوست

فتنہ ہائے چشم سحر آلود کی ہیں شہرتیں
کس طرف کس جانہیں افسانہ جادوئے دوست

ہاں خدارا اے اجل اتنا تو وقف چاہیے
چلتے چلتے اک نظر بھر دیکھ لیں ہم روئے دوست

زینت جاوید رکھتا ہے لباس دوستی
پیرہن ہے خاکساروں کا غبار کوئے دوست

سخت جانی کا برا ہو دل ہے شرمندہ نسیم
پھر گیا خنجر کا منہ خم ہوگئی دانہ دے دوست

بے خبر ہے انجمن بے ہوش ہے جانا نہ آج
خوب چکر دے رہی ہے گردش پیمانہ آج

جام کیسا خم کے خم خالی نہ کردیں تو سہی
دیکھ لے ساقی کمال ہمت مردانہ آج

کیا ادب ہے محفل رنداں ساغر نوش کا
کرتی ہے موج ضیا بھی تعرض مستانہ آج

ہے ہجوم کیف مستی لڑکھڑاتے ہیں قدم
لے چلے دیکھو کدھر کو لغزش مستانہ آج

رشک سے کیونکر نہ چاٹے ہونٹھ اپنے بادہ خوار
لذت مے لے رہا ہے ہر لب پیمانہ آج

جوش مستی پاؤں کس کس کے نہ ڈالے گا نسیم
گردشیں کیا کیا نہ دے گی گردش پیمانہ آج

دید کے قابل نہیں ہے محفل رندانہ آج
دختر رز کو لیے ہے گود میں پیمانہ آج

محتسب نے آکے محفل کو نمازی کردیا
جھک گئے خم گر پڑا سجدے میں ہر پیمانہ آج

چھپ گئے پردے میں خم آتے ہی مجھ سے نوش کے
چھپ گیسو ہو کے سمٹا دامن میخانہ آج

شمع بالیں کی تمنا ہے نہ پروائے چراغ
بے کسی دکھلا رہی ہے ہمت مردانہ آج

یہ غزل فرمائش احباب سے لکھی نسیم
ورنہ یہ سودائے بیجا اپنے سر میں تھا نہ آج

بہت دنوں میں دل آزاریاں یہ سیکھے گی　　ابھی نہیں ہے تمہاری مزاج داں فریاد
سنائیں کیا تمھیں بیمار ناتواں فریاد　　کہ دل سے آ نہیں سکتی ہے ناز باں فریاد

کس قدر خاطر غمدیدہ ہے دشوار پسند　　جز اجل کچھ نہیں کرتا ترا بیمار پسند

جما ہے قطرۂ خون جگر شمشیر دشمن پر　　تماشا ہے یہ گل پھولا نیا دیوار آہن پر
شگاف پیرہن سے کثرت شادی ہویدا ہے　　گماں ہوتا ہے ہنسنے کا ہمارے چاک دامن پر

رحم آجاتا ہے دشمن کی پریشانی پر　　زخم خوں روتے ہیں شمشیر کی عریانی پر
صاف رکھ قاتل عالم شکن ابرو کو　　مورچہ جم نہ رہے تیغ خراسانی پر
ہم وہ مشتاق اذیت ہیں کہ ہر دم قاتل　　زخم کھاتے ہیں امید نمک افشانی پر
میں جو بے خود ہوں کسی کا روئے زیبا دیکھ کر　　کہتے ہیں احباب میرے مجھکو کیا کیا دیکھ کر
لو میں پھر بیمار ہوتا ہوں کہیں راضی رہو　　میں نے سمجھا تم خفا ہو مجھکو اچھا دیکھ کر
دوست دشمن وہ خفا آزردہ مرگ و آسماں　　رحم آتا ہے ہمیں اب حال اپنا دیکھ کر

کیونکر اٹھائیں طرۂ زلف دوتا کے ناز　　کافر ہے نہ جائیں گے ہم سے بلا کے ناز
برسوں کے بعد میری بر آئی ہیں حاجتیں　　کیا کیا نہ آرزو پہ ہوئے ہیں دعا کے ناز
عشاق جاں فروش کے کچھ اور رنگ ہیں　　گستاخ ہوگئے ہیں تمہارے اٹھا کے ناز

کل چھری پائیں گے جتنے ہیں اسیران قفس　　دن کو مہمان قضا رات کو مہمان قفس
دے کہیں رخصت فریاد انھیں اے صیاد　　تنگ آئے ہیں بہت ضبط سے مرغان قفس
لوریاں گود میں لے کر جو قضا نے دی ہیں　　پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں مرغان قفس
خوابگاہ ستم افزا ہے گرفتاروں کی　　یارب آباد رہے گوشۂ دامان قفس

فصل گل آئی ہے مرغان چمن میں دلشاد　کہہ دو صیاد سے طیار ہو سامان قفس
مخلصی نے ہمیں پھر شوق اسیری بخشا　یاد آنے لگی وہ صحبت یاران قفس
نہ پڑی آنکھ تری اور طرف اے صیاد　کیا نہ بلبل کے سوا تھا کوئی شایان قفس
رنج عشرت سے نہیں کم جو ہوں احباب نسیم　مغتنم جان تو یہ صحبت یاران قفس

دیر سے تکتی ہے تیرا عارض پرنور شمع　دیکھ تو کیا دیکھتی ہے اوبت مغرور شمع
بے حجابی کے مزے اٹھے نہ پروانے کے ساتھ　جل رہی ہے پردۂ فانوس میں مجبور شمع
مر کٹائے گر فروغ زندگی منظور ہے　دیکھ وقت روشنی رکھتی ہے کیا دستور شمع

ہٹ گیا منہ سے دوپٹہ روشنی عارض نے دی　آفتاب حسن چمکا ہوگئی بے نور شمع
اس زمیں میں اک غزل لکھو مضامین زا نسیم　جلوہ افکار سے ہے خاطر مسرور شمع

آج کی شب دیکھتی ہے یہ نیا دستور شمع　مجھ سے تم کچھ دور ہو اور تم سے ہے کچھ دور شمع
صورت موسیٰ غشی ہے صاحبان بزم کو　مانگ لائی ہے کہاں سے جلوہ ہائے طور شمع
صبح تک جلتی رہی لیکن نہ پوچھی تم نے بات　آپ کی محفل سے دل میں لے چلی ناسور شمع
التماس آرزو کرتی تمھارے سامنے　ہاں مگر ہے خلقت خاموش سے مجبور شمع
کب ہیں محتاج ضیائے غیر عاشق اے نسیم　داغ تن تابندہ ہیں دکھلائے گی کیا نور شمع

حجاب ابر مانع ہے گزر کیونکر ہو گلشن تک　وہ شبنم ہوں پہونچ سکتا نہیں پھولوں کے دامن تک
کمال ضعف سے گھبرا کے آنسو میرے کہتے ہیں　مدد اے اضطراب شوق لے چل ہم کو دامن تک
وہ کہتے ہیں نہ ہے کس کے دل بیتاب کا شعلہ　کہ پھر جاتی ہے اک بجلی سی آ کر مرے دامن تک
ہجوم جوش وحشت سے ہوئے ہیں بے ادب ایسے　گریباں سے الجھ کر ہاتھ آ جاتے ہیں دامن تک
ترے چھٹنے نے چھوڑا آنسوؤں نے ساتھ آنکھوں کا　نکل مل کے آپس میں چلے آتے ہیں دامن تک
نگاہ قہر سے کیوں گھورتا ہے دم بدم ظالم　قسم لے لے جو میرا ہاتھ بھی پہنچا ہو دامن تک

خوشا قسمت قفس میں ہم قفس پر سیکڑوں پردے
نظر بھی اب تو جا سکتی نہیں دیوار گلشن تک

خطا میری نہیں صیاد میری آرزو لے جا
کہ مجھ کو کھینچ لائی تھی یہی دیوار گلشن تک

بہار فصل گل آئی ہے میں کنج قفس میں ہوں
مبارکباد تجکو ڈھونڈ جاتی ہے نشیمن تک

ادائے رسم ماتم صفیر آپس میں کرلیں گے
صبا لے جائیو دو چار پر میرے نشیمن تک

قفس رکھا ہے اتنی دور صیاد ستم گر نے
کہ میری آرزو بھی جا نہیں سکتی نشیمن تک

ہجوم کیف و مستی سے یہ عالم اب تو ہے ساقی
چلی آتی ہے مے ڈھلی ہوئی شیشے کی گردن تک

برستا ہے جو ابر تر تمنائیں ٹپکتی ہیں
ڈبو رے آب مے میں آج ساقی تجکو گردن تک

غنیمت ہے نسیم آزاد ہونا جب میسر ہو
ملیں گے ہم صفیروں سے پہنچ کر صحن گلشن تک

دیکھو او قاتل بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم
چارہ گر سے درد نالاں درد سے دل دل سے ہم

ہائے کیا بے خود کیا ہے غفلت امید نے
حال دل کہتے ہیں اپنا پھر اسی قاتل سے ہم

طول تھی راہ عدم گھبرا کے سوئے قبر میں
پاؤں پھیلائے تھکے جب دوری منزل سے ہم

جسم روشن سے نظر آتے ہیں جلوے روح کے
حسن لیلیٰ دیکھتے ہیں پردۂ محمل سے ہم

خالی از احسان نہیں یہ بھی کہ وقت اضطراب
خوش تو ہو جاتے ہیں تیرے وعدۂ باطل سے ہم

سینہ و دل میں ہجوم داغ حسرت ہے نسیم
پھول چن لیتے ہیں اپنے گلشن حاصل سے ہم

یہاں تک طول تھا اے ہم نفس کل ہجر کی شب میں
دعائیں جاگ کر سو رہیں آغوش مطلب میں

ہمیں حضرت سلامت کہہ کے صلواتیں سناتے ہیں
غضب کی شوخیاں ہیں ان کی دشنام مودب میں

مرے آنسوں کے قطرے ہیں جسے شبنم سمجھتے ہو
ٹپکتا ہے زلال اشک چھن کر دامن شب میں

یہاں تک راہ دیکھی زلف شب پر نور پیری ہے
کہیں آ کر جھک آئیں ہیں نیندیں چشم کوکب میں

کدورت زندگی کی باد ابرو پاک کرتی ہے
ثواب مرگ ملتا ہے عذاب نیش و عقرب میں

لیے انکار ساقی نے ہزاروں خون گردن پر
نگاہیں ڈوب کر رہ گئیں جام لبالب میں

بلندی پر ہے اقبال محبت خاکساروں کا　　شرار آہ خوابیدہ ہوئے پہلوئے کوکب میں
بہا ہے نور کا دریا ترے چاہ زنخداں سے　　بلندی حسن نے پائی نشیب سطح غبغب میں
یہاں تک جذب دکھلایا میری بیتابیٔ دل نے　　کتا شیریں خودآ میں چرخ سے آغوش یارب میں

تم کو بھی مشکل پڑے گی عاشقوں کی داد میں　　دونوں عالم ہیں ہمارے حلقۂ فریاد میں
بار ایجاب دعا ہے سر اٹھاؤں کس طرح　　حلقۂ احسان پڑے ہیں گردن فریاد میں
کس تماشا دوست نے محو تماشا کردیا　　کون لے آیا ہمیں اس عالم ایجاد میں
منہ سے نکلی بھی نہ تھی صاف بسم اللہ عشق　　پہلے ہی رونے لگے ہم خدمت استاد میں
لطف تکلیف قفس کچھ ہم سے پوچھا چاہیے　　مدتیں آخر ہوئی ہیں خدمت صیاد میں

برق نے ایک طرز بیتابی مرا سیکھا تو کیا　　سیکڑوں باتیں ہیں ایک خاطر ناشاد میں
بلبل بستان وحدت ہے یہاں سے چل نسیم　　عمر کو ضائع نہ کر اس گلشن ایجاد میں

دل جگر باہم ہدف ہوں سینۂ نخچیر میں　　دو زبانیں چاہئیں قاتل سنان تیر میں
خواب چشم منتظر کو باعث تقصیر ہے　　اس لیے بیداریاں ہیں دیدۂ زنجیر میں
پیرہن کچھ کہہ رہا ہے میری قربانی کا حال　　رنگ ہے جلاد بر تحریر دامنگیر میں
سادگی دیکھو تمنائے وصال یار سے　　آج تک ہم ہیں فریب آہ بے تاثیر میں
گر کوئی جاہل نہ سمجھے شعر تیرے اے نسیم　　کون سا ترک ادب ہوجائے گا توقیر میں

مرچکے جس پر کہ مرنا تھا ہمیں　　کرچکے جو کچھ کہ کرنا تھا ہمیں
اشک ریزی بے سبب اپنی نہ تھی　　عمر کا پیمانہ بھرنا تھا ہمیں

سمجھ کے تازہ خریدار گرم جوش ہمیں   بلا رہی ہے نگاہ اجل فروش ہمیں
لحاظ بے ادبی ہے اٹھائیں سر کیونکر   بہت دنوں سے نہیں التفات ہوش ہمیں

غرق بحر اشک ہیں کیا حاجت دامن ہمیں   چشم تر ہر روز پہناتی ہے پیراہن ہمیں
رہنمائی تیرگی ہے منزل مقصود میں   شمع کی صورت فروغ رشتۂ گردن ہمیں
دیکھ کر مجھکو گریباں چاک کہتا ہے ہلال   لیجیے ہم سے گریباں دیجیے دامن ہمیں
بعد مردن بھی نہیں شان جنوں میں کچھ کمی   چاک سوجا سے ملا ہے پہلو مدفن ہمیں
اب کسے ہے فرصت منت کشی اے باغباں   داغ دل دکھلا رہے ہیں جلوۂ گلشن ہمیں
آہ آتش بار سے طوق و سلاسل ہیں گداز   موم سے بھی نرم ہے سنگینیٔ آہن ہمیں

سب ستم سارے وہ ساماں مصیبت یاد ہیں   ہم ابھی کنج قفس سے مرغ نوآزاد ہیں
حکم ہے مرنے نہ پائیں بسمل تیغ جفا   اس ستم ایجاد کے کیا کیا نئے ایجاد ہیں
ایک جا بیتابی دل سے نہیں ہم کو قرار   صورت خاک پریشاں رات دن برباد ہیں
کب یقین ہے تم کو بے آغوش آئی ہوگی نیند   رات سے کیا کیا گمان خاطر ناشاد ہیں
خاکساروں کو غرور طبع بیجا ہے نسیم   اپنے منہ سے کب کہا ہم نے کہ ہم استاد ہیں

کرشمے غمزے سب اوفتنۂ عالم سمجھتے ہیں   تری اس چشم دزدیدہ کے تیور ہم سمجھتے ہیں
جگہ کیونکر نہ دیں اپنے دل محروم راحت میں   انیس وقت تنہائی تجھے اے غم سمجھتے ہیں
نسیم دہلوی ہم موجد باب فصاحت ہیں   کوئی اردو کو کیا سمجھے گا جیسا ہم سمجھتے ہیں

غور کرنا دوستو مجھ ناتواں کے حال پر   آئینہ محتاج ہے نظارۂ تمثال کو
تاج گوہر سر پہ پہنا آبلوں سے خار نے   وقف صحرا کردیا ہم نے جنوں کے مال کو
مصطفیٰ سے ہے تجھے چشم شفاعت اے نسیم   بخش دے گا ایزد برحق ترے افعال کو

ڈرتا ہوں آپ کی خفگی کا سبب نہ ہو فریاد بے لحاظ سے ترک ادب نہ ہو

مزہ مطلع کا دے فکر دو پہلو ہو تو ایسی ہو رہیں جسے برابر بیت ابرو ہو تو ایسی ہو
نظر آئے گھٹا کیفیت سو ہو تو ایسی ہو جگر ہو جائے پانی موج گیسو ہو تو ایسی ہو
فروغ حسن نے بخشے جو شعلے کان کی لو میں کہا شاعر نے شام گیسو ہو تو ایسی ہو
دم فریاد بے ہوشی رہی ہم کو قیامت میں نہ پہچانا اسے تاثیر جادو ہو تو ایسی ہو

کس کو غرض رہے جو اسیر بلا کے ساتھ بے کس وہ ہوں اثر بھی نہیں ہے دعا کے ساتھ
لے جایئے اسے بھی سبکدوش ہوں کہیں رکھیے میری امید بھی اپنی حیا کے ساتھ
جب لے چلے اٹھا کے جنازے کو اقربا محرومیاں مری ہوئیں آنسو بہا کے ساتھ
یہ بے سبب نہیں کہ جو مٹتے ہیں سیکڑوں شاید کچھ اور بھی ہے ترے نقش پا کے ساتھ

گھبرا گئے تم ایک ہی عرض بیاں میں آج سو حسرتیں ہیں اور مری التجا کے ساتھ
کیا التماس حال کروں آپ سے قسیم پھر سابقہ ہوا ہے اسی بے وفا کے ساتھ

کیا دل میں ارادہ ہے جو باندھے کمر آئے بے طور ہی مجھے طور تمہارے نظر آئے
نکلے نہ سلامت ترے کوچے سے کبھی ہم کچھ لے ہی گئے سر پہ بلا جب ادھر آئے
تم زلف کو کھولو کہ سحر ہونے نہ پائے جب تک کہ شب وصل کی شام دگر آئے
کی سیر جو اس زندگی چند نفس میں دنیا کے تماشے مجھے کیا کیا نظر آئے
جواب دیکھیے کب لے کے نامہ بر آئے دھڑک رہا ہے مرا دل کہ کیا خبر آئے
دیا قضا نے ہمیں مژدۂ فراغ حیات کہ آج تابہ دہن پارہ جگر آئے
شب فراق تھے نالاں شب اجل خاموش کہیں بھی جی نہ لگا آہ ہم جدھر آئے

ہوائے سیر چمن تھی قفس نصیب ہوا   کہاں جبکہ درستی پہ بال و پر آئے
دعا قریب اثر تھی تمہارے کہنے سے   فراز عرش سے نالے مرے اتر آئے
وہاں مجھے لیے جاتا ہے او دل بیتاب   کہ جس گلی سے ہزاروں بریدہ سر آئے
نسیم لطف سخن آپ پر تمام ہوا   کہے وہ شعر کہ شہرت جہاں میں کر آئے

اب وہ گلی جائے خطر ہوگئی   حال سے لوگوں کو خبر ہوگئی
دیکھیں گے اے ضبط پہ دعوے ترے   رات جدائی کی اگر ہوگئی
حضرت ناصح نے کہی بات جو   ہم اثر درد جگر ہوگئی

دیوانوں کو دنیا میں کبھی غم نہیں ہوتے   عیدیں ہیں یہاں روز محرم نہیں ہوتے
کیا جانے آتے ہیں کہاں سے مرے شکوے   کم ہوتے ہیں ہرچند مگر کم نہیں ہوتے
آنسو مری آنکھوں میں ٹھہرتے نہیں دم بھر   یہ خرمن اندوہ فراہم نہیں ہوتے
بے فائدہ ہے فکر مری چارہ گروں کو   سب زخم جگر قابل مرہم نہیں ہوتے
کس وقت نسیم جگر افکار کے افکار   برہم صفت گیسو برہم نہیں ہوتے

اب تک تو نہ بگڑے تھے گرفتار تمہارے   کچھ سوچ کے آئے ہیں گنہگار تمہارے
شایاں جفا قابل تکلیف ہمیں ہیں   کیا اور نہیں یار وفادار تمہارے
کھل جائے گا حال دل بیتاب انہیں بھی   جاتے ہیں نسیم آج کچھ اشعار تمہارے

شکایت کے عوض ہم شکر کرتے ہیں صنم تیرے   مزا دینے لگے کچھ سہتے سہتے اب ستم تیرے
جدھر تو نے کیا رخ زیر پا میرا تصور تھا   نہ باور ہو تو دیکھ آنکھوں میں ہیں نقش قدم تیرے
نہیں رکھتا کوئی سرمایہ اعمال پاس اپنے   بھروسے کے لیے عاشق کے کافی ہیں کرم تیرے

تمنا غیر کی کرنا خلاف رسم الفت ہے　　میں احسان اجل کیوں لوں نہیں ہیں کیا ستم تیرے
ہجوم بے خودی میں اے نسیم اب پاس معنی کیا　　اجازت دے برا اچھا لکھیں جو کچھ قلم تیرے

پہلو کو چیر کاش مرا دل نکل پڑے　　اے چارہ گر بلا سے مجھے یونہی کل پڑے
برہ میں خم جبیں میں چین زلف میں شکن　　آیا جو میرا نام تو کس کس میں بل پڑے
اے ہم نفس شب وصل کی گزرے گی خاک آرام سے　　مرغ سحر مصروف ہے مشق فغاں میں شام سے
صیاد آزردہ نہ ہو کر بے جرم بیتابی معاف　　دیکھی نہ تھی شکل قفس واقف نہ تھے ہم دام سے
بس اے نسیم خستہ جاں یہ مشق نالہ تا کجا　　سونے نہیں دیتی ہمیں گزرے تمہارے کام سے

سینہ ہے تہ زانوئے قاتل کئی دن سے　　آسان نہیں ہوتی مری مشکل کئی دن سے
صیاد کی آمد سے ہے گلشن میں اداسی　　سنتے نہیں فریاد عنادل کئی دن سے
رک جاتے ہیں نالے لب خاموش پر آکے　　کھلتی نہیں منقار عنادل کئی دن سے
خنجر کو مرے قتل نے بخشی یہ ندامت　　منہ پر ہے لیے دامن قاتل کئی دن سے
مرنے بھی نہ دے گی مجھے محرومیٔ تقدیر　　کچھ آنکھ چراتا ہے وہ قاتل کئی دن سے

باہم بلند و پست ہیں کیف شراب کے　　آنکھوں میں ہیں طلوع و غروب آفتاب کے
برسوں سے ڈھونڈتا ہے مضامیں شراب کے　　گردوں الٹ رہا ہے ورق آفتاب کے
پائی ہے میں نے زخم سے تعلیم خامشی　　گویا لب سکوت دہن ہیں جواب کے
محروم آرزو ہیں صدائے شکست میں　　رہ رہ گئے ابھر کے پھپولے حباب کے
کس اعتبار میں نفس چند اے نسیم　　شب بھر کے واسطے یہ تماشے ہیں خواب کے

ہنس رہے ہیں شور سن سن کر مری فریاد کے　　اب تو نالے ہو گئے مژدے مبارک باد کے
دل اگر شاداں رہے دیتا ہے چہرہ روشنی　　اور ہی ہوتے ہیں جلوے خانہ آباد کے

التفات آرزو سے جز ندامت کیا حصول　　چاہئیں بندے کہ شائق ہوں خدا کی یاد کے
پوچھتے ہو جس لیے تم وہ مجھے معلوم ہے　　کیا سنو گے حال میری خاطر برباد کے
مستیوں سے حسن کی آنکھیں رہا کرتی ہیں بند　　کب خیال آتے ہیں اس غافل کو میری یاد کے
آہ کیوں دی جاں اجل کو ہائے کیونکر جی اٹھوں　　ڈھونڈتے ہیں اب مجھے احساں میرے جلاد کے
پھول پتے ڈالیاں سب منتشر ہیں اے نسیم　　رنگ سب بے رنگ ہیں اس گلشن ایجاد کے

ارماں نکل جائیں کچھ عاشق مضطر کے　　آنسو نہ مرے پونچھو رو لینے دو جی بھر کے
میں دل کی طرح ان کو پہلو سے لگائے ہوں　　سب زخم ہیں راحت قاتل ترے خنجر کے
دیکھے جو غضب تیرے کچھ کہہ نہ سکے ظالم　　ناسور مرے دل میں رہ رہ گئے منہ کر کے
کہہ دیتے ہو باتوں میں جو حال گزرتا ہے　　پڑھ لیتے ہو تم اب تو الفاظ مقدر کے

اشک آنکھوں میں ڈر سے لا نہ سکے　　دل کی بھڑکی ہوئی بجھا نہ سکے
نہیں جو ان میں حیا کی کچھ باتیں　　شکوہ میرا وہ لب پہ لا نہ سکے
تھا یہ خطرہ کہیں پسند نہ ہوں　　گالیاں بھی مجھے سنا نہ سکے
اضطراب فضا ہوا یہ نسیم　　کہ گلے بھی اسے لگا نہ سکے

اب آئے ہو صدا سن کر گجر کی　　کہو جی شب کہاں تم نے بسر کی
سحر کو دفن کر کے جائیے گا　　مصیبت اور ہے اک رات بھر کی

ناصح مشفق یہ مشق تازہ فرمانے لگے　　دن تو تھا اب رات کو بھی آ کے سمجھانے لگے
آ گئے جب یاد کچھ اس ربط باہم کے مزے　　دل بھر آیا دیدۂ تر اشک برسانے لگے
باغباں ہشیار ہو مشتاق رخصت ہے بہار　　رنگ بدلا گلستاں کا پھول مرجھانے لگے
ہاتھ اٹھا اے چارہ گر درماں ہے بے تاثیر سے　　جائے اشک آنکھوں سے اب لخت جگر آنے لگے

بھٹیاں روشن ہوئیں چمکی دوکان مے فروش — رخصت توبہ ہوئی زہاد گھبرانے لگے
نافع مطلب ہوئی وہ شرم باہم اے نسیم — وہ رُکے اپنی طرف ہم آپ شرمانے لگے

فصل گل آئی ہے کل اور ہی ساماں ہوں گے — میرے دامن میں مرے دست دگر یباں ہوں گے
کھینچئے تیغ قاتل ہے یہ کیوں بسم اللہ — سر جھکا دیں گے جو یاں بندۂ احساں ہوں گے
یاں نہیں جلوۂ جاناں سے ذرا جا خالی — اشک آ کر مری آنکھوں میں پشیماں ہوں گے
شوق کہتا ہے کہ لوٹیں گے مزے وصلت میں — درد کہتا ہے شریک شب ہجراں ہوں گے
دم نکل جائے گا گر ہاتھ لگا اے جراح — دو انھیں زخم جو شرمندۂ احساں ہوں گے
طوفان ہر نخل کریں گے صفت گرد نسیم — ہم پس مرگ بھی قربان گلستاں ہوں گے

صفائی دیر میں قاتل سے ہوگی — بہ آسانی بڑی مشکل سے ہوگی
محبت ہو کسی سے یا عداوت — مزا دے جائے گی جو دل سے ہوگی

تا عرش تیری شورش بیداد جائے گی — گر میں نہ جاؤں گا مری فریاد جائے گی
قاتل یہ خندہ ہائے جراحت نہ ہوں گے کم — لب ہائے زخم سے نہ تری یاد جائے گی
مومن کا طرز چھٹ نہ سکے گا نسیم سے — شاگرد سے نہ بندش استاد جائے گی

رنج باہم ہیں زباں پر جو گلہ آتا ہے — کچھ عجب لطف کا رونے میں مزہ آتا ہے

گنگ ہیں جن کو خموشی کا مزا ہوتا ہے — دہن زخم میں خود قفل حیا ہوتا ہے
آنکھیں وعدہ فراموش کہ فرصت کم ہے — دم کوئی دم میں قدم بوس قضا ہوتا ہے
نالہ افسانہ بیداد سناتا ہے انھیں — کشش آہ سے اظہار بلا ہوتا ہے
حاجت شمع نہ پروائے چراغ لحدی — پاک احساں سے مزار غربا ہوتا ہے

غیرت حسن سکھا دیتی ہے آداب سکوت   دہن غنچہ پہ خود قفل حیا ہوتا ہے
کہنہ مشقی انھیں ایجاد سکھا دیتی ہے   ہر ستم لطف میں دیکھا تو نیا ہوتا ہے
اے نسیم چمن آرائے فصاحت تجھے   گلشن معنی نوخیز ہرا ہوتا ہے

دکھاتا ہے چھری پھر مژدہ بیداد دیتا ہے   مبارکباد بیتابی ہمیں صیاد دیتا ہے
کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے مزاج یار کی صورت   مزا آنکھوں میں کیا کیا عالم ایجاد دیتا ہے
نسیم دہلوی تو بھی مگر شاگرد مومن ہے   کہ ہر ہر شعر لطف بندش استاد دیتا ہے

نئے ڈھب کا کچھ جوش نہ سودا ہوا ہے   خدا جانے اب کی مجھے کیا ہوا ہے
تعلق ان آنکھوں سے پیدا ہوا ہے   بہت دن کا یہ خواب دیکھا ہوا ہے
پھر اٹھتا ہے درد محبت جگر سے   وہی حال اگلا سا میرا ہوا ہے
ذرا دم تو لینے دے اے چشم جادو   بڑی مدتوں میں دل اچھا ہوا ہے
حجاب نظر سے کھلے بھید دل کے   عبث ہم سے ظاہر میں پردا ہوا ہے

انتخاب دیوان

تسلیم

عاشق دل خموش ہے حسن قدیم کا   یہ بے زباں رقیب بنا ہے کلیم کا
ہر وقت آرہی ہے ہوا باغ قدس کی   کس کو دماغ خندہ خروج نسیم کا
محتاج ہوں غنی سے نہیں مرتبہ میں کم   نظارگی ہوں حلقۂ باب کریم کا
عاشق ہوں کوئی خاص اظہار ہو نگاہ رحم   خواہاں نہیں ہیں آپ کے لطف عمیم کا
تسلیم کچھ میں شاعر رنگیں بیاں نہیں   گلچیں ہوں اپنی گلشن طبع سلیم کا

مجھے کیوں دیکھ کر جلتا ہے دل گبرو مسلماں کا   نہ گل داماں دوزخ کا نہ بلبل باغ رضواں کا
دکھا دیتی ہے جلوہ روز عشرت کا شب ماتم   بنی ہے شام غم گھونگھٹ عروس صبح خنداں کا
مجھے صیاد ظالم کس خطا پر ذبح کرتا ہے   چھوا تک نہ کوئی پھول توڑا اس گلستاں کا

فراق یار میں جینے سے مرنا سخت مشکل ہے ۔۔۔ بیاں ہو ناز کیا دشواری تکلیف آساں کا
رفیقان جنوں کی آمد و رخصت برابر ہے ۔۔۔ کھٹکتا ہے نکلنے میں وہی خار مغیلاں کا
سنو کچھ اور بھی تسلیم مرے نالہ موزوں ۔۔۔ ارادہ ہے ترقی پر ابھی طبع سخنداں کا

تماشا جامہ زیبی دیکھے گی خون شہیداں کا ۔۔۔ گریباں پیرہن میں ہے ہلال عید قرباں کا
تلاش یار کی سرگشتگی مرکر بھی باقی ہے ۔۔۔ بگولہ پھر رہا ہے آج تک خاک غریباں کا
ہوئی جب روح رخصت جسم بے رونق نظر آیا ۔۔۔ گیا ہمراہ یوسف کے وہ جوبن کنج زنداں کا
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں مجمع احباب مدفن میں ۔۔۔ اثر باقی ہے آنکھوں میں ابھی خواب پریشاں کا
ہوا کرتی ہے زیست غیب سے رنگیں مزاجوں کی ۔۔۔ سدا شبنم دھلا دیتی ہے منہ گلہائے خنداں کا
دکھا جاتے ہیں تسلیم صورت چھپکے غیروں سے ۔۔۔ اثر پیدا ہوا اتنا تو بارے شوق پنہاں کا

مرکے بھی شعلہ فشاں ہے دل پر درد مرا ۔۔۔ گرمیاں کرتا ہے اب تک نفس سرد مرا
دیکھ کر وہ گل نوخیز بھی ہنس دیتا ہے ۔۔۔ اب تو ہے اور ہی جوبن پہ رخ زرد مرا
دشمن عیش نہ ہو دل کے تمنا اس سے ۔۔۔ دوستی کے نہیں قابل دل پر درد مرا
وادیٔ عشق میں ہیں روز ازل سے برباد ۔۔۔ پوچھتے کیا ہو ٹھکانا صفت گرد مرا

نالہ بے چھیڑے ہوئے غیر کے پیدا نہ ہوا ۔۔۔ میں لب نے کی طرح آپ سے گویا نہ ہوا
صفت اشک چکیدہ یہ فلک نے کھویا ۔۔۔ کہ دم حشر بھی کوئی مرا جویا نہ ہوا
عمر بھر رشک عدو ساتھ تھا کہتا کیا حال ۔۔۔ وہ ملا بھی کبھی تنہا تو میں تنہا نہ ہوا
خوں رلاتی رہی بدفالی شادی برسوں ۔۔۔ زخم کی طرح مبارک مجھے ہنسنا نہ ہوا
مثل شمع تہ فانوس رہا جلوہ فگن ۔۔۔ اس نے پردہ بھی کیا ہم سے تو پردا نہ ہوا
کیا کہوں مرتے ہیں کس بات پہ دنیا والے ۔۔۔ اے اجل تجھ کو تو جینا بھی گوارا نہ ہوا

شکل تصویر ہوا خلق جہاں میں بیدل　　میں کسی طرح ہوا خواہ تمنا نہ ہوا
تھے وہ تصویر خیالی کہ ہوا مٹنے کے　　مفت بھی کوئی خریدار ہمارا نہ ہوا
کیا کہوں چھوٹ کے میں اس گل تر سے تسلیم　　صورت نکہت برباد کہیں کا نہ ہوا

سر نگوں رکھتی ہے یاد رخ جاناں اپنا　　ہم کو محراب عبادت ہے گریباں اپنا
ضبط فریاد میں آنے کا نہیں فرق کبھی　　امتحاں لاکھ کرے گردش دوراں اپنا
بہلے گا دل خلش درد سے تنہائی میں　　رہنے دو سینہ مجروح میں پیکاں اپنا
جلوے دکھلاتا ہے چھپ چھپ کے حجاب تن سے　　عوض جاں کوئی معشوق ہے مہماں اپنا
گر یہی ہے ادب عرض تمنا تسلیم　　کہہ چکے یار سے تم حال پریشاں اپنا

فریاد و فغاں بلبل نوشاد کیے جا　　مہمان قفس خاطر صیاد کیے جا
جاتا ہے کہاں او غم جانانہ ادھر آ　　ویرانہ دل کو مرے آباد کیے جا
اے دل خم ابروی صنم میں سحر و شام　　کچھ بندگی حسن خداداد کیے جا
گلگشت عدم خوب سفر ہے مگر اے دل　　سیر چمن گلشن ایجاد کیے جا
تسلیم اگر حسن سخن کی ہے تمنا　　تو پیروئ بندش استاد کیے جا

ہم پہ احساں ہے مزار پاک کا　　خاک نے پردہ کیا ہے خاک کا
صورت شعلہ ہوں میں نازک مزاج　　ناز اٹھ سکتا نہیں پوشاک کا
اوڑ کے پہنچی آستان یار تک　　حوصلہ دیکھو ہماری خاک کا
مرگ سے شرم گنہگاری بڑھی　　روز و شب ہے منہ پہ دامن خاک کا
خوف کیا تسلیم روز حشر سے　　گرد دامن ہوں شہ لولاک کا

ہیں عیاں برہمی دہر کے ساماں کیا کیا
چشم وا دیکھتی ہے خواب پریشاں کیا کیا

ہائے رے ضعف کہ ہر اشک مرا حسرت سے
نگراں ہے طرف گوشۂ داماں کیا کیا

طعنۂ بے اثری نے جو ندامت بخشی
پانی پانی ہوئے اشک سر مژگاں کیا کیا

یوں ہی مشتاق شہادت جو رہے گا عالم
ہوں گے آباد ابھی شہر خموشاں کیا کیا

قتل سے پہلے جھکا ہے سر دشمن تسلیم
تیغ جلاد ابھی سے ہے پشیماں کیا کیا

ہیں اشارات میں تقریر کے پہلو پیدا
بات کرتی ہے تری جنبش ابرو پیدا

پیشتر مجھ سے مرے نام نے پائی شہرت
گل سے پہلے ہوئی اس باغ میں خوشبو پیدا

مژدہ اے دل کہ بڑھی تیرے تڑپنے کی جگہ
چاک پہلو سے ہوئی وسعت پہلو پیدا

طائر جان ہے پرواز عدم عشق میں
اڑکے کرتا ہے پر تیرے بازو پیدا

ناز ارباب ستم کہ نہ اٹھے اے تسلیم
مر مٹے جبکہ ہوا چرخ جفا جو پیدا

پھر مرے جوش جنوں کا چار سو چرچا ہوا
پھر جہاں میں شور ہے تسلیم کو سودا ہوا

پھر کھلتا ہے مری آنکھوں میں سامان طرب
پھر بلائے جان خیال شیشہ و مینا ہوا

پھر سمجھتا ہوں اجل کو حاصل عمر عزیز
پھر امید التفات مرگ پر جینا ہوا

پھر ہے کوئی بے خبر صورت نمائے بے خودی
پھر کسی کی یاد میں ہوں آپ کو بھولا ہوا

پھر سکوت مدعا قفل لب اظہار ہے
پھر احبا کہتے ہیں تسلیم تم کو کیا ہوا

کیا کروں اپنی غرض کو میں رقیبوں سے ملا
تب کہیں اس کا پتا آج نصیبوں سے ملا

ہر دوا میں اثر کم ہے گماں ہے مجھکو
ملک الموت کہیں ہو نہ طبیبوں سے ملا

مکتب عشق کی تعلیم نہ پوچھو تسلیم
جو ملا مجھکو محبت کے ادیبوں سے ملا

چارہ ساز زخم دل وقت رفو رونے لگا جی بھر آیا دیدۂ سوزن لہو رونے لگا
بسکہ تھی رونے کی عادت وصل میں بھی یار سے کہہ کے اپنا آپ حال آرزو رونے لگا
صدمۂ بے رحمیٔ ساقی نہ اٹھا بزم میں جی بھر آیا دیکھ کر خالی سبو رونے لگا
خندہ زخم جگر نے دل دکھایا اور بھی جس گھڑی ٹوٹا کوئی تار رفو رونے لگا
تھا مصیبت آشنا بے عرض مطلب حشر میں جاتے ہی فریاد کرکے روبرو رونے لگا
تھا عدم میں کھینچ لایا آب و دانہ جب یہاں دیکھ کر بے چارگی سے چار سو رونے لگا
آ گیا کعبہ میں جب محراب ابرو کا خیال بیٹھ کر تسلیم خستہ قبلہ رونے لگا

وصل کی شب بھی ادائے رسم حرماں میں رہا صبح تک میں التماس شوق پنہاں میں رہا
مر گئے لاکھوں شہید ناز کچھ پروا نہیں وہ تماشائے ہلال عید قرباں میں رہا
بعد مردن بھی رہی تکلیف ہستی عشق میں بن کے میں ذکر وفا بزم حسیناں میں رہا
ہوں یہ حیراں کس توقع پر دل امیدوار آج تک تیرے فریب عہد و پیماں میں رہا
کام اپنا کر چکی گرمیٔ عشق بتاں میں فریب نسخہ وتاثیر درماں میں رہا
واہ ری پاس وفا اللہ ری شرم آرزو ہر نفس ہمراہی عمر گریزاں میں رہا
کیا پڑھے اشعار تسلیم جگر افگار نے شور تحسیں ہر طرف بزم سخنداں میں رہا

بتائیں کیا کہ ہوا غفلت شباب میں کیا خبر نہیں ہے کہ ہم دیکھتے تھے خواب میں کیا
کیا ہے وعدۂ فردا سحر کو آئیں گے ابھی سے ہے دل بے صبر اضطراب میں کیا
وہ دیکھ کر مجھے بے پردہ کیوں ہوئے اے دل نگاہ شوق نے سمجھا دیا نقاب میں کیا
ہمیشہ یاس کے آگے دیکھ جاتی ہے کوئی امید ہے باقی دل خراب میں کیا
خبر نہیں ہمیں تسلیم اس کے نامے کو پڑھا ہے شوق میں لکھا ہے اضطراب میں کیا

وصل میں کروٹ جو وہ شوخ جواں لینے لگا　　ضبط سے دل رخصت آہ و فغاں لینے لگا
گو بظاہر ترک تھی الفت مگر جب آگئے　　شوق تنہا پاکے دل میں چٹکیاں لینے لگا
بزم ساقی آگئی ہے یاد کس سے نوش کو　　جام چھلکا شیشہ ہچکیاں لینے لگا
گرم مطلب دیکھ کر کہتے ہیں سو سو ناز سے　　جب سلایا پاس تجکو جھمیاں لینے لگا
جمع دیواں بھی نہیں اب تک ترا بعد مرگ　　کوئی کیوں تسلیم نامِ بے نشاں لینے لگا

بھولے سے بھی نہ جانب اغیار دیکھنا　　شرط وفا یہی ہے خبردار دیکھنا
مانند شمع بیٹھ کے طے کی رہ عدم　　یارو یہ معجزہ ہے کہ رفتار دیکھنا
کہتی ہے روح دل سے دم نزع ہوشیار　　ہم تو عدم کو جاتے ہیں گھر بار دیکھنا
اللہ رے اضطراب تمنائے دیدار　　فرصت میں اک نگاہ کی سو بار دیکھنا
تسلیم روئے یار کو حسرت کی آنکھ سے　　اچھا نہیں ہے شوق میں ہر بار دیکھنا

مست و سرشار نہیں محرمِ اسرار ہیں سب　　جتنے بے ہوش نظر آتے ہیں ہشیار ہیں سب
اب تو للہ اٹھا دو رخِ روشن سے نقاب　　ہو چکا حشر کھڑے طالب دیدار ہیں سب
نہ رہا مشغلہ آہ و فغاں بھی تسلیم　　آج کس فکر میں مرغان گرفتار ہیں سب

چاہیے مینائے مے کو سجدۂ شکرانہ آج　　سر کے بل آتا ہے زاہد جانب مے خانہ آج
پیٹتا ہے سر کو شعلہ روتی ہے شمع لگن　　رونق بزم طرب ہے ماتم پروانہ آج
کل نگاہ خنجر ڈوبی ہوئی تھی جام میں　　پھرتی ہے آنکھوں میں میری گردش پیمانہ آج
کیا کہوں میں ظلمت شام جدائی کا فروغ　　آفتاب صبح محشر ہے چراغ خانہ آج
مذہب تسلیم دو دن ایک صورت پر نہیں　　کل مقیم کعبہ دیکھا ساکن بت خانہ آج

رو دیے وحشت میں ہم وحشت کے ساماں دیکھ کر
جی بھر آیا خندۂ پاک گریباں دیکھ کر

یاد آیا مرکے تصویر خیالی تھا جہاں
کھل گئیں آنکھیں مری خواب پریشاں دیکھ کر

حوصلہ گستاخ دل بے تاب پرارماں جگر
گور پر میری قدم رکھنا مری جاں دیکھ کر

خشک گل افسردہ سبزہ شمع چپ بالیں اداس
جی بھر آیا عالم گور غریباں دیکھ کر

یار آیا قہقہے دن بھر رہے تسلیم آج
صبح دم اٹھے تھے کس کا روئے خنداں دیکھ کر

پیر ہوں پر ہے جواں ذوق غزل خوانی ہنوز
لطف دیتی ہے مجھے میری سخن دانی ہنوز

پردۂ وحشت کفن سے بھی نہ ممکن ہوسکا
دے رہی ہے مجکو طعنے چاک دامانی ہنوز

دو ہی دن میں پھٹ پڑی دیوار مدفن شکر ہے
دے رہی ہے ساتھ میرا خانہ ویرانی ہنوز

بوئے گل ہوں گل کی بھی لوث نظر سے پاک ہوں
پردہ پوش بے کسی ہے میری عریانی ہنوز

اس کی بزم خاص تک تسلیم پہنچوں کس طرح
مجھ کو تو آتا نہیں آداب دربانی ہنوز

لو بدگماں ہے یار کا تیر نظر ہنوز
سینے میں ڈھونڈتا ہے ہمارے جگر ہنوز

اللہ ری ضعف چھٹکے قفس سے قفس کے پاس
بیٹھی ہوئی ہے بلبل بے بال پر ہنوز

مر کر بھی حسرتوں کے وہی کچھ ہجوم ہیں
برپا ہے ایک حشر مری جان پر ہنوز

شرط وفا کا پاس ہے مجبور کیا کرے
لپٹا ہوا ہے سینہ سے داغ جگر ہنوز

آپ میں گم ہوں کسی کی جستجو سے کیا غرض
جب دہن ٹھہرا ترا پھر گفتگو سے کیا غرض

عندلیب گلشن جنت ہوں مجکو اے صبا
تو ہی بتلا ان گلوں کی رنگ و بو سے کیا غرض

تہمت آلودگی سے پاک طینت پاک ہیں
چادر آب رواں کو شست و شو سے کیا غرض

سرخوش جوش حقیقت ہوں مجھے اس بزم میں
ساقیا تیرے مے و جام و سبو سے کیا غرض

میں تو ہوں تسلیم شاگرد نسیم دہلوی
مجکو طرز شاعران لکھنؤ سے کیا غرض

کس طرح وقت سحر بالیں سے اٹھ کر جائے شمع　　خستہ بختی کے اثر سے ہوگیا ہے پائے شمع
بلبلوں کا جائے پروانہ ہے تربت پر ہجوم　　رنگ لائی بعد مردن گلفشانی ہائے شمع
رات بھر کا مہماں ہے دیکھنا وقت سحر　　خاک میں مل جائے گا حسن قد بالائے شمع
سامنے اس کے رخ روشن کی مشکل ہے فروغ　　لاکھ شب بھر شعلۂ رخسار کو چمکائے شمع
ایک دن تسلیم پروانے سے پوچھا چاہیے　　کس توقع پر تجھے ہے اس قدر سودائے شمع

کیا کروں دیکھ کے میں نامۂ عصیاں کی طرف　　آج ہے میری نظر آپ کے احساں کی طرف
آج اے بلبل بے کس ہو تری جان کی خیر　　آنکھ صیاد کی پڑتی ہے گلستاں کی طرف
مرگیا آج گرفتار مصیبت کوئی　　در سے شور ہے برپا درزنداں کی طرف
کس کو سودا ہے در یار سے اٹھ کر تسلیم　　جائے آدم کی طرح روضۂ رضواں کی طرف

ربط تپش غم دل بے تاب کہاں تک　　آتش کدہ ہم صحبت سیماب کہاں تک
حسرت ہے کہ طوفان مرے سر سے گزر جائے　　چکر میں رہوں صورت گرداب کہاں تک
کیا بیٹھے ہو تسلیم چلو ملک عدم کو　　وابستگی عالم اسباب کہاں تک

اوج پر ہے چشم تر کا جوش طوفاں آج کل　　اک کف سیلاب ہے گردون گرداں آج کل
عیش کا طالب ہے دل ہم ہیں ہوا خواہ بلا　　دیکھیے کس کو کرے قسمت پشیماں آج کل
بات کرنے میں دھواں دیتا ہے ہر دم سوز عشق　　خوب رسوا کر رہا ہے داغ پنہاں آج کل
شمع کے بدلے ہے جلوہ برق کا برسات میں　　اوج پر ہے طالع گور غریباں آج کل
ہو چکی احباب کی خاطر عبث فکر سخن　　اہل فن کا کون ہے تسلیم پرساں آج کل

شعلہ زن رہتے ہیں گرم اشکوں کی طغیانی سے ہم　　روز تھوڑی آگ پیدا کرتے ہیں پانی سے ہم
بوئے گل تھے جیب کے نکلے گلشن فانی سے ہم　　کیا دکھاتے منہ کسی کو شرم عریانی سے ہم
شب کے شب مہماں رہے وقت سحر سوئے عدم　　اڑ گئے مانند شبنم گلشن فانی سے ہم
حشر میں لوٹ گنہ کی پردہ پوشی کے لیے　　مانگ لیں گے کچھ تمہاری پاکدامنی سے ہم
لازم و ملزوم ہیں تسلیم باہم شعر و فکر　　معتبر ہم سے سخندانی سخندانی سے ہم

نہیں معلوم کیا گزری گل و بلبل کو سکتے ہیں　　نہ سن سکتے ہیں کانوں سے نہ منہ سے بول سکتے ہیں
بنے ہیں چشم مفلس سے کدے میں محفل ساقی سے　　الگ بیٹھے ہوئے حسرت زدہ ساغر کو تکتے ہیں
نہیں معلوم کس کی خاک سے بدظن ہیں وہ دل میں　　کہ چلتے پھرتے اپنے گھر میں بھی دامن جھٹکتے ہیں
ہوائے عشق کامل ہے تو سوز حسن پیدا کر　　ثمر خورشید کی گرمی سے شاخ تر میں پکتے ہیں
انھیں بھولیں نہیں بیباکیاں دست تمنا کی　　کہ میری خاک پر آتے ہوئے اب تک جھجکتے ہیں
دم پیری نہیں تسلیم یہ اپنی غزلخوانی　　بنے ہیں بے حیا بلبل خزاں میں بھی چہکتے ہیں

چلتے پھرتے ہیں مگر رنج سفر رکھتے نہیں　　گھر سے باہر ہم قدم مثل نظر رکھتے نہیں
بے خلش کیا نیند ہے آسودگان خاک کی　　روز شب رکھتے نہیں شام و سحر رکھتے نہیں
طائر تصویر ہوں صیاد بازو کو نہ باندھ　　عادت پرواز میرے بال و پر رکھتے نہیں
بحر ہستی میں دورنگی ہم کو ہوسکتی نہیں　　آب گوہر میں فریب خشک و تر رکھتے نہیں
آپ کو تسلیم کیوں ہے فکر تعقیب ردیف　　طرح کرنے والے جب اس کی خبر رکھتے نہیں

حسن دل افروز کا دیوانہ ہوں　　شمع رو کوئی ہو میں پروانہ ہوں
مے کشی ہے میری ہستی کی دلیل　　اک ادائے لغزش مستانہ ہوں
مرکے بھی چھوٹے نہ ساقی کے قدم　　آج تک خاک در میخانہ ہوں

ہر جلوہ قسمت جلاتی ہے مجھے   شمع محفل ہوں کہ شمع خانہ ہوں
میرے اس کے موج دریا کا ہے ربط   ڈھونڈتا پھرتا ہوں گو ہم خانہ ہوں
کچھ نہ ہونے پر بھی اے تسلیم میں   اس قدر کونین میں افسانہ ہوں

وہ صورت بو ہم گل صد چاک قبا ہیں   ہر وقت ہم آغوش ہیں ہر وقت جدا ہیں
چھو سکتی نہیں آبلہ پائی بھی قدم کو   کیا مثل شرر راہ رو راہ فنا ہیں
بلبل ہیں تو ہیں بلبل تصویر خموشی   گل ہیں تو گل شمع شبستاں وفا ہیں
محرومیٔ تقدیر سے اس باغ جہاں میں   جس رنگ میں دیکھو ہمیں بے برگ ونوا ہیں
خالی نہیں تسلیم کبھی درد سے دم بھر   کیا ہم بھی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہیں

یاد آگیا تجھے دل خستہ جگر کہاں   آج اے خدنگ غمزۂ قاتل ادھر کہاں
انفاس چند کشمکش انتظار ہے   پھر ہم کہاں جواب کہاں نامہ بر کہاں
مانا کہ حسن یار سے لبریز ہے جہاں   لیکن وہ حوصلہ وہ شکیب نظر کہاں
مانند شیشہ رونق محفل ہوئی تو کیا   ساماں اگر ملا بھی تو امید سر کہاں
ہر وقت یار تھا رگ جاں سے قریب تر   تسلیم تو خراب پھرا عمر بھر کہاں

یادگار ہستی موہوم ہم رکھتے نہیں   صورت عمر رواں نقش قدم رکھتے ہیں
حضرت واعظ دکھائیں زاہدوں کو سبز باغ   ہم دماغ بوئے گلہائے ارم رکھتے ہیں
کس قدر تسلیم اس ہستی پہ ہیں بھولے ہوئے   وقت آخر ہے مگر فکر عدم رکھتے ہیں

سبب شرم التجا ہوں میں   لب خاموش مدعا ہوں میں
گھر چھٹا ابتدائے ہستی سے   صورت نالۂ درا ہوں میں

صورت زخم ہوں شگفتہ مزاج　　اپنی ہستی پہ ہنس رہا ہوں میں
بے حقیقت نہ جان اے تسلیم　　مظہر قدرت خدا ہوں میں

فکر ہے شوق کمر عشق وہاں پیدا کروں　　چاہتا ہوں ایک دل میں دو مکاں پیدا کروں
طبع عالی سے اگر اوج بیاں پیدا کروں　　میں زمین شعر میں بھی آسماں پیدا کروں
ہوں میں وہ دل سوختہ تاثیر آہ گرم سے　　گلشن جنت میں بھی دور خزاں پیدا کروں
پاؤں کہتے ہیں ترے کوچے میں آ کر ضعف سے　　تو گرا دے اور میں خواب گراں پیدا کروں
ہوں وہ بیکش خدمت ایجاد عالم ہو اگر　　سب سے پہلے مے فروشی کی دوکاں پیدا کروں
اب بھی تم آ ؤ تو میں آنکھوں میں بھر یک نظر　　ڈھونڈ کر تھوڑی سی جان ناتواں پیدا کروں
میں ہوں اے تسلیم شاگرد نسیم دہلوی　　چاہیے استاد کا طرز بیاں پیدا کروں

ایک دن بھی نہ ملیں شوق میں باہم آنکھیں　　برسوں دیکھا کیے اے شوخ تری ہم آنکھیں
غیب سے ہوتی ہے بیمار ازل کی خدمت　　دھوتی ہے نرگس بے خواب کی شبنم آنکھیں
سر کو زانو سے اٹھا وصل میں پردہ کیسا　　آج تو چار ہوں او فتنہ عالم آنکھیں
دیکھ بے وجہ نہیں جنبش مژگاں قاتل　　کرتی ہیں کشتہ بیداد کا ماتم آنکھیں
پاک دامانی جاناں سے ہوں گریاں تسلیم　　اشک اگر حضرت عیسیٰ ہیں تو مریم آنکھیں

آؤ باہم شوق و ارماں دیکھ لیں　　تم ہمیں ہم تم کو اے جاں دیکھ لیں
رہ نہ جائے آرزوئے چارہ گر　　لذت تکلیف درماں دیکھ لیں
جی میں آتا ہے کہ اک دن مر کے ہم　　ہمت دوش عزیزاں دیکھ لیں
التفات جوش وحشت پھر کہاں　　ہو سکے جب تک بیاباں دیکھ لیں
گر انہیں ہے خوف عرض آرزو　　دور سے حال پریشاں دیکھ لیں

دل نگاری کے سوا ہوتا ہے کیا　　کاوش برگشتہ مژگاں دیکھ لیں
جھانکتا ہے پھر ادھر تسلیم تو　　کیا قیامت ہو جو درباں دیکھ لیں

ناصح خطا معاف سنیں کیا بہار میں　　ہم اختیار میں ہیں نہ دل اختیار میں
راہ عدم میں شہر خموشیاں جو مل گیا　　اے مرگ رہ پڑے اسی اجڑے دیار میں
کیا کیا خیال حسرت دیدار قیس تھا　　چھپ چھپ گیا ہے ناقہ لیلیٰ غبار میں
بھولے نہ جلوے ہائے تبسم تمام عمر　　کاٹی شب حیات فروغ شرار میں
تسلیم مفلسی سے دم وزن منزلت　　مانند حرف وصل نہیں اعتبار میں

کرو نہ دیر جہاں میں جہاں سے آئے چلو　　یہاں گمان خطر ہے قدم بڑھائے چلو
یہاں فریب نشیب و فراز اکثر ہے　　خدا کے واسطے اتنا نہ اٹھائے چلو
شکستہ پا ہوں کہیں ساتھ سے نہ رہ جاؤں　　مجھے بھی ہاتھ ذرا دوستو لگائے چلو
ابھی تو حسن عمل کا زمانہ باقی ہے　　وہاں کی بگڑی ہوئی کچھ یہیں بنائے چلو
ادھر ادھر کہیں بھر کر ترارہ جانہ پڑے　　سمند عمررواں کو ذرا دبائے چلو
عدم میں ترسوگے درد جگر کو اے تسلیم　　جو ہوسکے کوئی سینے پہ تیر کھائے چلو

اوج پر ہے بے نشاں ہوکر بھی شان لکھنؤ　　لامکاں کو داغ دیتے ہیں مکان لکھنؤ
واعظ رنگیں بیاں ان کو نہ دکھلا سبز باغ　　کیا کریں گے لے کے جنت ساکنان لکھنؤ
یہ لطافت ہو کلام غیر کو کیونکر نصیب　　رشک موج آب کوثر ہے زبان لکھنؤ
نکہت برباد کی صورت اڑیں بلبل کے وش　　گلفشاں ہوگر چمن میں تر زبان لکھنؤ
گر یہی گردش ہے اے تسلیم اپنی بخت کی　　اور ہیں دوچار دن ہم میہمان لکھنؤ

چاہتا ہوں جنس نامقبول میں شامل نہ ہو   پھیر دو مجھکو مرا دل گر کسی قابل نہ ہو
رہ نورد وادیٔ مقصد تھے ہم بھی مدتوں   اس قدر نا آشنائے دوری منزل نہ ہو
دیکھ کر لیلی نے عزم تیز رفتاری کہا   سارباں کرتا ہے کیا مجنوں پس محمل نہ ہو
سی رہا ہوں میں گریباں چاک کرنے کے لیے   کام بھی کرتا ہوں وہ جس کا کوئی حاصل نہ ہو
ہے دعا تسلیم اتنی عالم العلام سے   اپنا دیواں آشنائے دیدۂ جاہل نہ ہو

ساتھ رونے کی جو تھی وحشت کامل مجکو   ہوگیا سلسلہ اشک سلاسل مجکو
کیا عجب حشر پہ موقوف ہو ملنا اس کا   ناامیدی نہ کر اتنا ابھی بیدل مجکو
فرصت دید نہیں ہے شرر شمع کی طرح   پھونکے دیتی ہے تری گرمیٔ محفل مجکو
عہد پیری میں کہاں یاد خدا اے تسلیم   کردیا خواب دم صبح نے غافل مجکو

نزع میں آنکھ سے نکلے نہیں بیجا آنسو   دیکھتے ہیں مرے مرنے کا تماشا آنسو
کم نہیں مرگ سے دنیا میں وطن کا چھٹنا   مل گیا خاک میں جو آنکھ سے ٹپکا آنسو

سنگ دل پیار کیا کرتے ہیں خونخواروں کو   سان سینے سے لگا لیتی ہے تلواروں کو
آپ مٹ جاتے ہیں دشمن کے لیے صاحب درد   آبلے سینے میں دیتے ہیں جگہ خاروں کو
کیا ہوا وعدۂ دوزخ ہے اگر اے واعظ   کیا وہ دھمکی بھی نہ دیں اپنے گنہگاروں کو
کیا مقدر ہے کہ پاتا ہوں ہمیشہ خنداں   اپنے زخموں کو ترے تیر کے سوفاروں کو
بند ہو آنکھ اسی طرح بلا سے تسلیم   موت ہی آئے کہیں ہجر کے بیداروں کو

چاہتا ہوں پہلے خود بینی سے موت آئے مجھے   آپ کو دیکھوں خدا وہ دن نہ دکھلائے مجھے
آس کیا اب تو امید ناامیدی بھی نہیں   کون دے مجھ کو تسلی کون بہلائے مجھے

دل دھڑکتا ہے شب غم میں کہیں ایسا نہ ہو　　مرگ بھی بن کر مزاج یار ترسائے مجھے
لے چلو للہ کوئی خضر مینا کے حضور　　عالم گم گشتگی کی راہ بتلائے مجھے
اب تو جوش آرزو تسلیم کہتا ہے یہی　　روضہ شاہ نجف اللہ دکھلائے مجھے

پارسائی ان کی جب یاد آئے گی　　مجھ سے میری آرزو شرمائے گی
گر یہی ہے پاس آداب سکوت　　کس طرح فریاد لب تک آئے گی
یہ تو مانا دیکھ آئیں کوئے یار　　پھر تمنا اور کچھ فرمائے گی
جانے دے صبر و قرار و ہوش کو　　تو کہاں اے بے قراری جائے گی
ہجر کی شب گر یہی ہے اضطراب　　نیند اے تسلیم کیونکر آئے گی

کچھ دل میں اضطراب جو صبر آرمیدہ ہے　　فریاد بدمزاج ہے نالہ کشیدہ ہے
دست جنوں سے پنجہ خورشید کم نہیں　　میری طرح سحر بھی گریباں دریدہ ہے
دن کو بھی چاندنی مرے ظلمت کدے میں ہے　　دیوار پر سفیدی رنگ پریدہ ہے
آنسو ہو یا لہو مجھے دونوں عزیز ہیں　　وہ پارہ جگر ہے تو یہ نور دیدہ ہے
اللہ رے ضبط راز محبت کہ آج تک　　جو حرف مدعا ہے مرا نا شنیدہ ہے
برسوں سے ہے امانت صحرا کی احتیاط　　تلووں میں آج تک وہی خار خلیدہ ہے
تکلیف التماس سے ہے پاک مدعا　　غماز عاشقی مرا رنگ پریدہ ہے
جیسے سنا کر پڑھتے ہیں تسلیم کچھ عمل　　سائے سے اپنے یار پریدہ رمیدہ ہے

ساتھ غیروں کو لیے شمع برہانے آئے　　کیا جلن تھی کہ لحد پر بھی جلانے آئے
پہلے انکار تھا پھر نیند ہوئی مانع وصل　　وہ حیا جب نہ رہی یاد بہانے آئے
واہ رے حوصلۂ زیست عدم سے چھپ کر　　ملک الموت کے ہم ناز اٹھانے آئے

چھیڑنا تھا نہیں دیدار پس مرگ کہاں   آنکھ جب بند ہوئی شکل دکھانے آئے
ہوں وہ گمراہ مجھے دشت جنوں میں تسلیم   غول بن بن کے خضر راہ بتانے آئے

گور تک شرمندہ یاران وطن سے جائیں گے   منہ چھپائے دامن چاک کفن سے جائیں گے
بعد مردن بھی نہ کم ہوگا اسیری کا مزا   تا قفس دو چار پر اڑ کر چمن سے جائیں گے
اے دل دیوانہ امید رہائی کس لیے   پیچ و خم کا ہے کو زلف پر شکن سے جائیں گے
کاوش صیاد جور باغباں خار خزاں   کیسے کیسے داغ لے کر اس چمن سے جائیں گے
دیکھنا تسلیم اپنے اعتقاد پاک کو   خلد میں جس دن طفیل پنجتن سے جائیں گے

ناز برداری میں گزری شب دل ناشاد کی   تھی کبھی منت خموشی کی کبھی فریاد کی
شور بیتابی تو رسوا کرچکا تھا شکر ہے   آبرو رکھ لی خموشی نے مری فریاد کی
اس قدر جینے سے تنگ آیا تھا میں جب مرگیا   شور ماتم نے ادا رسم مبارکباد کی
گردش خنجر سے پہلے مرگیا میں خستہ جاں   رہ گئی منہ دیکھ کر حسرت دل جلاد کی
خاک ہوکر بھی وہی باقی ہے سوز استخواں   جل رہی ہے شمع اپنے خانہ برباد کی
حسن بندش میں تلاش معنی نوخیز میں   چاہیے تسلیم مجھکو پیروی استاد کی

ہیں نالہائے چند غزل کا بہانہ ہے   عاشق ہوں میں مزاج مرا شاعرانہ ہے
خالی نہ بعد مرگ بھی مجھ سے جہاں ہوا   گو میں نہیں ہوں دہر میں میرا فسانہ ہے
استاد سیکڑوں ہیں فن شعر میں مگر   تسلیم اپنی طرز کا تو بھی یگانہ ہے

گر یہی ہے عادت تکرار جنتے بولتے   منہ کی اک دن کھائیں گے اغیار جنتے بولتے
تھی تمنا باغ عالم میں گل و بلبل کی طرح   بیٹھ کر ہم تم کہیں اے یار جنتے بولتے

میری قسمت سے زباں تیر بھی گویا نہیں   ورنہ کیا کیا زخم دامندار جتنے بولتے
دل لگی میں حسرت دل کچھ نکل جاتی تو ہے   بوسے لے لیتے ہیں ہم دوچار جتنے بولتے

یاد سفر ملک عدم دل سے لگے ہے   ہر دم مجھے لو گور کی منزل سے لگی ہے
گر نقش قدم ہوں تو ہے مٹنے کی تمنا   ہوں خاک تو اڑنے کی مرے دل سے لگی ہے
گو سوں ہے زمیں خوں شہیداں سے شفق گوں   یہ آگ نئی خنجر قاتل سے لگی ہے
شاید نظر آجائے جمال رخ لیلے   ہر آنکھ مری پردۂ محمل سے لگی ہے
گل ہوں تو جگر چاک ہوں بو ہو تو پریشاں   ہر رنگ میں اک آفت غم دل سے لگی ہے
کیا کہتے ہو کیا بھول گیا میں دم رخصت   اک یاد تمھاری سو مرے دل سے لگی ہے
سویا ہوں شب وصل میں یا مر کے لحد میں   جب آنکھ لگی ہے مری مشکل سے لگی ہے
اللہ رے وحشت کہ پس مرگ بھی تسلیم   جنت میں طبیعت مری مشکل سے لگی ہے

مرمٹے حسن جان فزا کے لیے   مل گئی خاک میں شفا کے لیے
اتنے صدمے دیے کہ آخر کو   ہاتھ اٹھانا پڑا دعا کے لیے
کیا نباہوگے تم محبت کو   حوصلہ چاہیے وفا کے لیے
منتظر ہوں گے دیکھنے والے   جایئے جایئے خدا کے لیے
کیا امید شفا رکھیں تسلیم   پاس پیسا نہیں دوا کے لیے

متفعل کرتا ہے کیوں اے ابر گریاں تو مجھے   رو چکے ہیں جیتے جی برسوں مرے آنسو مجھے
میں وہی ہوں ناز بردار وفا تسلیم نام   کیا نہیں پہچانتا ہے اے بے مروت تو مجھے

گھبراتی ہے زنداں میں طبیعت کئی دن سے   بھڑکاتی ہے کیا کیا مری وحشت کئی دن سے

گھبراتی ہے زنداں میں طبیعت کئی دن سے　　بھڑکاتی ہے کیا کیا مری وحشت کئی دن سے
کیا خاک سنوں ناصح مشفق تری باتیں　　کہنے میں نہیں میری طبیعت کئی دن سے
کچھ دل کی طرح بیٹھ گئی ضعف سے یہ بھی　　اٹھتی نہیں خاک سرتربت کئی دن سے
کیا آپ سے چپ ہوں مجھے آداب خموشی　　دیتا نہیں فریاد کی رخصت کئی دن سے
رونے کے بھی قابل نہ رکھا سوز جگر نے　　آنکھوں میں نہیں اشک ندامت کئی دن سے
انکار عبث دیکھ چلے آپ کو تسلیم　　چھپ چھپ کے جہاں جاتے ہیں حضرت کئی دن سے

بڑھ گئی ہے پینے سے دل کی تمنا اور بھی　　صدقہ اپنا ساقیا اک جام صہبا اور بھی
ایک تو میں آپ ناصح ہوں پریشان خستہ جاں　　دل دکھا دیتی ہے تیری پند بیجا اور بھی
داستان شوق دل ایسی نہیں تھی مختصر　　جی لگا کر تم اگر سنتے میں کہتا اور بھی
کچھ تو پہلے سے دل بیتاب تھا وحشی مزاج　　بے ترے دن رات گھبراتا ہے تنہا اور بھی
دیکھتے ہی دیکھتے تسلیم وہ چھپنے لگے　　بڑھ گیا بے پردگی میں مجھ سے پردا اور بھی

عہد پھر کرتے ہیں وہ ترک ستم کے واسطے　　کچھ بہانا چاہیے جھوٹی قسم کے واسطے
اس قدر اے داغ محرومی نہ پھیلا ہاتھ پاؤں　　رہنے دے تھوڑی جگہ سینے میں غم کے واسطے
خاکسار دہر میں جس جا تھکے ہم پڑ رہے　　کیا تکلف چاہیے نقش قدم کے واسطے
نزع میں تسلیم کیوں تلقین ستاتی ہے مجھے　　حاجت افسانہ کیا خواب عدم کے واسطے

کیا کہہ کے عندلیب چمن سے نکل گئی　　کیا سن لیا گلوں نے کہ رنگت بدل گئی
ایسا کہاں رفیق جو دیتا قلق میں ساتھ　　اک جان تھی سو وقت پہ وہ بھی نکل گئی

غیر سے ملیے مجھے ناکام رہنے دیجیے　　آپ اپنے نامہ و پیغام رہنے دیجیے
تنگی کنج قفس شاید پھڑکنے دے نہ دے　　کوئی دم بے تاب زیر دام رہنے دیجیے
ہم نہیں کہنے کے اے تسلیم پیغام وصال　　یہ تمنا یہ خیال خام رہنے دیجیے

شہادت میں حیات خضر کی تاثیر ہوتی ہے　　دم عیسیٰ ہوائے دامن شمشیر ہوتی ہے
صدا دیتی نہیں زنجیر زور ناتوانی سے　　خموشی کی گرفتاری میں بھی تاثیر ہوتی ہے
وہی مرکر بھی مل چلنے کی عادت ہے سر مدفن　　کوئی آئے ہماری خاک دامن گیر ہوتی ہے
نسیم باغ جنت کی تمنا ہو تو کافر ہوں　　ہوائے کوئے جاناں کس لیے دلگیر ہوتی ہے
زمانے سے نرالا ہے عروس فکر کا جوبن　　جواں ہوتی ہے اے تسلیم جب یہ پیر ہوتی ہے

ہستی سے بعد مرگ رہائی کہاں مجھے　　بننا پڑا ہے داغ دل دوستاں مجھے
آزاد ہوں نشاط و الم سے برنگ سرو　　یکساں ہے اس چمن میں بہار و خزاں مجھے
افسانہ گو نے اور بھی بے خواب کر دیا　　ظالم سنا رہا ہے مری داستاں مجھے
وہ گم شدہ ہوں سوئے عدم اضطراب میں　　دوڑی گئی ہے ڈھونڈنے عمر رواں مجھے
تسلیم باغ دہر میں فیض نسیم سے　　کہتی ہے خلق بلبل ہندوستاں مجھے

نظم دل افروز
دیوان دوم تسلیم

ہوں میں وہ مقتول تیغ الف اللہ کا
طول ہے ہر زخم دل میں مد بسم اللہ کا

ہوں اسی کا میں گدائے بےنوا جو صبح وشام
نور سے پیمانہ بھر دیتا ہے مہر وماہ کا

مجھ سے پوچھو جستجوئے کو بکو کی لذتیں
بوالہوس کو کیا مزہ اس بے نشاں کی چاہ کا

اس نے جب رکھا حریم کعبۂ دل میں قدم
ہر زبان مو سے نکلا شور بسم اللہ کا

اس سراپا نور کے عاشق ہیں اے تسلیم ہم
آفتاب اک ذرہ ہے جس کی تجلی گاہ کا

کونین کو بھولا ہے طلبگار محمدؐ
آزاد ہے ہر غم سے گرفتار محمدؐ

کیا شب معراج تھی قدسی بھی فلک پر
صف باندھے کھڑے تھے پئے دیدار محمدؐ

پھرتا ہے مرے دیدۂ بیدار میں ہر شب
پتلی کی طرح سایۂ دیوار محمدؐ

پہنچے شب اسریٰ میں کہاں آپ کہاں سے
کیا اوج پہ تھا طالع بیدار محمدؐ

کیا کام مجھے طوبیٰ و فردوس سے تسلیم
مل جائے اگر سایۂ دیوار محمدؐ

بھول سے رخ کا نظارہ ہمیں کرنے نہ دیا
دامن دل گل امید سے بھرنے نہ دیا

راز پوشی تھی محبت میں یہاں تک منظور
عشق کی چوٹ کو بھی دل نے ابھرنے نہ دیا

عہد کے بعد لیے بوسے دہن کے اتنے
کہ لب زود پشیماں کو مکرنے نہ دیا

اس کو کیا ضد تھی جو اک دن بھی قفس میں مجکو
مژدۂ آمد گل باد سحر نے نہ دیا

دم پیری بھی نہ ہشیار ہوئے ہم تسلیم
جاگتے وقت سحر خواب سحر نے نہ دیا

دل سے نکلا بھی کہتا ہوا پیکاں تیرا
تو سلامت رہے پھر آئے گا مہماں تیرا

اڑ گئی موج تبسم صفت موج نسیم
رہ گیا دیکھ کے منہ ہر گل خنداں تیرا

چھوڑ دنیا کو سوئے ملک عدم چل تسلیم
راستہ دیکھتی ہے گور غریباں تیرا

ہوئے جوان وہ جب ربط میں فتور آیا
شباب ساتھ لیے حسن کا غرور آیا

دل کلیم کے ہوتے ہوئے خدا کی شان
پسند جلوہ فروشی کو کوہ طور آیا

مے شباب نے بے ہوش کردیا مجکو
شعور ہی نہیں جس روز سے شعور آیا

بڑی امید تھی محشر میں سامنا ہوگا
وہاں بھی کام نہ میرے مرا قصور آیا

نہ جیتے جی کبھی جس نے خبر لی اے تسلیم
وہ فاتحہ کو مری قبر پہ ضرور آیا

اک آفت جاں ہے جو مداوا مرے دل کا
اچھا کوئی پھر کیوں ہو مسیحا مرے دل کا

کیوں بھیڑ لگائی ہے مجھے دیکھ کے جناب
کیا کوئی تماشا ہے تڑپنا مرے دل کا

بازار محبت میں کمی کرتی ہے تقدیر
بن بن کے بگڑ جاتا ہے سودا مرے دل کا

گر وہ نہ ہوئے فیصلۂ حشر پہ راضی
کیا ہوگا پھر انجام خدایا مرے دل کا

کیا کوہکن و قیس کو دیتے دم تقسیم   حصہ تھا غم حوصلہ فرسا مرے دل کا
گو میں نہ رہوں محفل جاناں میں مگر روز   تسلیم یونہی ذکر رہے گا مرے دل کا

کل مرا تھا آج وہ بت غیر کا ہونے لگا   وائے قسمت دو ہی دن میں کیا سے کیا ہونے لگا
یاد میری آ گئی منہ پھیر کر رونے لگے   انجمن میں ان کی جب ذکر وفا ہونے لگا
ناتوانی ہجر میں آتی چلی ہے زور پر   آہ بے تاثیر نالہ نارسا ہونے لگا
آہ نے اتنی تو کی تاثیر پیدا شکر ہے   بام پر آنے لگے وہ سامنا ہونے لگا
بام پر جب تک وہ مہر حسن ہے سرگرم سیر   بھیڑ کیوں چھٹنے لگی کیوں راستا ہونے لگا
خوب رویا بیٹھ کر واماندگی کی جان کو   جب مری نظروں سے پنہاں قافلہ ہونے لگا
یہ بھی اے تسلیم ہے برگشتہ بختی کا اثر   جب دوا کی ہم نے درد دل سوا ہونے لگا

پہلے اے ذوق جفا تاب جگر کو دیکھنا   پھر کسی قاتل کے تیر رختہ گر کو دیکھنا
یاد کر لینا مرے حال دم آخر کو تم   جھلملاتے جب کسی شمع سحر کو دیکھنا
جب بھی تاب نظر تھی اے دل کم حوصلہ   فرض کیا تھا اس کے حسن فتنہ گر کو دیکھنا
عشق کی حیرت نے آئینہ بنایا ہے مجھے   دیکھنا مجھ کو ادھر پھیروں جدھر کو دیکھنا
انتظار یار میں تسلیم ہم کو رات دن   دیدۂ روزن کی صورت رہ گزر کو دیکھنا

مجھ سا کوئی بے تاب و تواں ہو نہیں سکتا   روتا ہوں تو آنسو بھی رواں ہو نہیں سکتا
کہہ اٹھتے ہیں مستی میں جو آتا ہے زباں پر   ہم سے ادب پیر مغاں ہو نہیں سکتا
چھپتا نہیں ہر چند چھپاتا ہوں غم عشق   کہتا ہوں تو کمبخت بیاں ہو نہیں سکتا
دشوار ہے ٹھہروں سفر ملک عدم میں   رک جائے کہیں عمر رواں ہو نہیں سکتا
مجبور ہوں میں طرح سے تسلیم وگرنہ   کہتی نہ کبھی میری زباں ہو نہیں سکتا

ہمیں بھی طائر دل کی تڑپ دکھا دینا　　خدنگ ناز ادھر بھی کوئی لگا دینا
فروغ زیست ہے مانند شمع جلنے میں　　پیام مرگ ہے ہمدم مجھے ہوا دینا
فقیر عشق ہوں کیا دوں میں گالیوں کا جواب　　مرا تو کام ہے اے بدزباں دعا دینا
کوئی تو حوصلہ نکلے بلا سے یوں ہی سہی　　جلا کے خاک مری خاک میں ملا دینا
امیدوار ہے تسلیم اے حبیب خدا　　یہاں کی بگڑی ہوئی تم وہاں بنا دینا

چشم حسرت سے نہ ان کو وقت رخصت دیکھنا　　میری جانب اے ہجوم یاس فرقت دیکھنا
ایک دن دامن تمہارا ہوگا میرے ہاتھ میں　　دور کیا ہے آنے دو روز قیامت دیکھنا
پھونکے دیتی ہے امید وصل کو بھی دل کے ساتھ　　آتش داغ محبت کی شرارت دیکھنا
مرمٹوں کی گور کو چلتا ہے ٹھکراتا ہوا　　دوستو اس دشمن جاں کی عداوت دیکھنا
گر نہ تجھ کو بھی سحر کردوں شب فرقت کی طرح　　میری تو صورت نہ اے شام مصیبت دیکھنا
صبح تک رہنا خیالات جنوں میں شام تک　　خواب میں شب بھر سواد دشت غربت دیکھنا
چار سو ہے محو نظارہ جو رخصت دے غرور　　اس طرف بھی اک نظر اے بے مروت دیکھنا
یہ نظر جز اولیا تسلیم کس کو ہے نصیب　　بیٹھ کر خلوت میں تنہا سیر کثرت دیکھنا

نام وہ غیر کا لیتے تھے جو پوچھا میں نے　　بولے کیا کام تجھے ذکر کسی کا ہوگا
چارہ گر کچھ تو بہلتا ہے میرا دل اس سے　　درد پھر کاہے کو ہوگا جو مداوا ہوگا
مغتنم ہے نفس چند یہ صحبت تسلیم　　حشر تک خندۂ احباب کا رونا ہوگا

پاؤں پڑتی ہے مرے زنجیر کیا　　کچھ رہائی کی ہوئی تدبیر کیا
عرض مطلب کا یہ لکھا ہے جواب　　آپ کیا اور آپ کی تحریر کیا

قطرۂ خوں بھی نہیں دل میں مرے ہائے تر ہوگی زباں تیر کیا
مسکرا کر رہ گئے زخم جگر کہہ گئی قاتل زباں تیر کیا
شمع کیوں محروم رحمت سے رہا بے گناہی بن گئی تقصیر کیا
گزری کیونکر وصل میں تسلیم عمر خط توام تھا خط تقدیر تھا

جب عروج نالۂ آتش فشاں ہوجائے گا شعلۂ جوالہ چرخ آسماں ہوجائے گا
کون دے گا داد میری حق ہے گر حب جمال حشر کو اللہ بھی سوئے بتاں ہوجائے گا
ہائے جب کہتا ہوں ان سے سوز دل کہتے ہیں وہ چپ رہو راز محبت داستاں ہوجائے گا
گر یہی غم کی ترقی ہے تو ایک دن دیکھنا طفل اشک دیدۂ تر بھی جواں ہوجائے گا
تم تو کیا دشمن کو بھی ہوگا مرے مرنے کا غم ماتمی سارا لباس آسماں ہوجائے گا
شور بیتابی مرا لپٹے گا جا کر چرخ سے نالۂ شبگیر مد کہکشاں ہوجائے گا
سیر حال رفتگاں کر چشم معنی کے لیے سرمہ بینش غبار کارواں ہوجائے گا
خاک سب ڈالیں گے اے تسلیم ایک دن بعد مرگ دشمن جاں تجکو لطف دوستاں ہوجائے گا

تصویر مصیبت ہوں میں نیرنگ جہاں میں ہنسنے کا کبھی مجھ پہ گماں ہو نہیں سکتا
افسانۂ غم وقف زباں ہو نہیں سکتا یہ راز نہاں مجھ سے عیاں ہو نہیں سکتا
کیا خاک کہوں پاس وفا قفل دہن ہے مجھ سے گلہ جور بتاں ہو نہیں سکتا
تسلیم پس مرگ رہے گا مرا دیواں بے نام و نشاں نام و نشاں ہو نہیں سکتا

بھول کر بھی کبھی حال دل شیدا نہ سنا تم سا بے رحم زمانہ میں نہ دیکھا نہ سنا
یار سے ہم نے دم عرض تمنائے وصال ہائے کیا کیا نہ کہا شوق نیں کیا کیا نہ سنا

صیاد کا برا ہو کہ آ کر کیا اسیر
بلبل نہ کرچکی تھی ابھی آشیاں درست
پیری میں روح کو غم رخصت ہے دم بدم
کرتا ہے ساز برگ سفر میہماں درست
فرصت نہ دی بناؤ نے ان کو شب وصال
کرتے رہے وہ کاکل عنبر فشاں درست
تسلیم مشق شعر میں گزری تمام عمر
اب تک زباں نہ صاف نہ طرز بیاں درست

دیکھ لیتا گر بہار لالہ زار کوئے دوست
گلشن فردوس بھی ہوتا نثار کوئے دوست
روز روز عید ہے شب ہے شب قدر امید
کیا مسرت بخش ہیں لیل ونہار کوئے دوست
دوہی پابند وفا ہیں کوچۂ دلدار میں
یا نسیم خلد یا میں جاں نثار کوئے دوست
خلد میں رہنا جہنم سے نہ کم ہوگا مجھے
یاد اگر آ جائے گا لطف بہار کوئے دوست
عرش کرسی آسماں جو کچھ کہو سب ہے درست
میرے جی سے کوئی پوچھے اعتبار کوئے دوست
کیا کہوں تسلیم اپنا آپ سے نام ونشاں
جاں نثار حسن ہوں میں خاکسار کوئے دوست

سامنا ہوتا ہے جب حوروں کا تو آتا ہے یاد
دیکھ کر سامان جنت لکھنؤ آتا ہے یاد
خودبخود کیوں کر نہ بھڑکے ہمنشیں دل کی لگی
بیٹھے بیٹھے اک حسیں شعلہ رو آتا ہے یاد
روتے ہیں کیا کیا لپٹ کر شیشۂ لبریز سے
جس گھڑی اپنا دل پر آرزو آتا ہے یاد
ساقی میکش کی فرقت میں ٹپک پڑتے ہیں اشک
جب مجھے وہ جلوۂ جام وسبو آتا ہے یاد
خاک اے تسلیم ٹھہروں باغ میں سنبل کے پاس
دل کو میرے حسن زلف مشک بو آتا ہے یاد

بند آنکھیں ہوگئیں حسن دل آرا دیکھ کر
کچھ نہ دیکھا تجھ کو اے خورشید سیما دیکھ کر
بڑھ چلیں بیباکیاں گھٹنے لگی خلوت میں شرم
وہ سرک بیٹھے مرے دل کا ارادہ دیکھ کر
چھوڑ اے تسلیم سیر گلشن ایجاد اب
کیا نہال اب تک ہوا تو باغ دنیا دیکھ کر

دیکھ پچھتائے گا ہم رندوں کے ساغر توڑ کر — ہم ابھی بھر لیں گے تجھ سے محتسب سر توڑ کر
جیتے جی کیا کیا تھے سامان ستم اس کو عزیز — رکھ دیا قاتل نے میرے بعد خنجر توڑ کر
دیتی ہے کیا کیا رگ جاں کو مزے اس کی کھٹک — رہنے دے فصاد تھوڑی نوک نشتر توڑ کر
گر یہی زور جنوں ہے ہتھکڑی بیڑی کو میں — پھینک دوں گا ایک دن زنداں سے باہر توڑ کر
آج عذر اتقا کیوں اس قدر تسلیم ہے — ہم نے دیکھا تجھ کو پیتے توبہ اکثر توڑ کر

کیا لکھوں اس آفت دل کو جگر کا اضطراب — دم نہیں لیتا گھڑی بھر نامہ بر کا اضطراب
صدقے اپنی مرگ کے اک دم میں آ کر کھو دیا — مدتوں کی دلفگاری عمر بھر کا اضطراب
وصل کی شب اک تماشا ہو گیا تھا شوق کو — کچھ ادھر کا ناز بیجا کچھ ادھر کا اضطراب

چھٹ کر قفس سے اور بھی ہیں دربدر خراب — پھرتے ہیں دور باغ سے بے بال و پر خراب
سرگشتگی نصیب کی دیکھ کہ دشت میں — مانند گردباد پھرے عمر بھر خراب

کیوں بھریں گے ہاتھ خون عاشق مضطرب سے آپ — ہم گلے کو کاٹ کر مر جائیں گے خنجر سے آپ
موج بھی لیتی ہے بوسے انجائے شوق میں — کیوں لگاتے ہیں لب رنگیں لب ساغر سے آپ
حسن میں ناز و ادا میں شوخی و انداز میں — خوب ہیں ہر خوب سے بہتر ہیں ہر بہتر سے آپ
اس نزاکت پر عبث آویزے پہنے کان میں — خم ہوئے جاتے ہیں بار پرتو گوہر سے آپ
گر وہاں بھی خون عاشق نے نہ چھوڑی آستیں — کیا بہانہ کیجیے گا داور محشر سے آپ
جل گیا پیکاں بھی دل کے ساتھ سوز عشق میں — چھان کر ہوں گے پشیماں میری خاکستر سے آپ
تشنہ لب تسلیم ہے سیراب کر دیں یا حسین — کیجیے میری سفارش ساقیٔ کوثر سے آپ

بے مروت ہیں بے وفا ہیں آپ
اپنے مطلب کے آشنا ہیں آپ
ماہر و مہروش پری تو نہیں
اور اگر یہ بھی ہیں تو کیا ہیں آپ
دوستی ہوگی جب کبھی ہوگی
اب تو دشمن سے بھی سوا ہیں آپ
پہنچیں گے ہم ضرور منزل تک
حضرت دل جو رہنما ہیں آپ
کس لیے التجا کرے تسلیم
توبہ توبہ کوئی خدا ہیں آپ

دیکھ کر سایہ کو ہر دم خلوت و صحبت میں دھوپ
دن بسر کرتی ہے در پہ تیرے کس حیرت میں دھوپ
سایہ کیا ڈھونڈھوں کہ مثل میل میداں اے جنوں
کاتب قدرت نے لکھی ہے مری قسمت میں دھوپ
رہ نورد دشت ہوں مجھ کو نہیں مطلق خبر
سایہ ہے سر پر مرے یا عالم وحشت میں دھوپ
گرمی خورشید محشر سے عرق آئے گا کیا
عمر بھر کھائی ہے ہم نے وادیٔ غربت میں دھوپ
مدتوں دن بھر پھرے ہیں چار سو تسلیم ہم
کچھ نہیں معلوم ہوتی کثرت وحشت میں دھوپ

آئی بہار ہونے لگیں کیاریاں درست
کرتا ہے ہر روش سے چمن باغباں درست

شوخی پہ اپنی کیوں نہ کریں وہ ہزار ناز
مجبور اگر ادا ہے تو بے اختیار ناز
رشک عدو مزاج صنم کاوش نصیب
کس کس کے ہم اٹھائیں گے پروردگار ناز
تسلیم گور پہ پس مردن ہے گلفشاں
کرتا ہے مجھ سے شعلہ شمع مزار ناز

نکہت گل ہوں نہیں زیست و ساماں سے غرض
مجھ کو داماں سے نہ مطلب نہ گریباں سے غرض
دم نکل جانے دے پھر کون کرے گا پروا
کوئی دم اور ہے قاتل ترے پیکاں سے غرض
واسطہ جب نہ رہا کہتے ہو کیوں کیسے ہو
اب تمھیں کیا ہے مرے حال پریشاں سے غرض
آ گئے یوں ہی چمن میں نہ ہو بدظن گلچیں
سرو سے کام نہ تیرے گل خنداں سے غرض

لاکھوں شکوے ہیں سنے گی تو کہاں تک اے قہر　　مر مٹے ہم ستم عمر گریزاں سے غرض
دشت وصحرا کی نہیں قید جنوں میں تسلیم　　آبلوں کو خلش خار مغیلاں سے غرض

ربط باہم نے بنایا ہے مجھے تصویر خاک　　خاک دامن گیر میری میں گریباں گیر خاک
دوست دشمن سب سے مل جلنے کی عادت ہے مجھے　　خاک کا پتلا ہوں پنہاں مجھ میں ہے تاثیر خاک
گر غبار دشت باقی ہے تو کیا فکر کفن　　بعد مردن خاک ہی کرلے گی کچھ تدبیر خاک
کیا پہنچا اس کے در تک مٹ کے میں خانہ خراب　　کچھ کی قسمت کی تھی ہمراہ کچھ تقصیر خاک
اصل کے جوہر نہیں تسلیم ہوتے نقل میں　　تیغ آہن کی برش رکھتی نہیں شمشیر خاک
اشک ریزی سے بھڑکتی ہے دل مضطر میں آگ　　کثرت بارش لگا دیتی ہے میرے گھر میں آگ
جل بجھا گو دل مگر سوزش کا ہے عالم وہی　　عشق نے اب تک دبا رکھی ہے خاکستر میں آگ
گر یہی ہیں اشک و آہ گرم روز حشر بھی　　میں بجھا دوں گا لگا کر دامن محشر میں آگ
کیا پیوں فرقت میں جی جلتا ہے مانند کباب　　بادۂ گلگوں ہے اے ساقی ترے ساغر میں آگ
عمر بھر کرتا رہا تسلیم آہ پرشرر　　کیا بھری تھی عشق نے اس کے دل مضطر میں آگ

اظہار عشق میں یہ ہوا بے خودی کا جوش　　کچھ کہتے کہتے بھول گئے نامہ بر سے ہم
سیلاب اشک ڈھائے نہ بنیاد زندگی　　روتے نہیں ہیں خانہ خرابی کے ڈر سے ہم
دی سلطنت جنوں کی شہنشاہِ عشق نے　　صحرا میں تاجدار بنے داغ سر سے ہم
تسلیم بعد مرگ یہ ثابت ہوا ہمیں　　چل پھر کے آج آ گئے گھر میں سفر سے ہم
روتے ہیں ہجر یار میں بیٹھے سحر سے ہم　　نخل امید سینچتے ہیں چشم تر سے ہم

تھک گئے تم حسرت ذوق شہادت کم نہیں　　مجھ سے دم لے لو اگر تیغ ستم میں دم نہیں
درد مندان ازل رکھتے نہیں درماں کا غم　　سینۂ صد چاک گل منت کش مرہم نہیں

روز مرتے ہیں ہزاروں دیکھ کر نیرنگ حسن
گر یہی عالم تمہارا ہے تو یہ عالم نہیں

مرمٹے ہم عشق کے شہرے وہی ہیں چار سو
شور رسوائی پس مردن بھی اپنا کم نہیں

نالۂ آتش فشاں یونہیں اگر ہیں اوج پر
تو نہیں اے آسماں فتنہ گر یا ہم نہیں

بے ثباتی پر بہار باغ کی روتا ہے چرخ
روئے گل پر قطرہائے اشک ہیں شبنم نہیں

خوش ہیں میرے مرنے سے تسلیم خویش و اقربا
خانۂ شادی ہے گویا خانۂ ماتم نہیں

دل جلوں کی طرز خاموشی بیاں سے کم نہیں
شمع بزم افروز کا شعلہ زباں سے کم نہیں

مار رکھا ہے ہزاروں کو فریب حسن سے
زال دنیا بھی عروس نوجواں سے کم نہیں

غنچۂ دل کو شگفتہ رکھتی ہے شام و سحر
آہ ناکامی نسیم بوستاں سے کم نہیں

توڑتا ہے روز کلیاں گلشن ایجاد کی
ہائے گلچیں قضا بھی باغباں سے کم نہیں

صدمہ پیہم سے اے تسلیم مجھ کو دہر میں
زندگی دم بھر کی عمر جاوداں سے کم نہیں

بے کسی کا ہو برا مرو و سمن کی یاد میں
گر پڑے آنسو ہمارے دامن صیاد میں

اپنے اپنے کام کی دن رات ہے دونوں کو فکر
میں ہوں دل کی یاد میں دل ہے تمھاری یاد میں

شادمانی کا مزہ کیا غم نہ ہو جب تک شریک
شور ماتم چاہیے شور مبارکباد میں

چارہ گر سودا ہے بوئے زلف برہم کا مجھے
قید کر زنجیر موج نکہت برباد میں

پاؤں پھیلا شوق سے اے داغ تمکین بہر درد
رہنے دے تھوڑی جگہ میرے دل ناشاد میں

گو غزل لکھی نسیم دہلوی کے رنگ پر
پر کہاں تسلیم وہ باتیں جو ہیں استاد میں

ہاتھ سوئے آسماں آخر اٹھا کیوں کر نہ دیں
بادشاہ حسن ہو تم کو دعا کیوں کر نہ دیں

وہ اگر آئے بھی ہم محروم مطلب رہ گئے
جان کو تیری دعائیں اے حیا کیوں کر نہ دیں

سنتے ہیں رسوائی عاشق سے خوش ہوتے ہیں وہ
شہرت دیوانگی ہم جابجا کیوں کر نہ دیں

جب رضینا بالقضا کہہ بیٹھے عشق یار میں　　درد ناکامی کا ڈر دل سے اٹھا کیوں کر نہ دیں
جانتے برسوں سے ہیں تسلیم کو اپنا غلام　　جام کوثر حشر میں خیرالوریٰ کیوں کر نہ دیں

چاہنے کا حوصلہ اے تند خو باقی نہیں　　تنگدل ہوں دل میں جائے آرزو باقی نہیں
باتیں سنواتی ہے دن بھر میری خاموشی مجھے　　گفتگو کیا کیا ہے جیسے گفتگو باقی نہیں
سارے عالم کو بنایا دوست ہم نے خلق سے　　اب کوئی دل کے سوا اپنا عدو باقی نہیں
حسرت دل گرمی احباب ہردم کس لیے　　کیا جگر میں آتش داغ عدو باقی نہیں
اب بھی اے تسلیم ایسے ہیں نہیں جن کا جواب　　کہنے کو گو شاعران لکھنؤ باقی نہیں

ہوں وفا جو اور یہ اس بت کی خلقت میں نہیں　　وہ تمنا دل میں رکھتا ہوں جو قسمت میں نہیں
کہنے سننے سے کسی کے تو اگر آیا تو کیا　　یہ مروت بے وفا داخل مروت میں نہیں
خلوت و جلوت دل آگاہ کو دونوں ہیں ایک　　کونسی ہے بات وحدت میں جو کثرت میں نہیں
چپکے ہی بھرتے تھے سب دم دوستی کا بعد مرگ　　خبر ہجوم بے کسی کوئی رفاقت میں نہیں
سنتے ہیں اچھوں کو اے تسلیم کتنا ہے برا　　کیا مری جاں آجکل تو اہل سنت میں نہیں

کیا کہوں میں کون ہوں کس کے سیہ کاروں میں ہوں　　نام ہے جس کا غفور اس کے گنہگاروں میں ہوں
لاش پر اس نے کہا جاتے ہو تنہا چھوڑ کر　　تم تو کہتے تھے کہ میں تیرے وفاداروں میں ہوں
اور ہیں جن کو ہے اے تسلیم شاگردی پہ ناز　　میں نسیم دہلوی کے کفش برداروں میں ہوں

نور کا عالم نظر آئے گا مرکر خاک میں　　مل گئے ہیں سیکڑوں خورشید پیکر خاک میں
شہرت روز قیامت سن کے ہوتا ہے یقیں　　چین سے سونے نہ دے گا شور محشر خاک میں
بعد مردن اس قدر شرم گنہگاری بڑھی　　منہ چھپائے ہم پڑے ہیں زیر چادر خاک میں

روز فرقت میں امید شب آرام کہاں	گر یہی صبح قیامت ہے تو پھر شام کہاں
دیکھتا ہوں میں دم نزع تجھے بالیں پر	آج بے وقت یہاں اے بت خود کام کہاں
چھوڑیں کس واسطے تسلیم زمانے میں نشاں	جب ہمیں عالم ہستی میں نہیں نام کہاں

کس قدر مرغوب دل ہے پیرہن کی آرزو	مرتے دم بھی رہتی ہے دوگز کفن کی آرزو
آب و تاب نوجوانی چاہیے ساقی مجھے	وقت پیری ہے ئے توبہ شکن کی آرزو
اب تو خوش ہے دام پھنسے دیکھیے گلزار میں	روئے گی قسمت کو مرغان چمن کی آرزو
باغ عالم میں برنگ بو ہوں شب بھر میہماں	کیا مری امید کیا مجھ خستہ تن کی آرزو

وصل میں بگڑے بنے یار کے اکثر گیسو	الجھے سلجھے مری تقدیر سے شب بھر گیسو
میں نہ مانوں گا یہ ظلمت اسے کس دن تھی نصیب	ہو گئے ہوں گے شریک شب محشر گیسو
کہنے سننے سے اگر وصل ہوا بھی تو کیا	ضد سے بیٹھے وہ بنایا کیے شب بھر گیسو
چاہتے ہیں کہ پریشاں پس مردن بھی رہوں	کھول دیتے ہیں مری گور پر آ کر گیسو
اڑ چلا اور بھی وہ رشک پریزاد ان سے	بن گئے حسن کے پرواز کو شہپر گیسو
آرزو ہے کہ شب قدر ہو یا شام امید	کچھ دکھائے نہ خدا تیرے دکھا کر گیسو
یہ بھی تقدیر کے ہیں پیچ وگرنہ تسلیم	مجھ سا آزاد ہو پابند معتبر گیسو

سر تہ خنجر ہے خون پر تو قلن آہن میں ہے	کیا پھلا پھولا شہیدوں کا چمن آہن میں ہے
جائے نالہ وصف گل کرتی ہے زنجیر جنوں	قید کوئی بلبل رنگیں سخن آہن میں ہے
ہوش میں آتے نہیں مست شہادت کس لیے	آب خنجر یا ئے توبہ شکن آہن میں ہے

زندہ جاوید ہو کیونکر نہ کشتہ تیغ کا
بحر آب زندگانی موجزن آہن میں ہے

کیا زباں تیغ نے کہہ کر ہنسایا زخم کو
کونسا تسلیم اعجاز سخن آہن میں ہے

اے شیخ حرم میں جو پئیں ڈر تو نہیں ہے
وہ شرط ادب کعبے کے باہر تو نہیں ہے

رگ رگ کے گلے پر مرے چلتا ہے دم ذبح
کچھ مجھ سے کھچا آپ کا خنجر تو نہیں ہے

مے پینے سے مجبور ہوں تسلیم وگرنہ
میں خوب سمجھتا ہوں کہ بہتر تو نہیں ہے

خونیں دلوں کو لطف خوشی درد وغم سے ہے
ہنستا وہاں زخم کا تیغ ستم سے ہے

ظاہر ہلال ابرو و گیسو کے خم سے ہے
تصویر بھی کھچی ہوئی اس بت کی ہم سے ہے

آئے نہ آئے دل کی تڑپ تو نہیں رہی
تسکیں کچھ تو یار کی جھوٹی قسم سے ہے

کس کس ادا سے ملتی ہے عشاق کے گلے
مرنے کا لطف یار کی تیغ ستم سے ہے

زخم جگر نہیں نہ سہی داغ دل سہی
میری غرض تو لذت درد و الم سے ہے

دیوانگی نے دونوں سے بے فکر کر دیا
مطلب نہ دیر سے نہ غرض کچھ حرم سے ہے

کس کا گناہگار ہے تسلیم روسیاہ
امید مغفرت بھی اسی کے کرم سے ہے

شمیم یار نہ جب تک چمن میں چھو آئے
نہ رنگ آئے کسی پھول میں نہ بو آئے

مزہ تو جب ہے شہادت کا میں ادھر سے بڑھوں
ادھر سے تیغ جفا کھینچ کے تاگلو آئے

دماغ دے جو خدا گلشن محبت میں
ہر ایک گل سے ترے پیرہن کی بو آئے

زباں دراز سنان زخم ہیں دریدہ دہن
کہیں نہ دونوں میں رنجش کی گفتگو آئے

دکھائیں حسن بیاں شاعری میں کیا تسلیم
زباں آئے نہ انداز گفتگو آئے

آغاز جوانی کی ادا اور ہی کچھ ہے اب تو وہ صنم نام خدا اور ہی کچھ ہے
میں کیا کہوں کیوں کوستے ہیں ناز سے مجھ کو جس کی یہ سزا ہے وہ خطا اور ہی کچھ ہے
ہر ایک سمجھتا ہے مظاہر کو ہمہ اوست کس کس سے کہوں میں کہ خدا اور ہی کچھ ہے
مانا کہ اٹھا لیتے ہیں سب عشق کی افتاد ہاں حوصلہ اہل وفا اور ہی کچھ ہے
شمشیر سے مرتے ہیں نہ خنجر نہ سناں سے عشاق کو پیغام قضا اور ہی کچھ ہے

کس لیے چارہ گر درد تو تدبیر میں ہے ہو رہے گی کبھی صحت بھی جو تقدیر میں ہے
سن کے برہم وہ ہوئے اور بڑھا دی تعزیر عذر تقصیر بھی داخل مری تقصیر میں ہے
پھونکے دیتی ہے جگر شعلہ زبانی تسلیم آتش طور کی گرمی تری تقریر میں ہے

یاد محشر میں وہ چشم نیم خواب آجائے گی نیند مری آنکھ میں وقت حساب آجائے گی
وہ ہیں برہم غیر سے اس دم سرگیسو نہ چھو ورنہ شامت اے دل خانہ خراب آجائے گی
جس قدر پینا ہو پی کچھ بیش و کم کا غم نہ کھا اور اے تسلیم شیشے میں شراب آجائے گی

دل میں کیا آئی تھی کیا اے گلعذار آنے کو تھی آج لب پر کیوں ہنسی بے اختیار آنے کو تھی
وائے قسمت کب کیا صیاد نے قید قفس جب خزاں جانے کو تھی فصل بہار آنے کو تھی
کچھ پھڑک کر آنکھ وقت بادہ خواری رہ گئی روح کس بیکش کی اے پروردگار آنے کو تھی
شہرت رنگیں خرامی سن کے صحن باغ سے آپ کے لینے قدم باد بہار آنے کو تھی
آبلوں کا ہو کے چرچا رہ گیا اچھا ہوا یہ حکایت تا زباں نوک خار آنے کو تھی
گرمی صحبت سے کچھ مطلب نہ دلسوزی سے کام کیوں لحد پر میری شمع اشکباری آنے کو تھی
کیا سبب تھا کس لیے تسلیم وقت صبح آج چھپ کے مجھ سے باغ میں باد بہار آنے کو تھی

مر کر عدو بھی ہرے وعدے وفا ہوئے　　ایسے ملے کہ پھر نہ گھڑی بھر جدا ہوئے
سے پی کے سر کے بھل در میخانہ پر گرے　　یعنی نماز ادا ہوئی روزے قضا ہوئے
اس عشق کا برا ہو کہ اپنے قفس سے ہم　　کیا کیا لپٹ کے روئے ہیں جس دم رہا ہوئے
گم گشتگان عشق کو دن رات مہر و ماہ　　لیکر چراغ ڈھونڈتے پھرتے ہیں کیا ہوئے
قسمت پر ان ارادوں کے تسلیم رو دیئے　　روز ازل جو دل کے مرے مدعا ہوئے

بھڑکی ہے لگی دل کی بجھا کیوں نہیں دیتے　　آب دم شمشیر پلا کیوں نہیں دیتے
کہتے ہو یہ بخت پس مرگ عبث تم　　اک شمع سر قبر جلا کیوں نہیں دیتے

بخت برگشتہ ہے اچھی بھی بری ہو جائے گی　　دوستی جس سے کریں گے دشمنی ہو جائے گی
دیر کیا آنے میں ہے اے شور محشر آ کہیں　　دو گھڑی یاروں کی تجھ سے دل لگی ہو جائے گی
سامنے آنے لگے ہیں شکر کر تمکیں نہ ہو　　وصل کی تدبیر بھی اے دل کبھی ہو جائے گی
بے زباں میں ہوں تو اے بے رحم میرے خون کی　　بے کسی روز قیامت مدعی ہو جائے گی
ہوں غلام مصطفیٰ تسلیم مجھکو فکر کیا　　اب نہیں تو حشر میں بخشش مری ہو جائے گی

سایہ گل میں نہ راحت نہ تہ دام مجھے　　کہیں اس دل کی بدولت نہیں آرام مجھے

کیا جلد بام عرش سے خیر البشر پھرے　　جس طرح منتہائے نظر سے نظر پھرے
جاتا ہوں روز اس لیے محفل میں غیر کی　　شاید نگاہ یار کسی دن ادھر پھرے
یہ بھی تو اک عذاب ہے بیمار عشق کو　　تا صبح یہاں نہ آئے تو کا ہے کو سر پھرے

آ کر اجل نے سارے ارادے مٹا دیے — اب چاہو تم پھرو کہ تمھاری نظر پھرے
تسلیم کیوں بگڑتے ہو ہر دم نصیب سے — ممکن نہیں کہ حکم قضا و قدر پھرے

اچھے اچھے بت کے بندے اے خدا ہونے لگے — عاشق اس کافر ادا کے پارسا ہونے لگے
چاہتا ہوں اتنی میں تاثیر اپنے عشق میں — شرم کے اٹھ جائیں پردے سامنا ہونے لگے
انتہا کی بے نیازی ابتدائے عشق میں — تم ابھی سے بے مروت بے وفا ہونے لگے
وہ مریض غم ہوں صحت کی ہوس تو اک طرف — نام درماں لوں تو درد دل سوا ہونے لگے
ڈر ہے بول اٹھے کہیں ان کی طرف ہو کر نہ دل — سامنے اللہ کے جب فیصلا ہونے لگے
وقت آخر ہے انھیں رخصت کرو تسلیم اب — کون جانے کیا ہو دم میں کیا سے کیا ہونے لگے

انتخاب

دفتر خیال دیوان سوم تسلیم

اشاروں میں اگر بے پردہ ساز آرزو ہوتا　　مرے تیرے بیاں راز دل بے گفتگو ہوتا
ترس کھا کر اگر ملتے وہ مجھ ناکام وبکس سے　　پس مردن بھی کیوں میں خاک راہ جستجو ہوتا
تمنا تھی یہی تسلیم خستہ کی کہ زخم دل　　ترے تارنگاہ رحم فرما سے رفو ہوتا

خدا مجکو اگر خاک در خیر　البشر کرتا　　بسر اوقات اپنی چین سے کیا عمر بھر کرتا
کبھی سنتا پہ جبریل کی آواز کانوں سے　　کبھی انوار قدرت اپنی آنکھوں سے نظر کرتا
کبھی دوش صبا پر سیر کرتا کوئے یثرب کی　　طواف روضہ اقدس کبھی دو دو پہر کرتا
تصدق میں شفیع عاصیاں کے چشم بینا سے　　تماشا عالم محشر کا بے خوف و خطر کرتا
اشارہ پاکے حضرت کا میں اے تسلیم بے پرسش　　مصیبت گاہ محشر سے سوئے جنت سفر کرتا

آج دم بھر میں اجل کا سامنا ہونے کو تھا
خیر گزری آ گئے تم کیا سے کیا ہونے کو تھا

دل بتوں کا ہو چکا تھا خیر کی اللہ نے
مدتوں کا آشنا ناآشنا ہونے کو تھا

مر گئے تسلیم بھی پچھلے پہر فرقت کی شب
صبح صادق تھی اذاں کا غلغلہ ہونے کو تھا

مانع نظارہ حسن ماہ سیما ہوگیا
پردے کا اٹھنا مری آنکھوں کو پردا ہوگیا

ہے وہی ہشیار جو دیوانہ تیرا ہوگیا
عقل کھو کر عشق میں بہلول دانا ہوگیا

اگلا پڑتا ہے گلے ملنے کو خنجر میان سے
بات کیا ہے دشمن جان دوست ایسا ہوگیا

ناز سے چھاتی پر اس نے پاؤں جس دم رکھ دیا
دل ہوا ٹھنڈا کلیجہ ہاتھ بھرکا ہوگیا

ہم نے پالا مدتوں پہلو میں ہم کوئی نہیں
تم نے دیکھا اک نظر سے دل تمہارا ہوگیا

جب سے اے تسلیم کی ہے بیعت دست سبو
ویں ساغر ہو گیا ایمان مینا ہوگیا

غم نہیں روئے اجل مر کے اگر دیکھ لیا
غم تو یہ ہے کہ ملک الموت نے گھر دیکھ لیا

اب کہاں یار سے ہر وقت لڑانا آنکھیں
چلتے پھرتے جو ملا ایک نظر دیکھ لیا

اب بھی باور نہیں کہتے ہو کہاں ہے پیکاں
دل مرا دیکھ لیا تم نے جگر دیکھ لیا

پھرتا ہے سینہ پر شوق شہادت میں مدام
تو نے تسلیم کہاں تیر نظر دیکھ لیا

عیار دل آزار ستمگار کہوں گا
دل جلنے پہ کیا کیا نہ تجھے یار کہوں گا

جاتی ہے کہاں چھوڑ کے فرقت میں تو اے یاس
پھر میں کسے مونس کسے غمخوار کہوں گا

ڈرتا نہیں مرنے سے خوشامد نہیں آتی
منہ پر ترے خنجر کو ستمگار کہوں گا

جی اٹھتے ہیں جانباز تری نیچی نظر سے
ان آنکھوں کو ہرگز نہ میں بیمار کہوں گا

تسلیم جو پوچھیں گے دم حشر تو ہے کون
خوش ہو کے غلام شہ ابرار کہوں گا

شمع کے مانند چمکے سر اتر جانے کے بعد
زندگی بخشی خدا نے ہم کو مر جانے کے بعد

شانہ آئینہ منگایا پھر نکھر جانے کے بعد
بال زلفوں کے بگاڑے خود سنوار

چاہیے انسان کو ہر وقت حفظ آبرو
پھر گہر رہتا نہیں آب گہر جانے کے بعد

نیم جلوہ کا ہوں مہماں دیکھ لیں اہل نظر
پھر نہ آؤں گا کبھی مثل شرر جانے کے بعد

شکر ہے پرواز کے قابل کیا اللہ نے
پھر قفس میں پر نکل آئے کتر جانے کے بعد

اب تو اے تسلیم ہیں اہل ہنر بھولے ہوئے
یاد فرمائیں گے کیا کیا مجھ کو مر جانے کے بعد

چھٹ گئے جتنے تھے ساتھ اپنے اسیران قفس
ایک ہم ہیں آج تک قسمت سے دربان قفس

ہم صفیران چمن سب ہیں خراماں باغ میں
کیا ہمیں تھے اے خدا قسمت سے شایان قفس

جان دے دوں گا پھڑک کر حلقہائے دام میں
میں نہ لوں گا سر پر اے صیاد احسان قفس

مجھ سے تھیں دلچسپیاں چھوڑا مجھے صیاد نے
یاد کرتے ہوں گے کیا کیا مجھ کو مرغان قفس

ہم اسیروں کی سنی ہے نغمہ سنجی مدتوں
کون ہے تسلیم سے بڑھ کر زبان دان قفس

دل دے کے تم کو شوق میں حیراں ہمیں تو ہیں
اپنے کیے ہوئے سے پشیماں ہمیں تو ہیں

سچ ہے تمھیں کسی سے نہ مطلب نہ کچھ غرض
دن رات گھر میں غیر کے مہماں ہمیں تو ہیں

ہنستے ہیں گل بھی دیکھ کے اپنی خبر نہیں
گویا چمن میں چاک گریباں ہمیں تو ہیں

جلتے ہیں اور دیکھنے والا کوئی نہیں
شمع سر مزار غریباں ہمیں تو ہیں

تسلیم رشک و بحر و تسنیم اب کہاں رہے
مشہور جاہلوں میں سخنداں ہمیں تو ہیں

نہیں بے وجہ رکنا آنسوؤں کا ہجر جاناں میں
کوئی ٹکڑا جگر کا آ گیا ہے چشم گریاں میں

طلسم تازہ ہے داغ جگر کی جلوہ افروزی
جلا کرتا ہے بے روغن چراغ اپنے شبستاں میں

ڈراتا ہے مجھے تسلیم کیوں واعظ جہنم سے
مرا حصہ نہیں ہے کیا خدا کے فضل و احساں میں

نکالیں گے نیا رستا جنوں فتنہ ساماں میں
کریں گے سر کو ہم ٹکرا کے در دیوار زنداں میں

شہیدان محبت کا نرالا سب سے کعبہ ہے
جھکائے سر ہیں محراب خم شمشیر عریاں میں

مری عمر دو روزہ خوب ہنستے بولتے کٹتی
زبان تیغ اگر ہوتی دہاں زخم خنداں میں

چلو گھر خاک ڈالو اب حنا کا خون ہوتا ہے — کفِ افسوس ملتے ہو کھڑے گنجِ شہیداں میں
حسینوں سے بگڑنا اور دل کو داغ دیتا ہے — بہت روئی زلیخا بھیج کر یوسف کو زنداں میں
غزل گوئی سے اے تسلیم باز آؤ دم پیری — نہ جاؤ گے اک دن ورنہ یارانِ خنداں میں

مرے دل سے تمنائے دکن اور کہتی ہے — مگر مرگِ اسیرِ بے وطن کچھ اور کہتی ہے
بیاباں میں بہت خوش ہوں نہ وحشت ہے نہ سودا ہے — مگر یادِ عزیزانِ وطن کچھ اور کہتی ہے
دمِ عرضِ تمنا وصل کی امید ہو کیونکر — کہ غصے میں جبیں پر شکن کچھ اور کہتی ہے
میں شمعِ طور کہتا ہوں رخِ پرنور کو لیکن — تمھاری انجمن کی انجمن کچھ اور کہتی ہے
تمھیں تسلیم واعظ دوزخی کہتا ہے کہنے دو — کہ حبِ اہلِ بیتِ پنجتن کچھ اور کہتی ہے

بے ہوش ہوئے آمدِ دلدار سے پہلے — نیند آئی ہمیں طالعِ بیدار سے پہلے
کس منہ سے کریں شکوۂ رنجش کہ شبِ وصل — ایک بات پہ بگڑے تھے ہمیں یار سے پہلے
جاتا ہوا محشر ہوں دھڑکتا ہے مگر دل — کیا جانیے کیا پوچھیں گنہگار سے پہلے
گو جھوٹ تھا اقرارِ وفا دل کو ہمارے — امید تو تھی آپ کے انکار سے پہلے
کیوں نزع میں وہ دیکھ کے روتے ہیں تسلیم — مرجاتے اگر آمدِ دلدار سے پہلے

جفا جو تند خو پیاں شکن نا آشنا نکلے — تمھیں اس دل میں کیا سمجھے تھے ہم افسوس کیا نکلے
مرے ان کے اشارے باعثِ عرضِ تمنا ہیں — نہ گویا ہو زباں اپنی نہ حرفِ مدعا نکلے
جوانی میں مے دینا سے اے تسلیم یہ نفرت — تمھیں ہم رند سمجھے تھے غضب کے پارسا نکلے

حسن کا انصاف ہے اہلِ نظر کے سامنے — آج لے بیٹھے ہیں ان کو ہم قمر کے سامنے
دونوں حاضر ہیں ترے تیرِ نظر کے سامنے — سامنے دل کے جگر ہے دل جگر کے سامنے
نشہ ان کو حسن کا مجھ کو شرابِ عشق کا — بے خبر میں بھی بنا ہوں بے خبر کے سامنے

کیسے کیسے تا فروغ زندگی دل سوز تھے — ایک پروانہ نہیں شمع سحر کے سامنے
آپ کو سمجھے ہو کیا تسلیم آؤ ہوش میں — تم بھی پڑھتے ہو غزل اہل ہنر کے سامنے

تصویر میں ہم عرض تمنا نہ کریں گے — اپنے لب خاموش کو گویا نہ کریں گے
کیا ہوگا اڑا دو گے اگر تیر سے دل کو — ہم دل کی جگہ تیر کو سمجھا نہ کریں گے
اچھا نہ سہی غیر کے ہم ذکر سے گزرے — کیا اپنے مقدر کا بھی شکوا نہ کریں گے
تم ہو کہ عدو سارے ستم ہوں گے زباں پر — ہم روز جزا پاس کسی کا نہ کریں گے
توبہ کریں تسلیم سے جام سے توبہ — ایسا نہ کیا ہے کبھی ایسا نہ کریں گے

ستمگر بھی ادب سے پیش مشتاق اجل بیٹھے — تمہارے تیر جب آئے جگر میں سر کے بل بیٹھے
سنا جس دم کہ آتا ہے وہ قاتل قتل کرنے کو — جھکا کر اپنی گردن ہم بھی مقتل میں سنبھل بیٹھے
ہجوم بے خودی میں اب کہاں پاس ادب ہم کو — جو اٹھے بے طرح اٹھے جو بیٹھے بے محل بیٹھے
ہماری جنبش لب کو خدا جانے وہ کیا سمجھے — کہ آنکھیں پھیر لیں ہو کر خفا تیور بدل بیٹھے
ظرافت دیکھیے تسلیم دل خستہ بھی پیری میں — ہنرمندوں کے آگے پڑھتے ہیں اپنی غزل بیٹھے

رک رک کے دم پیری دم آنے کو کیا کہیے — جینے کا یہ عالم ہے مرجانے کو کیا کہیے
دشوار تھی جنبش بھی بیمار محبت کو — اس ضعف میں دنیا سے اٹھ جانے کو کیا کہیے
وعدہ تھا کہ آئیں گے آئے تو پس مردن — اس وعدے کو کیا کہیے اس آنے کو کیا کہیے

انتخاب دیوان

حسرت موہانی

ردیف الف

لاؤں کہاں سے حوصلہ آرزوئے سپاس کا　　جبکہ صفات یار میں دخل نہ ہو قیاس کا
عشق میں تیرے دل ہوا ایک جہانِ بے خودی　　جان خزینہ بن گئی حیرت بے قیاس کا
رونق پیرہن ہوئی خوبیٔ جسم نازنیں　　اور بھی شوخ ہوگیا رنگ ترے لباس کا
لطف و عطائے یار کی عام ہیں بس کہ شہرتیں　　قلب گناہ گار میں نام نہیں ہراس کا
طے نہ کسی سے ہوسکا تیرے سوا معاملہ　　جان امیدوار کا حسرت محو یاس کا

حسن بے پروا کو خود بیں و خودآرا کردیا　　کیا کیا میں نے کہ اظہار تمنا کردیا
بڑھ گئیں تم سے تو مل کر اور بھی بیتابیاں　　ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کردیا
عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں میں مرتبے　　مہر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کردیا

کیوں نہ ہوں تیری محبت سے منور جان و دل — شمع جب روشن ہوئی گھر میں اجالا کر دیا
سب غلط کہتے تھے لطف یار کو وجہ سکوں — درد دل اس نے تو حسرت اور دونا کر دیا

رنگ سوتے میں چمکتا ہے طرحداری کا — طرفہ عالم ہے ترے حسن کی بیداری کا
مایۂ عشرت بیحد ہے غم قید وفا — میں شناسا بھی نہیں رنج گرفتاری کا
جور پیہم نہ کرے شان توجہ پیدا — دیکھ بدنام نہ ہو نام ستمگاری کا
ہیں جو اے عشق تری بے خبری کے بندے — بس ہو ان کا تو نہ لیں نام بھی ہشیاری کا
کٹ گیا قید میں ماہ رمضاں بھی حسرت — گرچہ سامان سحر کا تھا نہ افطاری کا

تجھ سے وہ ملا شوق سے اور تو نے نہ جانا — حسرت کو ابھی یاد ہے تیرا وہ زمانا
ہے ایک در پیر مغاں تک تو رسائی — ہم بادہ پرستوں کا کہاں اور ٹھکانا
مخصوص غم عشق ہیں ہم لوگ ہمارا — اچھا نہیں اے گردش افلاک ستانا
صد شکر غم ہردو جہاں سے ہے وہ فارغ — جو دل ہے ترے تیر محبت کا نشانا
آتی ہے تری یاد سو حسرت کو شب غم — ہر بار اسے افسانۂ دل کہہ کے سنانا

ہم نے کس دن ترے کوچے میں گزارا نہ کیا — تو نے اے شوخ مگر کام ہمارا نہ کیا
ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاریٔ دل — التفات ان کی نگاہوں نے دوبارا نہ کیا
محفل یار کی رہ جائے گی آدھی رونق — ناز کو اس نے اگر انجمن آرا نہ کیا
روبرو چشم تصور کے وہ ہر وقت رہے — نہ سہی آنکھ نے ان کو جو نظارا نہ کیا
گر یہی ہے ستم یار تو ہم نے حسرت — نہ کیا کچھ بھی جو دنیا سے کنارا نہ کیا

ہجوم بے کسی کو وجہ لطف بیکراں پایا — کہ ہم نے آج اس نامہرباں کو مہرباں پایا
ستم سمجھے ہوئے تھے ہم تری بے اعتنائی کو — مگر جب غور سے دیکھا تو اک لطف نہاں پایا
حقیقت نالۂ دل سے کھلی غمہائے پنہاں کی — سنا شور جرس جس نے نشانِ کارواں پایا
ملی عبرت بہت جب رنگ گل کی بے ثباتی نے — چمن میں عندلیب سادہ دل کو شادماں پایا
نہ جائے کوئی میری وضع رسوا پر کہ اے حسرت — کمال عاشقی نے مجھ کو یکتائے زماں پایا

پیہم مجھے پیالۂ مے بھرلا دیا — ساقی نے التفات کا دریا بہا دیا

اضطراب عاشقی پھر کار فرما ہوگیا — صبر میرا ناشکیبائی سراپا ہوگیا
سادگی ہائے تمنا کے مزے جاتے رہے — ہوگئے مشتاق ہم اور وہ خود آرا ہوگیا
بعد مدت کے ملے تو شرم مجھ سے کس لیے — تم نئے کچھ ہوگئے یا میں نرالا ہوگیا
ضبط سے راز محبت کا چھپانا تھا محال — شوق گر پنہاں ہوا غم آشکارا ہوگیا
ہے زبانِ لکھنؤ میں رنگ دہلی کی نمود — تجھ سے حسرت نام روشن شاعری کا ہوگیا

بر سر ناز وہ از راہ کرم پہنچا تھا — شب عجب لطف کا سامان بہم پہنچا تھا
شرح بے مہرئی احباب کروں کیا حسرت — رنج ایسا دل مایوس کو کم پہنچا تھا

یاد کر وہ دن کہ تیرا کوئی سودائی نہ تھا — باوجود حسن تو آگاہ رعنائی نہ تھا
عشق روز افزوں پہ اپنے مجھکو حیرانی نہ تھی — جلوۂ رنگیں پہ تجھ کو ناز یکتائی نہ تھا
دید کے قابل تھی میرے عشق کی بھی سادگی — جبکہ تیرا حسن سرگرم خود آرائی نہ تھا
کیا ہوئے وہ دن کہ محو آرزو تھے حسن و عشق — ربط تھا دونوں میں گو ربط شناسائی نہ تھا
تو نے حسرت کی عیاں تہذیب رسم عاشقی — اس سے پہلے اعتبار شانِ رسوائی نہ تھا

سرگرم ناز آپ کی شان جفا ہے کیا
باقی ستم کا اور ابھی حوصلہ ہے کیا

گر جوشِ آرزو کی ہیں کیفیتیں یہی
میں بھول جاؤں گا کہ مرا مدعا ہے کیا

آتے ہیں وہ خیال میں کیوں میرے بار بار
عشق خدا نما کی یہی ابتدا ہے کیا

چل بھی دیے وہ چھین کے صبر و قرار دل
ہم سوچتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہے کیا

نزدیک بام یار سے ہے نردبان عشق
اے دل یہ جائے حوصلہ ہے دیکھتا ہے کیا

میری خطا پہ آپ کو لازم نہیں نظر
یہ دیکھیے مناسب شانِ عطا ہے کیا

دیکھو جسے ہے راہ فنا کی طرف رواں
تیری محل سرا کا یہی راستہ ہے کیا

حسرت جفائے یار کو سمجھا جو تو وفا
آئینِ اشتیاق میں یہ بھی روا ہے کیا

ہجوم آرزو کی کہہ رہا ہے داستاں سہرا
مگر نوشاہ کے دل کا بنا ہے ترجماں سہرا

سرِ ہر تار سے رنگینیاں جلوے کی پیدا ہیں
چھپائے گا کہاں تک حسن روئے مہوشاں سہرا

ہوا سے ہلتی ہیں لڑیاں کہ قرب روئے روشن سے
وفور شوق میں کرنے لگا جنبانیاں سہرا

رخِ نوشاہ اگر اک گلستانِ حسن و خوبی ہے
تو اس گلشن کے حق میں ہے بہارِ بوستاں سہرا

نمایاں ہوگیا کچھ اور حسرت حسن یار اس سے
نگاہِ شوق سے ناحق ہوا تھا بدگماں سہرا

ادا نہ ہم سے ہوا حق تیری غلامی کا
نصیب شوق رہا داغ ناتمامی کا

بچھی ہیں راہِ تمنا میں سیکڑوں آنکھیں
کہ ناز جلوہ کرے تیری خوش خرامی کا

حضور مجھ پہ نہ ضائع کریں عطا اپنی
کہ مستحق ہوں جفا ہائے التزامی کا

بقدر شوق کہاں تاب التماس ہمیں
لکھیں جواب جو اس نامہ گرامی کا

نہاں نہ ہو کرم یار میں ستم حسرت
عبث نہ کیجیے اظہار شاد کامی کا

شرف حاصل ہے اس جانِ جہاں سے مجھ کو نسبت کا — غلامی کا سہی گر ہو نہ سکتا ہو محبت کا
گروہِ عاشقاں میں جوش ہے شوقِ زیارت کا — ترے کوچہ میں اک ہنگامہ برپا ہے محبت کا
گنہگارانِ امت سے ہے راضی داورِ محشر — کہ ان سے نام چمکے گا ترے حسنِ شفاعت کا
دیارِ عاشقی میں گرم ہے بازارِ رسوائی — جدھر دیکھو ادھر اک ڈھیر ہے جنسِ ملامت کا
یہاں تو اک نئی آباد ہے دنیا محبت کی — کوئی اندازہ کیا کرتا دلِ عاشق کی وسعت کا
ترے عشاق نے ناکام ہو کر کام جاں پایا — ذریعہ بن گئی مایوسی بیحد فراغت کا
وہ کہتے ہیں کہ یہ بیمارِ غم ہے بچ نہیں سکتا — کیا ہے خوب اندازہ انھوں نے میری حالت کا
نظیری طرح حسرت مجھ کو بھی اک آہ کافی ہے — "خلاصہ کس قدر میں نے کیا ہے رنجِ فرقت کا"

تجھ سے گرویدہ اک زمانہ رہا — کچھ فقط میں ہی مبتلا نہ رہا
آپ کو اب ہوئی ہے قدرِ وفا — جب کہ میں لائقِ جفا نہ رہا
حسن خود ہو گیا غریب نواز — عشق محتاجِ التجا نہ رہا
بسکہ نظارہ سوز تھا وہ جمال — ہوشِ نظارگی بجا نہ رہا
حسن کا ناز عاشق کا نیاز — اب تو کچھ بھی وہ ماجرا نہ رہا
عشق جب شکوہ سنجِ حسن ہوا — التجا ہو گئی گلا نہ رہا
ہم بھروسے پہ ان کے بیٹھ رہے — جب کسی کا بھی آسرا نہ رہا
میرے غم کی ہوئی انھیں بھی خبر — اب تو یہ درد لادوا نہ رہا
جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر — نظمِ حسرت میں بھی مزا نہ رہا

اب دل ہے نہ وہ عیشِ فراوانِ تمنا — سب لوٹ لیا یاس نے سامانِ تمنا
اب تک وہی رونق ہے یہ خانۂ دل کی — باقی ہے جو اک شمعِ فروزانِ تمنا
راضی ہیں بنے یا نہ بنے کام ہمارا — ہم لوگ ہیں سرگشتہ و حیرانِ تمنا

اب عشق کو درکار ہے اک عالم حیرت   کافی نہ ہوئی وسعت میدانِ تمنا
آغاز کی روداد تو معلوم ہے حسرت   لیکن نظر آتا نہیں پایانِ تمنا

تر گریۂ حسرت سے ہے دامان تمنا   مجھ سا بھی نہ ہو کوئی پشیمانِ تمنا
ناکامیٔ پیہم سے جو ٹوٹا دلِ عاشق   سب چھوٹ گئے قیدی زندانِ تمنا
پھر تازہ ہوا جوش جنوں فصل گل آئی   پھر شوق ہوا سلسلۂ جنبانِ تمنا
گلگوں نہ ہوئیں اشک ندامت سے وہ آنکھیں   بے صرفہ ہوا خون شہیدان تمنا
امید ہی امید میں رہ جائے نہ حسرت   یوں ہی نہ گزر جائے یہ دوران تمنا

اس حد سے بڑھے کب ہے یہ امکان تمنا   دیدار رخ یار ہے پایان تمنا

ناوک ناز چشم یار میں تھا   زخم جس کا دل فگار میں تھا
فرد ہنگامۂ روزگار میں تھا   دخل جس کو مزاج یار میں تھا
مجھ پہ اب طعن اضطراب ہے کیوں   دل انھیں کے تو اختیار میں تھا
دلربائی کا اک نیا عالم   اس نگاہ کرشمہ بار میں تھا
نذر جان بھی نہ تھی قبول ذہان   دل بیچارہ کس شمار میں تھا
درمیان ہجوم حسرت و یاس   میں بھی اک گوشۂ مزار میں تھا
ہم بھی آخر ہلاک شوق ہوئے   یہی دستور اس دیار میں تھا
اب نہ گل ہیں نہ عندلیب نہ شور   وہ جو ہنگامۂ بہار میں تھا
لوث عصیاں سے پاک تھا وہ خیال   گرچہ قلب گناہگار میں تھا
سرمہ طور میں کہاں وہ اثر   دشت یثرب کے جو غبار میں تھا
آج تک بے قرار ہے حسرت   کیا وہ افسوں نگاہ یار میں تھا

تجھ کو پاسِ وفا ذرا نہ ہوا — ہم سے پھر بھی ترا گلا نہ ہوا
ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی — دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا
کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر — ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
تیرے اس التفات کا ہوں غلام — جو ہوا بھی تو برملا نہ ہوا
مل گئی مجھ کو صبرِ عشق کی داد — وہ جو شرمندۂ جفا نہ ہوا
قانعِ رنجِ عشق تھا حسرت — عیشِ دنیا سے آشنا نہ ہوا

پیرو عشق رہنما نہ ہوا — زاہدِ خشک باخدا نہ ہوا
کون لاتا ترے عتاب کی تاب — خیر گزری کہ سامنا نہ ہوا
تم جفا کار تھے کرم نہ کیا — میں وفادار تھا خفا نہ ہوا
اس پہ آسائشِ بقا ہے حرام — جو تری راہ میں فنا نہ ہوا
لطفِ ساقی تھا بے دریغ مگر — مجھ بلا نوش کا بھلا نہ ہوا
چھڑ گئی جب جمالِ یار کی بات — ختم تادیر سلسلہ نہ ہوا
عشق حسرت کے سب ہوئے قائل — ایک وہ دشمنِ وفا نہ ہوا

لائقِ حزبِ اولیا نہ ہوا — وہ جو بے خوفِ ماسوا نہ ہوا
اس جفا کار سے خدا کی پناہ — جو ترا بندۂ وفا نہ ہوا
خود بخود بوئے یار پھیل گئی — کوئی منت کشِ صبا نہ ہوا
رہ گئی تیرے فقرِ عشق کی شرم — میں جو محتاجِ اغنیا نہ ہوا
سر ترا بارِ دوش ہے حسرت — راہِ حق میں اگر فدا نہ ہوا

شک انھیں مجھ پہ کاروانی کا ۔۔۔ کچھ ٹھکانہ ہے بدگمانی کا
اک مرقع ہے حسن شوخ ترا ۔۔۔ کشمکش ہائے نوجوانی کا
تم جو کرتے تو ہم کو تھا کافی ۔۔۔ اک اشارہ بھی مہربانی کا
کھل گیا ہے ترے جمال سے رنگ ۔۔۔ تیرے ملبوس ارغوانی کا
مرمٹے تجھ پہ ہوگیا حاصل ۔۔۔ مدعا اپنی زندگانی کا
ناوک یار سے ہے دل میں بپا ۔۔۔ ایک ہنگامہ شادمانی کا
سچ تو یہ ہے کہ شعر حسرت بھی ۔۔۔ ایک گنجینہ ہے معانی کا

شوق پوشیدہ کا اظہار نہ ہونے پایا ۔۔۔ داغ دل کوئی نمودار نہ ہونے پایا
دل کچھ اس ڈھب سے لیے اس نے کہ برسوں کوئی ۔۔۔ حال سے اپنے خبردار نہ ہونے پایا
غلبۂ حق کا زمانے میں ہے اک شور بپا ۔۔۔ اس پہ افسوس جو بیدار نہ ہونے پایا
شادماں تھا جو ترے رنج طرب کار سے دل ۔۔۔ غم دنیا سے گرانبار نہ ہونے پایا
وصل میں بھی رہی بیگانگی حزم و حجاب ۔۔۔ راستہ شوق کا ہموار نہ ہونے پایا
اس سلیقے سے کیا رنج کہ دامن ان کا ۔۔۔ خون عشاق سے گلنار نہ ہونے پایا
ہم بھی سمجھیں گے ہوس عشق بتاں کو حسرت ۔۔۔ حل ہو یہ عقدۂ دشوار نہ ہونے پایا

ہر لحظہ ہے تصور اے رشک حور تیرا ۔۔۔ آنکھوں میں نور تیرا دل میں سرور تیرا
فریاد غم نہیں ہے میری دعائے مضطر ۔۔۔ اب نام بھی نہ لوں کیا میں ناصبور تیرا
دنیائے عاشقی میں ہر دم رہے مبارک ۔۔۔ مجھ کو خشوع میرا تجھ کو غرور تیرا
رکھ لے مری بھی یا رب شرم گناہگاری ۔۔۔ ہے پردہ پوش عصیاں رحم اے غفور تیرا
کرکے وہی رہے گا جو دل میں ٹھان لی ہے ۔۔۔ روشن ہے ہم پہ حسرت عزم امور تیرا

جو راہِ غم میں ترا پائمال ہو نہ سکا   وہ باریابِ مقامِ کمال ہو نہ سکا
وہ جب ملے تو مجھے شادمانِ غم پایا   مرے ملال سے ان کو ملال ہو نہ سکا
قبول سب نے وہی کی سنی جو آپ سے بات   کسی کو حوصلۂ قیل و قال ہو نہ سکا
وہ ابتدائے محبت وہ انتہا کے مزے   کہ جن میں پڑ کے خیالِ مآل ہو نہ سکا
حضورِ یار گئے بھی تو کیا ہوا حسرت   سلام کر نہ سکے ہم سوال ہو نہ سکا

یاس کا دل پہ کچھ اثر نہ ہوا   قصۂ شوق مختصر نہ ہوا
حسن کو عشق سے مفر نہ ہوا   لاکھ چاہا کہ ہو مگر نہ ہوا
اشکِ پیہم سے شوقِ بے حد کا   گوشۂ آستیں بھی تر نہ ہوا
مر مٹے ہم کہ دیں وہ دادِ وفا   اور جو اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا
صرفِ عصیاں ہوا وہ لحظۂ عمر   جو تری یاد میں بسر نہ ہوا
کچھ عجب چیز ہے وہ حسنِ عفیف   جو کبھی فتنۂ نظر نہ ہوا
رہ گئی شرم بے کسی حسرت   مجھ پہ احسانِ اہلِ زر نہ ہوا

لطف تو نے جو کیا بھی تو عجب کام کیا   دلِ دیوانہ کو سرگشتۂ اوہام کیا
بھر گئی نور سے تاریک شبِ ہجراں   جلوہ اس روئے رنگیں نے جو سرِ بام کیا
ہوس و عشق میں کچھ فرق نہ رکھا تو نے   غمزۂ خاص کو بدنام کیا عام کیا
بڑھ گئی آج امیری سے فقیری اپنی   کہ شہِ حق نے مجھے داخلِ خدام کیا
کچھ محبت بھی عجب شے ہے کہ حسرت سا غیور   اور اسے آپ نے خوکردۂ دشنام کیا

دلِ مایوس کو گرویدہ گفتار کر لینا   وہ ان کا پردۂ انکار میں اقرار کر لینا
سکونِ یاس بھی ممکن نہیں اب ہم غریبوں کو   قیامت ہے کسی کا وعدۂ دیدار کر لینا

ستم سے وہ نہ باز آئے تو ہم پر بھی ہوا لازم
دل مجبور کو خوکردۂ آزار کر لینا
حصولِ رحمت حق کے لیے کافی ہے محشر میں
گلِ عصیاں کو زیب طرۂ دستار کر لینا
یہ کیا ایذا پسندی ہے کہ حسرت عشق جاناں میں
تجھے ہر عقدۂ آسان کو بھی دشوار کر لینا

بجا ہے عاشقی میں ہم کو دعویٰ سرفرازی کا
کہ نکلا ہے ہمیں سے نام تیری دلنوازی کا
رہے گا حشر تک افسانہ باقی عشق بازوں میں
ہماری جانفشانی کا تمہاری بے نیازی کا
ملا ہے سلسلہ حسنِ حقیقی سے مجازی کا
مٹا کر مجھ کو تکلیفیں مٹا دیں سب محبت کی
ادا اس بے وفا نے کر دیا حق چارہ سازی کا
نظر بازی کی حسرت خوبری ہے ورنہ لوگوں میں
بہت شہرا سنا تھا ہم نے تیری پاکبازی کا

ایمان و اتقا ہی نہیں شان اولیا
بے حزن و خوف غیر بھی ہے جان اولیا
اسلام بے مثال ہے اسلامِ عاشقاں
ایمان بے نظیر ہے ایمان اولیا
اسلام عاشقاں کی اگر ہے طلب تجھے
اے دل بگیر دامنِ سلطان اولیا
آئی ہوئی رضائے الٰہی کی ہے برات
سب کربلا میں جمع ہیں مہمان اولیا
گلگوں لباس خون شہادت پہن کے آج
دولہا بنے گا وہ شہ خوبانِ اولیا
روشن ہے نور صبر و سکون سے سوادِ شام
تاباں ہے صبح عشق درخشانِ اولیا
زنجیر و طوقِ ظلم کا عابد کو غم نہیں
ہم رنگ بزم عیش ہے زندانِ اولیا
صبر و صلوٰۃ عشق سے ہیں سب کے دل قوی
ثابت قدم ہیں سارے مریدانِ اولیا
ہر سو عیاں ہے صنعت اللہ کی بہار
رونق پہ ہے خزاں میں بھی بستانِ اولیا
جانیں ہوئی ہیں جن کی رہ شوق میں نثار
حاشا جو ہوں فنا وہ محبانِ اولیا
حسرت حسین ابن علی کا ہوں میں غلام
حاصل ہے مجھ کو فضل نمایانِ اولیا

بام پر آنے لگے وہ سامنا ہونے لگا ... اب تو اظہار محبت برملا ہونے لگا
اب غریبوں پر بھی ساقی کی نظر پڑنے لگی ... بادۂ پس خوردہ ہم کو بھی عطا ہونے لگا
میری رسوائی سے شکوہ ہے یہ ان کے حسن کو ... اب جسے دیکھو وہ میرا مبتلا ہونے لگا
کچھ نہ پوچھو حال کیا تھا خاطرِ بیتاب کا ... ان سے جب مجبور ہو کر میں جدا ہونے لگا
شوق کی بیتابیاں حد سے گزر جانے لگیں ... وصل کی شب وا جو وہ بند قبا ہونے لگا
غیر سے مل کر انھیں ناحق ہوا میرا خیال ... مجھ سے کیا مطلب بھلا میں کیوں خفا ہونے لگا
کیا ہوا حسرت وہ تیرا ادعائے ضبطِ غم ... دو ہی دن میں رنجِ فرقت کا گلا ہونے لگا

•

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سے نخوت کے سوا ... شغل بیکار ہیں سب ان کی محبت کے سوا
دے سکا کوئی نہ دہری کے وساوس کا جواب ... تیرے وارفتۂ دیوانہ طبیعت کے سوا
کون رکھے گا ترے غم سے دل و جاں کو عزیز ... کچھ نہیں اور جب اس رنج میں راحت کے سوا
قول زاہد کو غلط ہم نہیں کہتے ہیں مگر ... اور کچھ ہو بھی شریعت میں طریقت کے سوا
حشر میں تابِ جہنم سے مفر اور کہاں ... اہلِ عصیاں کو ترے سایۂ رحمت کے سوا
نورِ عرفاں کی عبث ہے دلِ زاہد میں تلاش ... اور یاں خاک نہیں خواہش جنت کے سوا
اس کی بات اور ہے پائیں جو ہم اس میں بھی مزا ... آپ نے تو نہ دیا کچھ بھی اذیت کے سوا
اہلِ ظاہر نہ کریں کوچۂ باطن کی تلاش ... کچھ نہ پائیں گے وہاں رنج و مصیبت کے سوا
علم و حکمت کا جنھیں شوق ہو آئیں نہ ادھر ... کچھ نہیں فلسفۂ عشق میں حیرت کے سوا
سب سے منہ موڑ کے راضی ہیں تری یاد سے ہم ... اس میں اک شانِ فراغت بھی ہے راحت کے سوا
عقل حیران ہے اے جانِ جہاں راز ترا ... کون سمجھے دلِ دیوانۂ حسرت کے سوا

دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھا کرنا ... شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا
اک نظر بھی تری کافی تھی پئے راحتِ جاں ... کچھ بھی دشوار نہ تھا مجھ کو شکیبا کرنا

شام ہو یا کہ سحر، یاد انھیں کی رکھنی   دن ہو یا رات ہمیں ذکر انھیں کا کرنا
صوم زاہد کو مبارک رہے عابد کو صلوٰۃ   عاصیوں کو تری رحمت پہ بھروسا کرنا
عاشقو حسنِ جفا کار کا شکوہ ہے گناہ   تم خبردار خبردار نہ ایسا کرنا
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہے حسرت   ان سے مل کر بھی نہ اظہار تمنا کرنا

شکوۂ تنجی کے عوض میں نے بھی یہ خوب کیا   کیا کیا شکر جفا سے انھیں محجوب کیا
جان پر غم نے بھی الزام لگایا نہ انھیں   یاس کو خوبیٔ تقدیر سے منسوب کیا
مشترک دونوں میں ایک بات خدا نے رکھی   طالب شوق مجھے آپ کو مطلوب کیا
مال کیا شے ہے جسے آپ سے رکھیں گے دریغ   جبکہ ہم نے دل و دیں کو بھی نہ محبوب کیا
سخت محروم ادب ہے دل حسرت نے اگر   بے وفائی سے ترے جور کو منسوب کیا

نظر پھر نہ کی اس پہ دل جس کا چھینا   محبت کا یہ بھی ہے کوئی قرینا
وہ کیا قدر جانیں دلِ عاشقاں کی   نہ عالم نہ فاضل نہ دانا نہ بینا
بہا دیں وہاں خون اپنا جہاں ہم   ترے حسن کا گرتے دیکھیں پسینا
بہار آئی سب شادماں ہیں مگر ہم   یہ دن کیسے کاٹیں گے بے جام و مینا
جدا جب کہ ہیں تجھ سے اے راحت جاں   ہمارا برابر ہے جینا نہ جینا
مٹے عیب سب عشق بازی میں حسرت   نہ بغض و حسد ہے نہ غصہ نہ کینا

ردیف ب

اک خلش ہوتی ہے محسوس رگِ جاں کے قریب   آن پہنچے ہیں مگر منزلِ جاناں کے قریب
حشر میں اپنے گناہوں سے مجھے خوف ہو کیا   ان کی رحمت بھی تو ہے منزلِ عصیاں کے قریب
لپٹے اس ڈھب سے کہ پھر ہو نہ جدا خاک مری   کبھی پہنچے بھی تو اس گوشۂ داماں کے قریب
لکھنؤ آنے کا باعث یہ کھلا آخر کار   کھینچ لایا ہے دل اک شاہدِ پنہاں کے قریب

وہ جو ہیں پاس تو مجلس بھی ہے اک باغ بہیں کامرانی بھی نمودار ہے حرماں کے قریب
روز ہو جاتی ہے رویا میں زیارت حسرت آستان شہ رزاق رہے زنداں کے قریب

صحبت اہل عشق و شغل شراب تھا یہی مقتضائے عہد شباب
کس قدر سبز و تر ہے کشتِ خیال گریۂ انتظار سے شاداب
غیر پر دیکھ کر کرم تیرا ہوگئی جان آرزو بیتاب
عشق سے ہے کہاں روا اے حسن اس قدر اہتمام شرم و حجاب
جان بھی دی پیام شوق کے ساتھ ہم نے کھینچا نہ انتظار جواب
مذہب عشق ہی پرستش حسن ہم نہیں جانتے عذاب و ثواب
ہے میرے شوق بیکراں کا شمار نہ تری شرم ناروا کا حساب
لطف جاناں ہے جور کی تمہید دیکھ حسرت نہ کھا فریب سراب

وصل میں بھی تو رہی ہے دل کی شانِ اضطراب عیش حاصل ہو رہا ہے رائیگان اضطراب
شوق بے حد کے ارادوں سے ہے واقف نازِ حسن شرمِ خوباں سب سمجھتی ہے زبانِ اضطراب
رحم سے بیگانہ ہے تمکین بے پروائے دوست کر چکے ہیں بارہا ہم امتحان اضطراب
حوصلے اب تک وہی ہیں خاطر بیتاب کے ناتوانی میں بھی ہے باقی توانِ اضطراب
اب ملے گا جلد حسرت ساحل بحر فنا کشتی غم میں لگا ہے بادبان اضطراب

جانؔ کو صبر ہے نہ دل کو ہے تاب تو نہیں ہے تو زندگی ہے خراب
دانش ہرزہ کوش ہے ناکام عشق درکار ہے ورائے حجاب
ہجر ساقی میں گریہ سحری خوب ہوگا بجائے شغل شراب

مرمٹیں آرزوئے یار میں ہم ہے یہی عاشق کا لب لباب
میکدے میں ہے اک بپا حسرت محشر نائے و نوش و چنگ و رباب

ردیف ت

جانفزا تھی کس قدر یارب ہوائے کوئے دوست بس گئی جس سے مشام آرزو میں بوئے دوست
بے خودی میں اب نہیں کچھ امتیاز وصل و ہجر رات دن پیش نظر ہے جلوۂ نیکوئے دوست
ہوچکی اب ہم گرفتاران فرقت کو نصیب آہ وہ خوشبو کہ تھی پروردۂ گیسوئے دوست
بن گئی محفل کی محفل اک طلسم بے خودی چل گیا آخر فسوں نرگس جادوئے دوست
شعر حسرت ہم نے یہ مانا کہ نازک ہے بہت اس سے بھی کچھ بڑھ کے نازک ہے مگر خوشبوئے دوست

جو ناز حسن سے کی تھی کبھی غرور کی بات سو آج تک ہے مجھے یاد وہ حضور کی بات
بڑیہ جاکے ہوا ختم سلسلہ اس کا چلی جو اہل خرابات میں سرور کی بات
نہ پوچھیے کہ ہوئی حسن کی عجب حالت سنی جو پہلے پہل عشق ناصبور کی بات
ملے بھی وہ تو غرور جمال نے نہ سنی زبان دل سے تمنائے بے شعور کی بات
وہ بے سبب ہیں خفا مجھ سے کیا کہوں حسرت مجھے تو یاد نہیں ہے کوئی قصور کی بات

آج سن کر میرے نالوں کو زراہ التفات زیرلب اس نے بھی کھینچی ایک آہ التفات
کم نگاہی عشق سے ہے فرض کیش دلبری حسن سے کیونکر ہو پھر سرزد گناہ التفات
دوستی اس فتنہ دوراں کی ہے یا دشمنی جان برباد کرم ہے دل تباہ التفات
ہیں دل عشاق جب آگاہ رسم حسن و عشق بے رخی ہے ان کی ناحق عذر خواہ التفات
شوق کا حسن عقیدت دیکھنا اکثر ہوا تیری بے پروائیوں پر اشتباہ التفات
ہے مجھے کافی تبسم اس نگاہ ناز کا ہو رقیبوں کو مبارک قاہ قاہ التفات
ہے دل دیوانہ حسرت ہلاک آرزو اس طرف بھی اے ستم گر اک نگاہ التفات

مجھ کو اس جانِ جاں سے کیا نسبت　　خار کو ضمیراں سے کیا نسبت
پایۂ عرش ہے بلند مگر　　آپ کے آستاں سے کیا نسبت
خاکِ یثرب کی سرفرازی کو　　پستیِ آسماں سے کیا نسبت
ذرّۂ خاکِ راہِ یار ہوں　　مجھ کو شوقِ جناں سے کیا نسبت
لاابالی مزاج حسرت کو　　فکرِ سود و زیاں سے کیا نسبت

ردیف ث

نامرادی کا دلِ زار کو شکوا ہے عبث　　اور کچھ اس کے سوا ان سے تمنا ہے عبث
واقفِ رحم نہیں اس شہِ خوباں کی نظر　　عاشقِ مملکتِ حسن میں رسوا ہے عبث
حالِ دل ان سے نہ پوشیدہ رہا ہے نہ رہے　　اب تو اس رازِ نمودار کا اخفا ہے عبث
مستِ غفلت ہے وہ ظالم جو نہیں بے خودِ عشق　　ہوشیاری کا ترے دور میں دعوا ہے عبث
ہم کو اس شوخ سے امیدِ کرم ہے لیکن　　یاس کہتی ہے کہ حسرت یہ تمنا ہے عبث

ردیف ج

رنگ یہ لایا ہجومِ ساغر و پیمانہ آج　　بھر گئی سیرابیوں سے محفلِ رندانہ آج
رشک سے مٹ مٹ گئے ہم تشنہ کامانِ وصال　　جب ملا لبہائے ساقی سے لبِ پیمانہ آج
ہے فروغِ بزمِ یکتائی جو وہ شمعِ جمال　　آ گئی ہے دل میں بھی بیتابیٔ پروانہ آج
حسرتیں دل میں ہوئی جاتی ہیں پامالِ نشاط　　ہے جو وہ جانِ تمنا رونقِ کاشانہ آج
غرق ہے رنگینیوں میں مستیوں سے چور چور　　ہے سراپا بے خودی وہ نرگسِ مستانہ آج
دیکھیے اب رنگ کیا لائے وہ حسنِ دلفریب　　آئینہ پیشِ نظر ہے ہاتھ میں ہے شانہ آج
میں ہی اے حسرت نہیں محوِ جمالِ روئے یار　　پڑ رہی ہیں سب نگاہیں اس پہ مشتاقانہ آج

وصل کی رات عزّی کا رواج　　شوق کا آج عرش پر ہے مزاج
چھپ گئے سب ستارگان کمال　　کہ عرب سے ہوا طلوع سراج
لائے ہیں عاشقان باج گزار　　نذر حسرت کو آنسوؤں کا خراج

ردیف ح

اے غم عشق اے متاع فلاح　　اہل دل کیوں نہ ہوں ترے مداح
ہم کو صبر و سکوں نہیں درکار　　دل مضطر کی بھی یہی ہے صلاح
ہم بھی مشتاق ہیں شہادت کے　　اے تجھے خون اہل شوق مباح
غم ترا مایہ سرور قلوب　　یاد ہے تیری مونس ارواح
اب کہاں ہجریار میں حسرت　　لذت اکلِ شام و شرب صباح

قبول ستم سے ہے انکار صالح　　کروں کیوں نہ میں اس کا اقرار صالح
رضاکاری حق پہ رحمت خدا کی　　اسی کا ہوں میں اک طلبگار صالح
بہت ہم نے دیکھے ہیں عباد فاجر　　بہت ہم نے پائے ہیں فجار صالح
مصائب کی برداشت روز جفا میں　　اسی کو تو کہتے ہیں ایثار صالح
ولایت کا دعویٰ نہیں مجھ کو لیکن　　ہے اتنا کہ ہوں اک گنہگار صالح
میں بیزار ہوں عقل ساکن ہے حسرت　　دل مضطرب ہے مرا یار صالح

عشق میں ہیچ ہے پابندی برہاں کی صلاح　　ماننا چاہیے ہم کو دل ناداں کی صلاح
دل بھی راضی ہے کہ آلودۂ فریاد نہ ہو　　ہم بھی خوش ہیں کہ یہی ہے غم پنہاں کی صلاح
جان افگار پہ طاری ہوئی رقت کیا کیا　　آبلوں سے جو سنی خار مغیلاں کی صلاح
درپئے عشق رہی خاطر دشوار پسند　　نہ سنی ہم نے کسی خواہش آساں کی صلاح

موسم گل میں عجب کیا ہے اگر مان گیا — شوق پیمانہ طلب سستی پیمانہ کی صلاح
کیسے کہہ دوں کہ میں اب بھی نہ پیوں گا حسرت — حکم ناصح تو نہیں ساقی دوراں کی صلاح

ردیف خ

خون، ہجراں سے اپنی دیکھ کر گلوار سرخ — ہو گئی مارے ندامت کے جبین یار سرخ
آشکارا ہے جہاں میں ہر طرف رنگ بہار — سبز و تر ہے صحن گلشن دامن کہسار سرخ
دیکھیے کس کس کو اعزاز شہادت ہو نصیب — آج نکلا ہے بدل کر رنگ وہ عیار سرخ
اس قدر کیں مستیاں ہم بادہ خواروں نے کہ آج — ہو گیا سب رنگ مے سے خانۂ خمار سرخ
مل گیا حسرت شہیدان وفا کا خون بہا — ہو گئی ہیں روتے روتے ہر دو چشم یار سرخ

ردیف د

دشوار ہے اے ملامت اے پسند — ہوں اہل جنوں خرد کے پابند
شرمندۂ جور ہو نہ وہ شوخ — ارباب وفا ہیں یوں بھی خرسند
زیبائش فرق عاشقی ہے — دستار جنوں میں غم کا پیوند
سیکھا ہے کہاں سے اے لب یار — یہ شیوۂ دل کش شکر خند
مہمان فراق ہے تری یاد — بے خود ہے خیال آرزو مند
بے صبر و سکوں سے کام حسرت — آئین وفا کی تجھ کو سوگند
یہ ماتم روز وصل تاکے ق — یہ گریۂ بے قرار تاچند

مجبور مجھ کو جان کے عہد وفا کے بعد — بے مہریاں وہ کرنے لگے التجا کے بعد
اہل رضا کی جان ہے اتنی سی یہ امید — کچھ اور بھی ہے اس ستم برملا کے بعد
مجبوئ سوال سے اس چشم ناز میں — منظوریوں کا رنگ عیاں ہے حیا کے بعد
افزوں ہوئیں کچھ اور محبت کی شورشیں — تجدید آرزو جو ہوئی التوا کے بعد
دامان صبر ہاتھ سے حسرت نہ دیجیو — گر خواہش طرب ہے ہجوم بلا کے بعد

وقفِ حق ہے نہیں مرید مراد — طاعتِ عاشقانِ پاک نژاد
دلِ پس ماندگاں نہ ہو ناشاد — چل رہی ہے ہنوز بادِ مراد
بڑھ گیا حسن کا تغافلِ ناز — یہ ملی میرے صبر شوق کی داد
ان کو تھی میرے حالِ دل پہ نظر — آہ اس عہد التفات کی یاد
بڑھ گیا راہِ عاشقی میں جنوں — رہ گئے صاحبانِ بست و کشاد
کچھ نہیں ہے تری رضا کے سوا — خواہشِ عاشقِ خجستہ نہاد
اصل اصلاح ہے وہی حسرت — جس کو سمجھے ہیں اہلِ جور فساد

غم سے نہیں ایک دل بھی آزاد — فریاد ز دستِ عشق فریاد
عاشق ہوئے اور مر مٹے ہم — اپنی تو یہ مختصر ہے روداد
ہوگا کسے جان دینے میں عذر — ارشاد اور آپ کا پھر ارشاد
جاں باز ہے عشق حسن دل بر — یہ دونوں امور ہیں خداداد
احرار وطن پرست و حق کوش ق — تھا جن سے دیارِ صدق آباد
سب ہوگئے بند، ایک حسرت — باقی ہے "ابوالکلام" آزاد

انھوں نے پھیر دیا خط یونہیں سلام کے بعد — بڑھا کے میرا تخلص بھی میرے نام کے بعد
شراب رندوں میں آئی مہِ صیام کے بعد — بڑے تزک سے بڑی شانِ اہتمام کے بعد
ہجومِ شوق میں کیوں ہوں نہ اضطراب کے رنگ — کہ یاسِ شب ہے یقینی امید شام کے بعد
کمالِ شوق کو آتے ہیں ناتمام نظر — تمام شوق تری خواہشِ تمام کے بعد
نہ ہو ابھی مگر آخر تو ہوگی قدر مری — کھلے گا حالِ غلام آپ پہ غلام کے بعد

سرورِ بخشِ دل و جاں ہے بزمِ ساقی میں　　بہارِ جلوۂ مینا نمودِ جام کے بعد
ہوئی یہ کثرتِ اربابِ اشتیاق کہ اب　　پڑے ہیں سوچ میں حسرت وہ اذنِ عام کے بعد

ردیف ذ

کچھ دردِ دل سے بڑھ کے ہے دردِ جگر لذیذ　　تجھ سے ہیں جتنے درد وہ سب ہیں مگر لذیذ
جانِ حزیں کو بھول گئی تلخیٔ فراق　　کچھ اس قدر ہے گریۂ وقتِ سحر لذیذ
اشکِ وفا سے دامنِ حسرت ہو لالہ رنگ　　پی جائے گر نہ پاکے انھیں چشمِ تر لذیذ

نامہ شوق کے اندر جو نہاں ہے کاغذ　　ورقِ سادۂ حسرت ہے کہاں ہے کاغذ
بسکہ تھا اس میں رقم خواہشِ دیدار کا حال　　چہرۂ یار کی جانب نگراں ہے کاغذ
خط نہ لکھنے کا نیا عذر یہ نکلا حسرت　　جنگِ یورپ میں وہ کہتے ہیں گراں ہے کاغذ

ردیف ر

اب تو اٹھ سکتا نہیں آنکھوں سے بارِ انتظار　　کس طرح کاٹے کوئی شبہائے تارِ انتظار
میری آہیں نارسا میری دعائیں ناقبول　　یا الٰہی کیا کروں میں شرمسارِ انتظار
راہ تیری اس قدر دیکھی کہ اے غفلت شعار　　میری آنکھیں بن گئیں سرمایہ دارِ انتظار
ان کے خط کی آرزو ہے ان کی آمد کا خیال　　کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبارِ انتظار
ہے دلِ سرورِ حسرت اک طرب زارِ امید　　پھونک ڈالے گر نہ اس گلشن کو نارِ انتظار

عشق کی روحِ پاک کو تحفۂ غم سے شاد کر　　اپنی جفا کو یاد کر میری وفا کو یاد کر
جان کو محوِ غم بنا دل کو وفا نہاد کر　　بندۂ عشق ہے تو یوں قطعِ رہِ مراد کر
غمزۂ دل فریب کو اور بھی جانفزا بنا　　پیکرِ نازِ حسن پہ رنگِ حیا زیاد کر
خرّیِ دو روزہ کو عشرتِ جاوداں نہ جان　　فکرِ معاش سے گزر حوصلۂ معاد کر
اے کہ نجاتِ ہند کی دل سے ہے تجھ کو آرزو　　ہمتِ سربلند سے یاس کا انسداد کر

قول کو زید و عمر کے حد سے سوا اہم نہ جان ق روشنی ضمیر میں عقل سے اجتہاد کر
حق سے بعذر مصلحت وقت پہ جو کرے گریز اس کو نہ پیشوا سمجھ اس پہ نہ اعتماد کر
غیر کی جد و جہد پر تکیہ نہ کر کہ ہے گناہ کوشش ذات خاص پر ناز کر اعتماد کر

غضب ہے کہ پابند اغیار ہوکر مسلمان رہ جائیں یوں خوار ہوکر
اٹھے ہیں جفا پیشگان مہذب ہمارے مٹانے پہ تیار ہوکر
تقاضائے غیرت یہی ہے عزیزو کہ ہم بھی رہیں ان سے بیزار ہوکر
کہیں صلح و نرمی سے رہ جائے دیکھو نہ یہ عقدۂ جنگ دشوار ہوکر
وہ ہم کو سمجھتے ہیں احمق جو حسرت وفا کے ہیں طالب دلآزار ہوکر

صبر مشکل ہے ضبط ہے دشوار دل وحشی ہے اور جنون بہار
کشمکش میں ہے کامرانی شوق مجھ کو ابرام ہے انھیں انکار
دل مایوس میں ہے نقش امید یا مسافر کوئی غریب دیار
لطف کر لطف اے سراپا ناز ق تجھ پہ رنگینیٔ بہار نثار
دل عشاق ہیں امید کے جام بادۂ اشتیاق کے سرشار
اے تری ذات مجمع ضدین حسن سب نور ہے تو خوب نار
غیر ممکن ہے ہم سے طاعت غیر اے جفا کار اے غریب آزار
روح آزاد ہے خیال آزاد جسم حسرت کی قید ہے بیکار

شکن جب سے دیکھی ہے اُن کی جبیں پر عجب صدمہ ہے جان اندوگیں پر
کچھ آئی تو ہے ترک مے پر طبیعت نہ مچلے جو رنگینیٔ ساتگیں پر
مرے گریۂ خون کی سب لالہ کاری نمودار ہے دامن و آستیں پر

تماشائے خوباں سے اتنا تغافل
صد افسوس اس زہد خلوت نشیں پر
نثار اس پہ حسرت مری جان شریں
تبسم جو ہے اس لب شکریں پر

چھپ نہیں سکتی چھپانے سے محبت کی نظر
پڑ ہی جاتی ہے رخ یار پہ حسرت کی نظر
یونہیں گرویدہ نہیں کچھ تری صورت کی نظر
مگر اس رنگ میں جویا ہے حقیقت کی نظر
گرچہ ہے پردۂ انکار میں ہمشکل عتاب
پھر بھی ہے صاف نمایاں وہ اجازت کی نظر
حسن کا راز نہ پوشیدہ رہا ہے نہ رہے
چاہنے والے بھی رکھتے ہیں قیامت کی نظر
ہجر میں رہنے لگیں اور بھی کچھ یاد ہمیں
وہ مراعات کی باتیں وہ مروت کی نظر
آسرا ہم بھی لگائے ہوئے بیٹھے ہیں ترا
اس طرف بھی کوئی ہو جائے عنایت کی نظر
ہو کے غلطیدۂ خون تجھ کو مبارک حسرت
ان کی رحمت کے یہ انداز یہ رافت کی نظر

پوچھا بھی تو اس نے نہ کبھی گھر سے نکل کر
شرمندہ ہیں نالے دل مضطر سے نکل کر
پائی ہے جگہ پاکئ دامانِ نظر میں
خوشبوئے حیا نے تری چادر سے نکل کر
دیکھا جو کہیں گرمِ نظر بزم عدو میں
وہ ڈانٹ گئے مجھ کو برابر سے نکل کر
پر نور کیا خوب شہیدوں کے دلوں کو
چاہت کی چمک نے ترے خنجر سے نکل کر
بن جاتی ہے دل میں خلش خار تمنا
جھنکار ترے پاؤں کے زیور سے نکل کر

کیا کریں خو سے ہیں مجبور کہ پینا ہے ضرور
ورنہ حسرت رمضاں کا یہ مہینا ہے ضرور
بے خودی بزمِ خرابات میں ہے وجہ سکون
اک مگر کشمکش ساغر و مینا ہے ضرور
شوق جس کا نہیں ممکن دلِ دانا کے بغیر
اس کے دیدار کو بھی دیدۂ بینا ہے ضرور
ترک مے سے ہمیں انکار نہ ہوتا لیکن
اب جو ناصح کو ہے ابرام تو پینا ہے ضرور
تیری گفتار سے پیدا ہے کہ اے حسرت زار
دل ترا درد محبت کا خزینہ ہے ضرور

عاشق پیشہ ہے اے دل تو یہ بیداد نہ کر ستم یار سے بھی شاد ہو فریاد نہ کر
دیکھ اس جلوۂ پنہاں کی زیارت ہے دل ہمت شوق کو بے فائدہ برباد نہ کر
بے پروبال کہاں چھوٹ کے جائیں صیاد ہم اسیران وفا کوش کو آزاد نہ کر
یہ بھی حسرت کوئی تدبیر سکون ہے کیا خوب دل بیتاب سے کہتے ہو انھیں یاد نہ کر

ردیف ز

تیر غم کا ہے دل نشانہ ہنوز شیوۂ جاں ہے عاشقانہ ہنوز
دل میں اب تک ہے عیش وصل کی یاد لب پہ ہے شوق کا ترانہ ہنوز
آہ وہ ماجرائے راز و نیاز جس کا باقی ہے اک فسانہ ہنوز
عشق تھا باریاب خدمت حسن ہم کو ہے یاد وہ زمانہ ہنوز
شوق کے در پہ ہیں ابھی سے ہجوم یار ہے اندرون خانہ ہنوز
سرخی چشم یار سے ہے عیاں اثر مستی شبانہ ہنوز
نغز گوئی کی شان میں حسرت تیرے اشعار ہیں یگانہ ہنوز

وہ قامت بلند نہیں در قبائے ناز اک سرو ناز ہے جو نیا ہو برائے ناز
اس نازنیں پہ ختم ہیں سب شیوہائے ناز جس کو بنا کے خود بھی ہے نازاں خدائے ناز
کیا کیا نہ آرزو کے بڑھیں دل میں حوصلے رکھ دیں کبھی جو فرق ہوس پر وہ پائے ناز
ارباب اشتیاق ہیں اور انتہائے شوق حالانکہ حسن یار ہے اور ابتدائے ناز
ہم پر نگاہ یار سے گزرا جو تھا کبھی ہے آج تک وہ پیش نظر ماجرائے ناز
کچھ یونہیں اپنے حسن پہ مغرور تھا وہ شوخ کچھ لے اڑی ہے اور بھی اس کو ہوائے ناز
اہل نظر کی جان ہے جس چیز پر نثار ایک بات ان میں اور بھی کچھ ہے سوائے ناز
پھیلی جو ان کے برق تبسم کی روشنی لبریز نور ہوگئی یکسر فضائے ناز

حیرانِ کارِ حسنِ بتاں ہے زبانِ عشق　　یعنی وہ مدحِ غمزہ کرے یا ثنائے ناز
شوقِ لقائے یار میں مرتے تو ہو مگر　　حسرت جو نقدِ جاں بھی نہ ٹھہرے بہائے ناز

ردیف س

ہے غضب ہنگامۂ فصلِ بہار اب کی برس　　دل پہ کاہے کو رہے گا اختیار اب کی برس
ہے جنونِ شوق ابھی سے بے قرار اب کی برس　　کیا غضب ڈھائے گا طوفانِ بہار اب کی برس
فرقتِ ساقی میں ہم حسرت کشانِ بادہ سے　　مل کے رویا خوب ابرِ نو بہار اب کی برس
مدتیں ترکِ محبت کو ہوئیں پھر اے عجب　　یادِ یار آتی ہے کیوں بے اختیار اب کے برس
حسرتِ شوریدہ سر ہے پائمالِ اشتیاق　　اس طرف بھی کر گزر اے شہسوار اب کی برس

اور تو کیا ہے ترے عاشقِ بیمار کے پاس　　ایک ترا دردِ سودہ بھی ہے دلِ زار کے پاس
قابلِ سیر نہیں گلشنِ دنیائے دنی　　شاہدِ گل ہے جہاں خاک بسر خار کے پاس
مے پرستوں کو رہا پھر نہ کسی بات کا ہوش　　بوئے مے کچھ تھی عجب خانۂ خمار کے پاس
اک ترے عشق کی دولت ہے مرے پاس وہ شے　　جو نہ اخیار کے ہے پاس نہ ابرار کے پاس
رشک اس طرۂ گیسو پہ ہیں کیا کیا مجھ کو　　وہ لٹکتا جو پڑا ہے ترے رخسار کے پاس
رحمتِ حق کے لیے عذر نہیں اور کوئی　　شرمِ عصیاں کے سوا جانِ گنہگار کے پاس
کیا کیا تو نے یہ حسرت کہ دل اپنا چھوڑا　　ایسے عیار ستمگار جفا کار کے پاس

بس کہ نکلی نہ کوئی جی کی ہوس　　اب ہوں میں اور بے دلی کی ہوس
پھرتی رہتی ہے آدمی کو لیے　　خوار دنیا میں آدمی کی ہوس
ان کو دیکھا ہے جب سے گرمِ عتاب　　آرزو کو ہے خودکشی کی ہوس
کر سکیں بھی تو ہم فقیر ترے　　نہ کریں تاجِ خسروی کی ہوس
ہجرِ ساقی کے دور میں حسرت　　اب نہ مے ہے نہ میکشی کی ہوس

ردیف ش

پیمان وفا نہ کر فراموش   اے حسرت بے قرار خاموش
دیوانۂ حسن پاک داماں   ہے پردۂ دل میں عشق روپوش
اس عشوۂ نازنیں کے جلوے   ہیں دشمن عقل مصلحت کوش
پوشیدہ سکون یاس میں ہے   اک محشر اضطراب خاموش
آزاد ہیں قید میں بھی حسرت   ہم دل شدگانِ خود فراموش

سب ہیں تری انجمن میں بے ہوش   نظارۂ حسن کا کسے ہوش
بے ہوش کیا ہے سب کو تو نے   اب جس کو خدائے ہوش دے ہوش
ہو جاؤ نثار حیرت عشق   اے دانش وائے قرار وائے\ ہوش

تم آئے کہ ختم ہوگئے ہم   باقی تھے مگر اسی لیے ہوش
ہم عرصۂ حشر میں بھی حسرت   پہچان گئے انھیں زہے ہوش

اک بڑی منزل پر خوف و خطر ہے درپیش   روح کو عالم بالا کا سفر ہے درپیش
محفلِ حسن میں سب جمع ہیں خوبانِ جہاں   امتحانِ دل اربابِ نظر ہے درپیش
غم یہ تھا پہلے کہ نالوں میں نہیں کیوں تاثیر   وہ جو مضطر ہیں تو اب رنج اثر ہے درپیش
اب کہے کوئی کہ ہم اہل نظر جائیں کہاں   ہر طرف مسئلۂ غضِ بصر ہے درپیش
فکر دنیا کے بکھیڑے بھی غضب ہیں حسرت   ہردم ایک مسئلۂ نفع و ضرر ہے درپیش

ردیف ص

کیوں نہ مقبول ہو دعائے خلوص   کہ اثر خود ہے خاک پائے خلوص
عشق ناکام بھی نہیں ناکام   وہ جو ہوجائے رہنمائے خلوص

بے کسی ہائے عاشق کو سلام — جن پہ قائم ہوئی بنائے خلوص
ہم ہیں عہد ازل سے ان کے مرید — ابتدا سے ہے انتہائے خلوص
میرا ان کا معاملہ حسرت — سربسر اک ہے ماجرائے خلوص

ردیف ض

کچھ نہ ابدال سے پہنچا ہے نہ اوتاد سے فیض — جس کو پہنچا ہے سو پہنچا ہے تری یاد سے فیض
لذت دردِ محبت ہے مری جان پہ ختم — جس نے پایا ہے ترے شیوۂ بیداد سے فیض
تیرے گیسو کی اڑا لائی تھی خوشبو جو نسیم — مجھ کو پہنچا ہے اسی نکہت برباد سے فیض
دولت غم سے جو معمور ہیں عشاق کے دل — سب نے پایا ہے مری خاطر ناشاد سے فیض

ردیف ط

دل ہے غرق شادمانی جان سیراب نشاط — وصل کی شب ہے ہم ہیں جملہ اسباب نشاط
حسرتیں وقف طرب ہیں آرزو محوِ سرور — بخت نے کھولا ہے روئے شوق پر باب نشاط
ہیں فراہم اہل ذوق آمادہ ہے بزم طرب — اہتمام نغمہ سنجی میں ہیں ارباب نشاط
ہوگئی جوش تمنا سے مبدل بے خودی — ساز حیرت پر لگی جس وقت مضراب نشاط
کامیاب عیش بے حد ہے دل عشرت نصیب — آرزو کے سر سے گزرا جائے ہے آب نشاط
ساز و سامان خرد سرمایۂ ہوش و حواس — آج لے جائے بہا کر سب کو سیلاب نشاط
رشک سے بیتاب ہے نیرنگیٔ دور فلک — ہوشیار، اے بے خبر اے غافل خواب نشاط
ہے اسی کا نام حرمان اتم اے وصل یار — خاطر محروم حسرت کو نہیں تاب نشاط

سخت مشکل ہے عشق یار کی شرط — جان زار و دل فگار کی شرط
دیکھ لیتے ہیں اب وہ نامۂ شوق — ہے مگر پھر بھی اختصار کی شرط
بن گیا کام ہوگئی پوری — کرم یار بختیار کی شرط

کون پوری کرے تمھارے سوا　　شوق بے صبر و بے قرار کی شرط
منزل عشق طے کرو حسرت　　گل کی یاں شرط ہے نہ خار کی شرط

کام آئی کچھ نہ عاشق نالاں کی احتیاط　　داماں کی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط
مجھ پر گدا سمجھ کے بھی کرتا نہیں نظر　　دیکھے تو کوئی اس شہ خوباں کی احتیاط
لازم ہے ابتدائے محبت میں ضبط شوق　　مکتوب میں ضرور ہے عنواں کی احتیاط
ان سے ملے تو پھر ہیں وہی ہم وہی شراب　　وابستہ فراق تھی پیماں کی احتیاط
حسرت میں خوش ہوں یوں کہ مرے زخم دل سے ہے　　مخصوص تیر یار کے پیکاں کی احتیاط

ردیف ظ

نہ کر بزم ساقی میں انکار واعظ　　بگڑ جائیں گے رند میخوار واعظ
نہ قائل ہوئے تھے نہ ہوں گے نہ ہیں ہم　　بڑھاتا ہے ناحق کو تکرار واعظ
یہ ظاہر کا سب زہد و تقویٰ ہے حسرت　　حقیقت میں یاروں کا ہے یار واعظ

اب دل راز کا خدا حافظ　　ایسے بیمار کا خدا حافظ
ہو قفس میں بھی جس کو شوق چمن　　اس گرفتار کا خدا حافظ
شوقِ لرزاں کا حال ہے جو یہی　　جامِ سرشار کا خدا حافظ
پرسشِ جرمِ عشق واں ہے شروع　　مجھ گنہگار کا خدا حافظ
خواب غفلت کے دور میں حسرت　　دل بیدار کا خدا حافظ

ردیف ع

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع　　الوداع اے مونس جاں الوداع
تجھ سے روشن تھا سواد ملک جاں　　اے چراغ نور ایماں الوداع
اے زمان رحمت حق الفراق　　اے محب اہل عصیاں الوداع

اے نشان شان صبر و فقر ؛ عشق — شاہد عشاق حیراں الوداع
لذت انظار وائے لطف سحر — تم میں تھا عیش فراواں الوداع
عین راحت تجھ سے تھی تکلیف قید — اے انیس اہل زنداں الوداع
قدر جانی کچھ نہ تیری اے عزیز — تجھ سے حسرت ہے پشیماں الوداع

ردیف غ

دل نہ تھا رنج ہجر یار کا داغ — کیا ہوا آہ وہ زمان فراغ
کر نہ ہم غمزدوں پہ جور اتنا — گل نہ ہوجائے عاشق کا چراغ
چھیڑ ناحق نہ اے نسیم بہار — سیر گل کا یہاں کسے ہے دماغ
ہم نے ڈھونڈھا بہت مگر حسرت — نہ ملا دل میں خرمی کا سراغ

تاقیامت رہے قائم مری سرکار کا باغ — وہ جسے کہتے ہیں سب حضرت انوار کا باغ
خاص آرام گہ حضرت وہاب شہید — شاہ رزاق کا والی شہِ ابرار کا باغ
درو دیوار سے یاں جلوۂ حق کی ہے نمود — ہے بجا خلق میں مشہور یہ انوار کا باغ
مئے عرفان کی لگی رہتی ہے ہر وقت سبیل — جائے رحمت ہے یہ رنداں قدح خوار کا باغ
ثمر دیں ہیں یہاں یا شجر طیب عشق — باغ بھی کون ہے یہ نور کے اشجار کا باغ
اہل دل کہتے ہیں سرکردۂ عشاق جسے — عاشقو ہے یہ اسی قافلہ سالار کا باغ
ہدیۂ حسن عقیدت ہیں یہ گل ہائے خلوص — نذر رزاق ہے حسرت مرے اشعار کا باغ

ردیف ف

وہ شوخ عجب کیا ہے مجھ سے جو نہیں واقف — گمنا موں سے ہوتا ہے کوئی بھی کہیں واقف
ہم عشق کے بندوں کو اسلام سے کیا مطلب — اس بات سے خود ہوگا وہ دشمن دیں واقف
تقریب محبت کی کیا خوب وہ تھی ساعت — جس وقت ہوا مجھ سے وہ ماہ جبیں واقف

ناکامی بے حد کا رہتا ہے کرم ہم پر — ہم درد کے خوگر ہیں درماں سے نہیں واقف
بیکار تو اے دولت حسرت کو نہ دے لالچ — ہے تیرے بکھیڑوں سے وہ خاک نشیں واقف

وہ تو کر دیں مرا قصور معاف — میں ہی کہتا نہیں حضور معاف
میں ہوں تیری جفا سے بھی راضی — شکوۂ عقل بے شعور معاف
سادگی ہم گناہ گاروں کی — سب کرا لائے گی قصور معاف
ہو فرد کچھ تو انتظار کی آگ — گریۂ شوق ناصبور معاف
ان کے قدموں پہ گر بھی جا حسرت — یوں نہ ہوگا ترا قصور معاف

احباب سے مخصوص نہ اغیار پہ موقوف — عیشِ دو جہان ہے کرم یار پہ موقوف
کر سکتے ہیں خاموش بھی ہم دین کی خدمت — یعنی یہ نہیں شورشِ اخبار پہ موقوف
قوموں کی ترقی کے ہیں کچھ اور ہی اسباب — جو ڈاک پہ موقوف نہ ہیں تار پہ موقوف
آساں نہیں اقوال سے اخراج نتائج — یہ بات ہے کچھ دانشِ آثار پہ موقوف
منصور کی سولی پہ نمایاں ہوئی عظمت — ہے طنطنۂ اہل رضادار پہ موقوف
قوت کی جو پوچھو تو یہ ہوتی ہے ہمیشہ — اقوام میں افراد کے ایثار پہ موقوف
کیا چیز تھی حسرت غم جاناں کی فراغت — جس کا ہے بیان میرے دل زار پہ موقوف

ردیف ق

وصل کی شب رواں ہے سوئے فراق — آچلی لو ہوا میں بوئے فراق
خود ہیں وہ جان آرزوئے وصال — یاد ہے ان کی آبروئے فراق
خرمیہائے وصل یار کے بعد — اب دکھائے خدا نہ روئے فراق
بھر افزائش سرور وصال — شوق کو پھر ہے جستجوئے فراق
غلغل عہد عیش سے حسرت — بڑھ کے ہے شور ہائے ہوئے فراق

تجھ سے ہے حسن و جمال دو جہاں کی رونق — اے تری یاد مرے خانۂ جاناں کی رونق
یاد میں اس گل رعنا کے جو نکلے آنسو — بن گئے دیدۂ خوننا بہ فشاں کی رونق
جاگزیں جب سے ہوئی تیری محبت دل میں — بڑھ گئی اور بھی اس جنس گراں کی رونق
مقدم یار کی آنکھوں میں بسی ہے جو بہار — قابل دید ہے چشم نگراں کی رونق
ہر طرف رندی و مستی کا نمودار ہے رنگ — ہے خرابی سے خرابات مغاں کی رونق
کیا نہیں شوق شہادت کو یہ کافی اعزاز — کہ مرا سر ہے ترے نوک سناں کی رونق
شعر سے تیرے ہوئی مصحفی و میر کے بعد — تازہ حسرت اثر و حسن بیاں کی رونق

کیوں نہ ہو اپنے اشتیاق میں فرق — آ گیا آپ کے مذاق میں فرق
مجھ سیہ بخت کے لیے نہ رہا — روز ہجر و شب فراق میں فرق
یاد رہنے لگی تری ہر دم — آ گیا صدمہ فراق میں فرق
جب ملے وہ ملی نظر سے نظر — نہ پڑا حسن اتفاق میں فرق
وہ جفا کار اور وفا حسرت — تیرے اب تک نہیں مراق میں فرق

نہ سنا اس نے کچھ بیان فراق — رہ گئے یوں نہیں کشتگان فراق
اک فسانہ ہے غم کا وہ بھی طویل — نہ سنیں آپ داستان فراق
خواہش دل ہے میزبان امید — وہ جو ہیں آج میہمان فراق
ہر دم آنے سے یاد بھی تیری — ہو گئی ہے مزاج دان فراق
کچھ خیال وصال یار کے ساتھ — اور بھی بڑھ گئی ہے شان فراق
وہ بھی اب ہم سے ہو رہے ہیں جدا — جن کی نسبت نہ تھا گمان فراق
کب وہ آتے ہیں دیکھیے حسرت — ختم ہوتا کب زمان فراق

ردیف ک

محروم طرب ہے دل دلگیر ابھی تک　　باقی ہے ترے عشق کی تاثیر ابھی تک
اک بار سنی تھی سو میرے دل میں ہے موجود　　اے جانِ تمنا تیری تقریر ابھی تک
لکھی تھی جو آغازِ محبت میں قلم نے　　باقی ہے وہ رنگینیٔ تحریر ابھی تک
کہنے کو تو میں بھول گیا ہوں مگر اے یار　　ہے خانۂ دل میں تری تصویر ابھی تک
تھے حق پہ وہ بے شک کہ نہ ہوتے تو نہ ہوتا　　دنیا میں بپا ماتمِ شبیر ابھی تک
گزرے بہت استاد مگر رنگ اثر میں　　بے مثل ہے حسرت سخنِ میر ابھی تک

دل تیری طلب میں رہے بیتاب کہاں تک　　اے بے خبر اے دشمنِ احباب کہاں تک
اب میں ہوں خنک جلوۂ مہتاب کا خواہاں　　نظارۂ خورشید جہاں تاب کہاں تک
ہے کب سے سمائے جفا گردشِ گردوں　　بیدار ہو اے محوِ طرب خواب کہاں تک
بخشے سے رہیں شوق کی بیباک نگاہیں　　شرمائے گی وہ نرگسِ سیراب کہاں تک
محروم ہے اب تک ترے دیدار سے حسرت　　آنکھوں کی یہ پابندیٔ آداب کہاں تک

چاہت مری چاہت ہی نہیں آپ کے نزدیک　　کچھ میری حقیقت ہی نہیں آپ کے نزدیک
وہ بات بھی ممکن ہے جو دلدار ہو دلبر　　جس کی کوئی صورت ہی نہیں آپ کے نزدیک
تعزیر کے لائق بھی ہے خواہش مرے دل کی　　درخورِ ملامت ہی نہیں آپ کے نزدیک
کیا حال کہے کوئی کہ درباں کے ستم سے　　آنے کی اجازت ہی نہیں آپ کے نزدیک
اگلی سی نہ راتیں ہیں نہ گھاتیں ہیں نہ باتیں　　کیا اب میں وہ حسرت ہی نہیں آپ کے نزدیک

ردیف گ

بکھرے رخِ روشن پہ جو ہیں گیسوئے شب رنگ　　نکلا ہے ترے حسنِ دل آرا کا غضب رنگ
کیا کیجیے بیان اس تنِ نازک کی حقیقت　　خوشبو میں ہے گل بو تو لطافت میں ہے سب رنگ

سب سیکھ لیا غیر سے افسون شرارت　　باقی وہ کہاں سادگی یار کا اب رنگ
دل خون ہوئے جاتے ہیں ارباب نظر کے　　رکھتی ہے قیامت کا تری سرخی لب رنگ
حسرت تری اس پختہ کلامی کی ہے کیا بات　　پایا ہے کسی اور سخن ور نے یہ کب رنگ

عہد مستی کے اب کہاں وہ رنگ　　ساغر بادہ ہے نہ کاسۂ بنگ
ایسی پھر شب نصیب ہو کہ نہ ہو　　ساقی ماہ وش کرے نہ درنگ
خوب تھا وہ زماں رسوائی　　خوب تر تھی وہ عقل و عشق کی جنگ
آہ وہ شہر کانپور کی شام　　وہ لب نہر وہ کنارہ گنگ
ہیں طلب گار شوق گوناگوں　　حسن کے جلوہ ہائے رنگا رنگ
بڑھ چلا جوش آرزو حسرت　　ختم ہونے کو آئی قید فرنگ

دیدنی ہیں دل خراب کے رنگ　　آہ اس چشم پرحجاب کے رنگ
فصل گل میں پڑیں تو خوب کھلیں　　خرقہ زہد پر شراب کے رنگ
شوق سے دل میں لب پہ ہجو شراب　　ہم پہ روشن ہیں سب جناب کے رنگ
قابل دید ہیں وصال کی شب　　آرزو ہائے کامیاب کے رنگ
مستی شوق یار سے ہیں عیاں　　سرخوشی ہائے بے حساب کے رنگ
میری مایوسیوں سے ہیں پیدا　　کشمکش ہائے اضطراب کے رنگ
دل کے ہاتھوں بہت رہے ہیں خراب　　حسرت خانماں خراب کے رنگ

ردیف ل

ازبسکہ حسن یار ہے خوبی سے جان دل　　لائے کہاں سے روز کوئی ارمغان دل
راہ وفا میں قہر ہوئی ظلمت فراق　　محرومیوں نے لوٹ لیا کاروان دل
یک قطرہ خون بھی سینۂ عشاق میں نہیں　　اس شوخ کو مگر ہے ابھی تک گمان دل

ٹھہرا ہے اک نگاہ کرم پر معاملہ　　اے لطف یار مفت ہے جنس گراں دل
ہیں خون آرزو سے جو سیراب داغ یاس　　ہم رنگ نوبہار ہے حسرت خزانِ دل

قوی دل شادماں دل پارسا دل　　ترے عاشق نے بھی پایا ہے کیا دل
لگا دو آگ عذر مصلحت کو　　کہ ہے بیزار اس شے سے مرا دل
جفا کاری ہے تسلیم ستم بھی　　نہ ہوگا تابع جور و جفا دل
غلط ہے قول عقل مصلحت کوش　　نہ اس جانب کرے گا اعتنا دل
لگا کر آنکھ اس جان جہاں سے　　نہ ہوگا اب کسی سے آشنا دل
مٹے افکار گوناگوں کے جھگڑے　　ترے غم کو نہ دے کیونکر دعا دل
نہ پہنچے گی کبھی کیا گوش تک　　قفس سے اڑکے فریاد عنادل
توانائے صداقت ہے تو ہرگز　　نہ ہوگا پیرو باطل مرا دل
بڑی درگاہ کا سائل ہوں حسرت　　بڑی امید ہے میری بڑا دل

ہر دل میں اک ہجوم محبت ہے آج کل　　اس شوخ کی کچھ اور ہی صورت ہے آج کل
اے سحر حسن یار میں اب تجھ سے کیا کہوں　　دل کا جو حال تیری بدولت ہے آج کل
مستور کس حجاب میں ہے وہ جمال پاک　　اہل نظر کو جس سے عقیدت ہے آج کل
ساقی سے فصل گل میں کریں کیوں سوال مے　　کیا التماس کی بھی ضرورت ہے آج کل
پرتاپ گڑھ میں ہم کو تری یاد کے سوا　　حاصل ہر ایک شغل سے فرصت ہے آج کل
حسرت وہ سوز خاص جو ہو حاصل فراق　　تیرے سخن میں اس کی بھی لذت ہے آج کل

روز محشر سایہ گستر ہے جو دامان رسولؐ　　تاب دوزخ سے ہیں بے پروا غلامان رسولؐ
نور سے ایمان خالص کے منور تھا جہاں　　اب کہاں سے آئے وہ عہد درخشان رسولؐ

رہنمائے گمرہاں و سرگروہ مقبلاں　　عاشق و معشوق یزداں جان و جانان رسولؐ
مقتدائے سالکان و مخزن اسرار حق　　پادشاہ عاشقان و گنج عرفان رسولؐ
نور چشم فاطمہؓ سیر درخشان علیؓ　　غوث اعظمؒ شاہِ جیلاں ماہ تابان رسولؐ
حسرت محروم ہے امیدوار التفات　　اس طرف بھی اک نظر اے میر سامان رسولؐ

ردیف م

روشن جمال یار سے ہے انجمن تمام　　دہکا ہوا آتش گل سے چمن تمام
حیرت غرور حسن سے شوخی سے اضطراب　　دل نے بھی تیرے سیکھ لیے ہیں چلن تمام
اللہ ری جسم یار کی خوبی کہ خود بخود　　رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام
نشو و نمائے سبزہ و گل سے بہار میں　　شادابیوں نے گھیر لیا ہے چمن تمام
اس نازنیں نے جب سے کیا ہے وہاں قیام　　گلزار بن گئی ہے زمین دکن تمام
اچھا ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں　　پھیلے گی یونہیں شورش حب وطن تمام
شیرینی نسیم ہے سوز و گداز میر　　حسرت ترے سخن پہ ہے لطف سخن تمام

کیا ہی شرمندہ چلے ہیں دل مجبور سے ہم　　آئے تھے ان کی زیارت کو بڑی دور سے ہم
اس کے غمخوار بنے کیا کہ ہوئے خود بھی خراب　　کاش مانوس نہ ہوتے دل رنجور سے ہم
ہجر میں تیری نہ دنیا ہی سے بیزار تھا دل　　خلد میں بھی تو مخاطب نہ ہوئے حور سے ہم
ربط باہم کی ہو کیا شکل کہ آگاہ نہیں　　دل رنجور سے تم خاطر مسرور سے ہم
حسرت آئے گی تسلی کو یہاں روح شمیم　　قید ہو آئے ہیں جھانسی جو للت پور سے ہم

تصور میں وہ شوخ تھا ہم سے باہم　　عجب لذت بے خودی تھی فراہم
سب آئے پر اک تو نہ آیا نہ آیا　　ترا دیر دیکھا کیے راستا ہم
رہا بس کہ عشق بتاں مسلک دل　　نہ جانا کسی نے کہ ہیں باخدا ہم

کہاں دل کہاں وصل جاناں کی خواہش — کجا وہ شہنشاہ خوباں کجا ہم
غریبوں سے کہتی ہے رحمت یہ ان کی — کہ ہیں بے نواؤں کے حاجت روا ہم
وہ ہیں درپے صلح پھر بھی خفا ہیں — یہ مطلب ہے ان کا کریں ابتدا ہم
جہاں بختی ہے بادشاہی کی دولت — اسی در کے ہیں ایک حسرت گدا ہم

اس تغافل پر بھی کرتے ہیں تجھی کو یاد ہم — کتنے ہیں مجبور دیکھ او بانی بیداد ہم
عقل آپ آئی ہمیں جب ہو چکا ناکام دل — رحم کب آیا انھیں جب ہو چکے برباد ہم
ہر طرف پیش نظر ہے وہ جمال دلفریب — دیکھتے ہیں یوں بہار گلشن ایجاد ہم
قید تنہائی میں بھی تنہا نہیں اے یاد یار — آج یہ عقدہ کھلا ہم پر کہ ہیں آزاد ہم
مار ڈالا مجھ کو حسرت یونہیں جب اس نے کہا — ماننا ہوگا تجھے کرتے ہیں جو ارشاد ہم

اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم — گھبرا گئے ہیں بے دلی ہمسرہاں سے ہم
اے یاد یار دیکھ کہ باوصف رنج ہجر — مسرور ہیں تری خلش ناتواں سے ہم
اے زہد خشک تیری ہدایت کے واسطے — سوغات عشق لائے ہیں کوئے بتاں سے ہم
بیتابیوں سے چھپ نہ سکا حال آرزو — آخر بچے نہ اس نگہ بدگماں سے ہم
پیرا نہ سر بھی شوق کی ہمت بلند ہے — خواہان کام جان ہیں جو اس نوجواں سے ہم
مایوس بھی تو کرتے نہیں تم زراہ ناز — تنگ آ گئے ہیں کشمکش امتحاں سے ہم
خلوت بنے گی تیرے غم جاں نواز کی — لیں گے یہ کام اپنے دل شادماں سے ہم
ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق — پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم
حسرت پھر اور جا کے کریں کس کی بندگی — اچھا جو سر اٹھائیں بھی اس آستاں سے ہم

کردیں انھیں پیش نذرِ جاں ہم　　بے صرفہ نہ جائیں رائیگاں ہم
کر لے جو ستم ہوں تجھ کو منظور　　اے نخوتِ یار پھر کہاں ہم
سمجھو تو سنائیں حالِ دل نہ　　تقریرِ نظر میں بے زباں ہم
پوچھو جو کروگے تم ہمیں قتل　　کہتے ہیں وہ کس ادا سے ہاں ہم
اے کاش قفس میں تو نہ سنتے　　افسانۂ جورِ باغباں ہم
کچھ آپ سے تو نہیں شکایت　　ہیں شکوہ گزارِ آسماں ہم
کیا شوقِ بہار ہے کہ حسرت　　کچھ رکھتے نہیں غمِ خزاں ہم

ردیف ن

کام لوں ناکامیوں سے عشق کا کہنا کروں　　ہو کے واقفِ لطفِ غم سے رات دن رویا کروں
وصل کی شب بھی ہوئی جاتی ہے صرفِ اضطراب　　اس ہجومِ آرزو کو یا الٰہی کیا کروں
مجھ سے تم چھپنے لگے اچھا کیا یوں ہی سہی　　اور جو میں اب دیدۂ دل سے تمھیں دیکھا کروں
اس کے لطفِ بندہ پرور کا ہوں میں ادنیٰ غلام　　مری کیا طاقت کہ عشقِ یار کا دعویٰ کروں
اے ستمگر مجھ سے گو ترکِ وفا ممکن نہیں　　میں کروں لیکن کبھی ایسا تو کیا بے جا کروں
حسرت اس دیرآشنا کی آرزو آساں نہیں　　دل میں پہلے ضبطِ غم کا حوصلہ پیدا کروں

آوارۂ دشتِ جستجو ہیں　　ہم خانہ بدوشِ آرزو ہیں
دشوار ہے اہتمامِ تمکیں　　ہم پر کہ ہلاکِ گفتگو ہیں
اس درجہ غرور ناروا ہے　　مانا کہ حضور خوب رو ہیں
ناواقفِ بے ثباتیِ گل　　بلبل ہیں کہ محورنگ و بو ہیں
ہم زخمیِ تیغِ عشق حسرت　　بیگانۂ خواہشِ رفو ہیں

بدلِ لذت آزار کہاں سے لاؤں ، اب تجھے اے ستم یار کہاں سے لاؤں
ہے وہاں شانِ تغافل کو جفا سے بھی گریز التفات نگہ یار کہاں سے لاؤں
نور عنقا ہے شب ہجر کی تاریکی میں جلوۂ صبح کے آثار کہاں سے لاؤں
صحبت اہل صفا خوب ہے مانا لیکن رونق خانہ خمار کہاں سے لاؤں
شعر میرے بھی ہیں پردرد و لیکن حسرت میر کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

اے تلک اے افتخار جذبۂ حب وطن حق شناس و حق پسند و حق یقیں و حق سخن
تجھ سے قائم ہے بنا آزادی بیباک کی تجھ سے روشن اہل اخلاص و صفا کی انجمن
سب سے پہلے تو نے کی برداشت اے فرزند ہند خدمت ہندوستان میں کلفت قید محن
تھے گرفتار غلامی ورنہ یاران وطن ذات تیری رہنمائے راہ آزادی ہوئی
تو نے خودداری کا پھونکا اے تلک ایسا فسوں یک قلم جس سے خوشامد کی مٹی رسم کہن
ناز تیری پیروی پر حسرت آزاد کو اے تجھے قائم رکھے تا دیر رب ذوالمنن

خوبرویوں سے یاریاں نہ گئیں دل کی بے اختیاریاں نہ گئیں
عقل صبر آشنا سے کچھ نہ ہوا شوق کی بے قراریاں نہ گئیں
دن کی صحرانوردیاں نہ چھٹیں شب کی اختر شماریاں نہ گئیں
ہوش یاں سد راہ علم رہا عقل کی ہرزہ کاریاں نہ گئیں
تھے جو ہم رنگِ ناز ان کے ستم دل کی امیدواریاں نہ گئیں
حسن جب تک رہا نظارہ فروش صبر کی شرم ساریاں نہ گئیں
طرز مومن میں مرحبا حسرت تیری رنگیں نگاریاں نہ گئیں

مے و مینا سے یاریاں نہ گئیں
میری پرہیز گاریاں نہ گئیں

مر کے بھی خاک راہ یار ہوئے
اپنی الفت شعاریاں نہ گئیں

اشکباری سے سوز دل نہ مٹا
آہ کی شعلہ باریاں نہ گئیں

حسن کی دلفریبیاں نہ گئیں
عشق کی تازہ کاریاں نہ گئیں

سب سے چھوڑا تجھے مگر حسرت
درد کی غم گساریاں نہ گئیں

گرفتار محبت ہوں اسیر دام محنت ہوں
میں رسوائے جہان آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں

عجب انداز ہے میرے مزاج لا ابالی کا
نہ ممنون تمنا ہوں نہ مشتاق مسرت ہوں

مری بیتابیوں کا قول ہے ہم جاں تمکیں میں
مری آفتادگی کہتی ہے تاج فرق عزت ہوں

نہیں ہے قدرداں کوئی تو میں ہوں قدرداں اپنا
تکلف برطرف بیگانۂ رسم شکایت ہوں

کمال خاکساری پر یہ بے پروائیاں حسرت
میں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں

گریباں چاک ہیں گلہائے رنگیں صحن بستاں میں
قیامت کا اثر تھا نالہ ہائے عندلیباں میں

نگاہِ یار بھی کس کس ادا سے لطف کرتی ہے
تغافل ہائے پیدا میں نوازش ہائے پنہاں میں

نگاہِ شوق کیونکر کامیاب شادمانی ہو
غضب کا رعب ہے اس شوخ کے حسن نگہباں میں

قیامت کا تعلق ہے قیامت کی محبت ہے
مرے زخموں کی گویا جاں ہے تیرے نمکداں میں

مجھے معلوم ہے پھر جوش الفت رخنہ ڈالے گا
ترے عہد تغافل میں مرے پیمان حرماں میں

الٰہی خیر میرے عہد ترک مے گساری کی
ہجوم شوق میں ہنگامۂ فصلِ بہاراں میں

اثر کا مصرعہ رنگیں پسند طبع حسرت ہے
قیامت ہے نہاں ان کے تبسم ہائے پنہاں میں

ہم پر بھی مثل غیر ہیں کیوں مہربانیاں
اے بدگماں یہ خوب نہیں بدگمانیاں

حیرت ہے یادگارِ زمانِ جنون ہنوز
باقی ہیں شوق یار کی اب تک نشانیاں

طاعت گزار ہوں دلِ حسرت پسند کا ناکامیاں ہیں میرے لیے کامرانیاں
رنگِ بہار باغ ہے مہماں یک نفس اے وائے عندلیب تری شادمانیاں
ٹھہرا ہے ضبطِ شوق پہ آ کر معاملہ اس درجہ آرزو کی بڑھیں بے زبانیاں
حسرت تری شگفتہ کلامی پہ آفریں یاد آ گئیں نسیم کی رنگیں بیانیاں

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں
نہ چھیڑ اے ہمنشیں کیفیتِ صہبا کے افسانے شرابِ بے خودی کے مجھ کو ساغر یاد آتے ہیں
رہا کرتے ہیں قیدِ ہوش میں اے وائے ناکامی وہ دشتِ خود فراموشی کے چکر یاد آتے ہیں
نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں
حقیقت کھل گئی حسرت ترے ترکِ محبت کی تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں
بے زبانی ترجمانِ شوق بے حد ہو تو ہو ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں
مٹ رہی ہیں دل سے یادیں روزگارِ عیش کی اب نظر کاہے کو آئیں گی یہ تصویریں کہیں
التفاتِ یار تھا اک خوابِ آغازِ وفا سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں
تیری بے صبری ہے حسرت خام کاری کی دلیل گریۂ عشاق میں ہوتی ہیں تاثیریں کہیں

عشق میں جان سے گزر جائیں اب یہی جی میں ہے کہ مر جائیں
یہ ہمیں ہیں کہ قصرِ یار سے روز بے خطر آ کے بے خبر جائیں
جامہ زیبی نہ پوچھیے ان کی جو بگڑنے میں بھی سنور جائیں
شب وہی شب ہے دن وہی دن ہیں جو تری یاد میں گزر جائیں

دوش تک بھی بلائے جان ہیں وہ بال — جانے کیا ہوں جو تا کمر جائیں
شعر دراصل ہیں وہی حسرت — سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں

قصۂ شوق کہوں درد کا افسانہ کہوں — دل ہو قابو میں تو اس شوخ سے کیا کیا نہ کہوں
خود ہے اقرار انھیں اپنی ستمگاری کا — پھر بھی اصرار ہے مجھ سے کہ میں ایسا نہ کہوں
آپ بیٹھیں تو سہی آ کے مرے پاس کبھی — کہ میں فرصت میں حدیث دل دیوانہ کہوں

ہم سے ہو پیروی حق کا سرانجام کہاں — دیکھیں اس صبح صداقت کی ہو اب شام کہاں
عشق میں صبر و سکوں اے دل ناکام کہاں — اس دلآرام کی خواہش ہے تو آرام کہاں
خاص تعزیر کے لائق ہے گنہگاری عشق — درخور جاں ہے تری سرزنش عام کہاں
پند ناصح وہ سنے خوف ملامت ہو جسے — پاس ناموس کہاں عاشق بدنام کہاں
حسرت زار ہے اور کشمکش یاس و امید — اب وہ بالیدگی شوق کا ہنگام کہاں

دیدار کی امید میں کرتا ہوں خطا میں — کس درجہ ہوں گرویدۂ ارباب عطا میں
شاہوں کے تکبر سے بھی دب کر نہ رہا میں — کس بارگہ خاص کا آخر ہوں گدا میں
دیکھے کوئی نیرنگ محبت کے یہ نقشے — کرتے ہیں جفا آپ تو دیتا ہوں دعا میں
اغیار میں اک رشک سے برپا ہے قیامت — حالانکہ ترے پاس نہ آیا نہ گیا میں
فریاد سراپا ہے مرے شوق کی ہستی — گویا کہ ہوں اک آہ مسلسل کی صدا میں
تعزیر کے قابل نہیں گستاخی ارماں — اس راہ پہ جب تو نے چلایا تو چلا میں
آزادگی شوق بھی کیا شے ہے کہ حسرت — جانا نہ کسی نے وہ خفا ہیں کہ خفا میں

کیسے چھپاؤں رازِ غم دیدۂ تر کو کیا کروں — دل کی تپش کو کیا کروں سوزِ جگر کو کیا کروں
غم کا نہ دل میں ہو گزر، وصل کی شب ہو یوں بسر — سب یہ قبول ہے مگر خوفِ سحر کو کیا کروں
حال مرا تھا جب بتر تب تو ہوئے نہ تم خبر — بعد مرے ہوا اثر، اب میں اثر کو کیا کروں
دل کی ہوس مٹا تو دی ان کی جھلک دکھا تو دی — پر یہ کہو کہ شوق کی "بار دگر" کو کیا کروں
شورشِ عاشقی کہاں اور مری سادگی کہاں — حسن کو تیرے کیا کہوں اپنی نظر کو کیا کروں
حسرتِ نغز گو ترا کوئی نہ قدرداں ملا — اب یہ بتا کہ میں ترے عرضِ ہنر کو کیا کروں

ان کو دیکھوں یہ مجھ میں تاب کہاں — لے چلا ہے دل خراب کہاں
عارضِ بے خودی ہے رنجِ خمار — اب وہ بدمستیٔ شراب کہاں
بے مثالی کی ہے مثال وہ حسن — خوبیٔ یار کا جواب کہاں
حشر و پشتارۂ ثواب کا بار — میں کہاں اور یہ عذاب کہاں
تھا جو مرغوبِ عاشقی حسرت — اب وہ ہنگامِ اضطراب کہاں

پیرو مسلکِ تسلیم و رضا ہوتے ہیں — ہم تری راہِ محبت میں فنا ہوتے ہیں
شرم کر شرم کر اے جذبۂ تاثیرِ وفا — تیرے ہاتھوں وہ پشیمانِ جفا ہوتے ہیں
نہ اثر آہ میں کچھ ہے نہ دعا میں تاثیر — تیر ہم جتنے چلاتے ہیں خطا ہوتے ہیں
لذتِ درد نہ کیوں اہلِ ہوس پر ہو حرام — کہ وہ کمبخت طلبگارِ دوا ہوتے ہیں
کشورِ عشق میں دنیا سے نرالا ہے رواج — کام جو بن نہ پڑیں یاں وہ روا ہوتے ہیں
جسم ہوتا ہے جدا جان سے گویا حسرت — آسماں ان سے چھڑاتا ہے جدا ہوتے ہیں

جلوۂ یار نہ چھپ جائے سرِ بام کہیں — جلد اے حوصلۂ دید مجھے تھام کہیں
بزمِ ساقی کا یہ کیا حال ہوا میرے بعد — خم کہیں ہے تو صراحی ہے کہیں جام کہیں

آہ کہنا وہ ترا پاکے مجھے گرمِ نظر   ایسی باتوں سے نہ ہو جاؤں میں بدنام کہیں
رنج بے سود سے حاصل ہو یونہی کاش نجات   مار ہی ڈالے ہمیں وہ بتِ خود کام کہیں
کچھ کچھ اس راز کی ہم کو بھی خبر ہے حسرت   آپ جاتے ہیں جو روز آ نہ سرِ شام کہیں

بلا کشانِ غمِ انتظار ہم بھی ہیں   خرابِ گردشِ لیل و نہار ہم بھی ہیں
فلک وقار و ملک اقتدار ہم بھی ہیں   یہ فخر ہے کہ ترے خاکسار ہم بھی ہیں
دل ہوس جو نشانہ تری نظر کا ہو   تو روح شوق پکارے شکار ہم بھی ہیں
اسی سے چھپتے ہیں ہوتی ہے جس پر ان کی نظر   اگر یہی ہے تو امیدوار ہم بھی ہیں
ہمیں بھی شام سے ساقی نہیں ملی ہے شراب   ستم رسیدہ رنجِ خمار ہم بھی ہیں
نگاہِ یار سے اظہارِ التفات ہوا   تو حالِ دل نے کہا آشکار ہم بھی ہیں
شکایت ان کی نہ چاہو، یہی کہو حسرت   نشانۂ ستمِ روزگار ہم بھی ہیں

اہلِ ایماں رکھتے ہیں کامل بفتوائے جنوں   شانِ لاخوفٌ علیہم شیوۂ لایحزنوں
کامیاب و کامراں ہیں شادکام و شادماں   گرچہ دیوانے ترے ظاہر میں ہیں زار و زبوں
روشنی بخشِ دل و جاں ہو نہ کیوں اس کا خیال   جس کے جلوے کی درخشانی ہے انوار العیوں
کچھ نہیں کھلتا مجھے لے جائے گا آخر کہاں   کس کی جانب ہے دلِ دیوانہ یارب رہنموں
کی بہت کچھ ہرزہ گردی اب یہ حسرت ہمیں ہے   چھوڑ دوں سب آسرے ایک ان کے در کا ہو رہوں

ہجومِ شوق ہے دل میں مگر خاموش رہتے ہیں   چھپایا تھا یہ تم سے راز ہم نے آج کہتے ہیں
خدا جانے یہ اپنا حال کیا ہے ہجرِ جاناں میں   کراہیں لب تک آتی ہیں نہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں
خموشی کی عجب یہ گفتگو ہے وصل میں باہم   نہ کہتے ہیں وہ کچھ ہم سے نہ ہم کچھ ان سے کہتے ہیں

نہ دکھلائے خدا دشمن کو بھی دوری کے یہ صدمے
جو ہم ان سے بچھڑ کر آج کل مجبور سہتے ہیں

مقرر بے ادب ٹھہریں گے لیکن کیا کریں حسرت
رہا جاتا ہے حالِ دل اگر خاموش رہتے ہیں

سب سے چھپتے ہیں چھپیں مجھ سے تو پردا نہ کریں
سیر گلشن وہ کریں شوق سے تنہا نہ کریں

دیکھیے شوق شہادت میں جھکی ہے گردن
آپ اس وقت ذرا پاس ہمارا نہ کریں

اب تو آتا ہے یہی جی میں کہ اے محوِ جفا
کچھ بھی ہوجائے مگر تیری تمنا نہ کریں

میں ہوں مجبور تو مجبور کی پرسش ہے ضرور
وہ مسیحا ہیں تو بیمار کو اچھا نہ کریں

دردِ دل اور نہ بڑھ جائے تسلی سے کہیں
آپ اس کام کا زنہار ارادا نہ کریں

شکوۂ جور، تقاضائے کرم، عرضِ وفا
تم جو مل جاؤ کہیں ہم کو تو کیا کیا نہ کریں

نورِ جاں کے لیے کیوں ہو کسی کامل کی تلاش
ہم تری صورتِ زیبا کا تماشا نہ کریں

عشق اور حسن سے بیزار ہو زنہار نہ ہو
ہم کبھی شکوہ کریں آپ کا حاشا نہ کریں

حال کھل جائے گا بیتابیٔ دل کا حسرت
بار بار آپ انھیں شوق سے دیکھا نہ کریں

ہم نے اس بات کا شکوہ نہ کیا تھا نہ کریں
مشقِ بیداد میں ناحق وہ محابا نہ کریں

شوق جب حد سے گزر جائے تو ہوتا ہے یہی
ورنہ ہم اور کرمِ یار کی پروا نہ کریں

رشک آتا ہے مجھے نور جو ہوتا ہے نثار
بام پر آپ شبِ ماہ میں سویا نہ کریں

جان ہی سے نہ گزر جائیں کہیں اہلِ نیاز
شوق سے ناز کریں وہ مگر اتنا نہ کریں

دلِ وحشی کا کسی طرح تقاضا تو مٹے
کیا کریں سر کو جو آمادۂ سودا نہ کریں

سن کے قاصد سے مرا حال کہا تو یہ کہا
ہیں وہ بدنام کہیں ہم کو بھی رسوا نہ کریں

تو نے حسرت یہ نکالا ہے عجب رنگِ غزل
اب بھی کیا ہم تری یکتائی کا دعویٰ نہ کریں

اک بار بس گیا جو کہیں ان کی باس میں　　خوشبوئے حسن برسوں رہی اس لباس میں
ہم بیکسوں کا آپ کو مطلق نہ ہو خیال　　آتی نہیں یہ بات ہمارے قیاس میں
اللہ ری ان کے حسنِ درخشاں کی گرمیاں　　چھالے سے پڑ گئے ہیں زبانِ سپاس میں
کیونکر کوئی سنائے انھیں شوق کی وہ بات　　جو پڑ گئی ہو کشمکشِ التماس میں
آخر ہمارے صدقِ وفا کا اثر کبھی　　ہوگا ضرور ان کے دلِ حق شناس میں
بیتابیاں نثار ہیں جس پر نگاہ کی　　ساقی جھلک رہی ہے وہ کیا شے گلاس میں
حسرت ہے وقفِ یادِ شباب و جنوں ہنوز　　اس ضعف پر بھی فرق نہیں ہے حواس میں

ان سے مل کر شکوۂ بے اعتنائی پھر کہاں　　شاد رہ اے دل کہ یہ لطفِ جدائی پھر کہاں
اب بھی ہیں اہلِ ہوس نا قدر دانِ شانِ حُسن　　لے چلا ہے تم کو شوقِ خودنمائی پھر کہاں
سب ہماری زندگی ہی تک ہیں ان کے حوصلے　　ورنہ یہ ناز و غرورِ دلربائی پھر کہاں
شوق ہو کامل تو کیسا جورِ خوباں کا گلا　　باوفا ہم ہوں تو رنجِ بے وفائی پھر کہاں
تم ہو کیسے کوئی دنیا میں اگر اپنا نہیں　　یعنی جب یہ ہے تو فکرِ بے نوائی پھر کہاں
شرط ہے اک بار پڑ جانا تمھارے عشق میں　　اس طلسمِ غم سے امیدِ رہائی پھر کہاں
لوٹ لے جی بھر کے حسرت لذتِ آغازِ عشق　　اس ستمگر کا یہ رنگِ آشنائی پھر کہاں

ردیف و

اثرِ عشق سے نکلیں جو تمھارے آنسو　　دامنِ جان میں وہ لے لیجیے سارے آنسو
جلوۂ حسن سے رنگیں ہیں جو آنکھیں ان کی　　سرخ نکلے ہیں اسی رنگ کے مارے آنسو
دیکھ کر غیر کی محفل میں انھیں مستِ شراب　　نہ ہوا ضبط نکل آئے ہمارے آنسو
عالمِ حسن میں ہیں نور کی نہریں جاری　　یا رواں عارضِ جاناں کے کنارے آنسو
گریۂ شوق سے تر ہیں جو تمھاری آنکھیں　　بن گئے ہیں فلکِ حسن کے تارے آنسو
ہے محبت سے سروکار ہمیں بھی حسرت　　چشمِ جاناں میں یہ کرتے ہیں اشارے آنسو

کسی عنوان صبر آتا نہیں مجھ ناشکیبا کو — الٰہی کیا کروں اس خاطرِ محوِ تمنا کو
نہ تھی واقف جو میرے اشتیاقِ بے نہایت سے — نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں اس نگاہِ بے محابا کو
وہ خوابِ ناز میں تھے اور نہ تھے اے شوقِ پابوسی — نہ تھی پستیٔ ہمت تری اس لطفِ ایما کو
تمھیں بھی یاد ہوگا وہ زمانہ عیشِ ماضی کا — تمنا چاہتی ہے پھر اسی لطفِ شناسا کو
بھر آئے اشک دورِ افتادگانِ بزمِ ساقی کے — مئے رنگیں سے خالی دیکھ کر آغوشِ مینا کو
نگاہِ شوق میں چمکا دیا ہے اور بھی ظالم — ترے ظلمِ نمایاں نے ترے حسنِ خود آرا کو
عیاں سب حال ہو جاتا ہماری بے قراری کا — وہ خود بھی دیکھ سکتے کاش اپنے نازِ یکتا کو
چھپائے سے کہیں آثار چھپتے ہیں محبت کے — نہ دو الزام میرے اضطرابِ آشکارا کو
گزاری عمر شغلِ عاشقی میں مرحبا حسرت — نہ پاس آنے دیا غمہائے بے پایانِ دنیا کو

دلجوئیِ اغیار سے فرصت نہیں تم کو — معلوم ہوا قدرِ محبت نہیں تم کو
مٹ جائیں گے اس شیوۂ بیباک پہ لاکھوں — مارا ہے مجھے اور ندامت نہیں تم کو
ڈرتے نہیں رسوائیِ عشقی سے بھی حسرت — دنیا میں تو پروائے ملامت نہیں تم کو

وہ اب یہ کہتے ہیں دیکھا کرے نہ تو مجھ کو — سمجھ لیا ہے جو مجبورِ آرزو مجھ کو

خاص کر ہم چاہنے والوں سے پردا کیوں نہ ہو — کیوں نہ ہو اے دشمنِ اہلِ تمنا کیوں نہ ہو

حسنِ بے مہر کو پروائے تمنا کیا ہو — جب ہو ایسا تو علاجِ دلِ شیدا کیا ہو
کثرتِ حسن کی یہ شان نہ دیکھی نہ سنی — برقِ لرزاں ہے کوئی گرم تماشا کیا ہو
بے مثالی کا ہے یہ رنگ جو باوصفِ حجاب — بے نقابی پہ ترا جلوۂ یکتا کیا ہو

دیکھیں ہم بھی جو ترے حسن دلآرا کی بہار — اس میں نقصان ترا اے گل رعنا کیا ہو
ہم غرض مند کہاں مرتبۂ عشق کہاں — ہم کو سمجھیں وہ ہوس کار تو بیجا کیا ہو
دلفریبی ہے تری باعث صد جوش و خروش — حال یہ ہو تو دل زار شکیبا کیا ہو
رات دن رہنے لگی اس ستم ایجاد کی فریاد — حسرت اب دیکھیے انجام ہمارا کیا ہو

سر یہ حاضر ہے جو ارشاد ہو مرجانے کو — کون ٹالے گا بھلا آپ کے فرمانے کو
بھول جاؤں میں انھیں ہو نہیں سکتا ناصح — "آگ لگ جائیو ظالم ترے سمجھانے کو"
دیکھ لیں شمع کو تاثیر وفا کے منکر — جل بجھی خود بھی جلایا تھا جو پروانے کو
ہو کے سیراب کرم دل سے دعا دوں ساقی — ایک بار اور بھی بھردے مرے پیمانے کو
فرقتِ یار میں گھنگھور اٹھی ہے جو گھٹا — اشک خوں آنکھ بھی آمادہ ہے برسانے کو
دل یہ کہتا ہے میں ہوں درد محبت کا غلام — جس نے آباد کیا ہے مرے ویرانے کو
روح کہتی ہے مری جان ہے وہ نور جمال — کردیا جس نے منور مرے کاشانے کو
برق کا قول مجھے یاد ہے اب تک حسرت — "زندگی کہتے ہیں دنیا سے گزر جانے کو"

کامرانی تجھے مبارک ہو — جاودانی تجھے مبارک ہو
اے ترا غم دلوں کو وجہ سرور — شادمانی تجھے مبارک ہو
جاں فشانی مجھے نصیب رہے — دلستانی تجھے مبارک ہو
مرقد عاشقاں پہ آخر کار — گلفشانی تجھے مبارک ہو
بانزاراں جمال و حسن کمال — نوجوانی تجھے مبارک ہو
ہم غریبوں کی خستہ حالی پہ — مہربانی تجھے مبارک ہو
تحفہ سنجان عصر کی حسرت — قدردانی تجھے مبارک ہو

کیا حال سنائے دلِ رنجور کسی کو   ملنا ہی نہ ہو مجھ سے جو منظور کسی کو
کیا چیز ہے اس حسنِ فروزاں کی تجلی   جو نار کسی کو ہے تو ہے نور کسی کو
اب صدمۂ ہجراں سے بھی ڈرتا نہیں کوئی   لے پہنچی ہے یاد ان کی بہت دور کسی کو
خاطر ہی میں لاتا نہیں از راہ تبختر   وہ شوخ وہ بے مہر وہ مغرور کسی کو
یوں بھول نہ جاتا تھا اگر مدنظر تھی   لیکن ملی حسرت رنجور کسی کو

کیوں جانِ رضا جو نہ شہادت پہ فدا ہو   کون اس کو نہ چاہے گا بھلا تم جسے چاہو
دل غم سے جو کہتا ہے محبت کا برا ہو   ایسے میں تیری یاد بھی آجائے تو کیا ہو
پاس آؤ تو کچھ دل کی تپش اور سوا ہو   ہر چند کہ تم درد جدائی کی دوا ہو
تھے پاس تو منظور نظر راحتِ دل تھے   اب جان تمنا ہو جو تم ہم سے جدا ہو
مرتا ہے کسی شوخ جفا کار پہ حسرت   شاید یہ فسانہ کہیں تم نے بھی سنا ہو

سخت رنجور کر دیا ہم کو   دل نے مجبور کر دیا ہم کو
مجھ سے بگڑے ہیں وہ کہ تو نے یہ کیا   سب میں مشہور کر دیا ہم کو
اس نے کی ایسی اک نظر کہ خراب   پھر بدستور کر دیا ہم کو
آہ کہنا وہ ان کا وصل کی شب   تو نے مجبور کر دیا ہم کو
نار نے عشق یار کی حسرت   سربسر نور کر دیا ہم کو

نہ سمجھے دل فریب آرزو کو   نہ ہم چھوڑیں تمھاری جستجو کو
تغافل اس کو کہتے ہیں کہ اس نے   مجھے دیکھا نہ محفل میں عدو کو
نہیں پانی تو میخانے میں اے شیخ   جو کچھ موجود ہے لاؤں وضو کو

سمجھتا ہی نہیں ہے کچھ وہ بدخو — نہ خود مجھ کو نہ میری آرزو کو
نہ بھولا گھر کے اعدا میں بھی حسرت — ترے فرمودۂ لاتقنطو کو

پھر بھی ہے تم کو مسیحائی کا دعویٰ دیکھو — مجھ کو دیکھو مرے مرنے کی تمنا دیکھو
جرم نظارہ پہ کون اتنی خوشامد کرتا — اب بھی وہ روٹھے ہیں لو اور تماشا دیکھو
کہنے سننے سے تو چھوڑیں گے نہ وہ صحبت غیر — چال اب ہم بھی کوئی چلتے ہیں اچھا دیکھو
دو ہی دن میں وہ مروت ہے نہ وہ چاہ نہ پیار — ہم نے پہلے ہی یہ تم سے نہ کہا تھا دیکھو
ہم نہ کہتے تھے بناوٹ سے ہے سارا غصہ — ہنس کے لو پھر وہ انھوں نے ہمیں دیکھا دیکھو
مستی حسن سے اپنی بھی نہیں تم کو خبر — کیا سنو عرض مری حال میرا کیا دیکھو
گھر سے ہر وقت نکل آتے ہو کھولے ہوئے بال — شام دیکھو نہ مری جان سویرا دیکھو
خانۂ جاں میں نمودار ہے اک پیکر نور — حسرتو آؤ اور رخ یار کا جلوا دیکھو
سامنے سب کے مناسب نہیں ہم پر یہ عتاب — سر سے ڈھل جائے نہ غصہ میں دوپٹا دیکھو
دوستو ترک محبت کی نصیحت ہے فضول — اور نہ مانو تو دل زار کو سمجھا دیکھو
وعدۂ وصل کو ہنس ہنس کے نہ ٹالو کل پر — تم نے پھر آج نکالا وہی جھگڑا دیکھو
سر کہیں بال کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں — ان کا سونا بھی ہے کس شان کا سونا دیکھو
غیر سے مل کے بھلا عذر کی حاجت کیا تھی — تم نے پھر مجھ کو نہ کانٹوں میں گھسیٹا دیکھو
اب وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں ستمگر ہیں جو ہم — دل کسی اور سے کچھ روز کو بہلا دیکھو
جان کیا چیز ہے رکھیں گے جسے تم سے دریغ — ہو نہ باور تو کسی دن ہمیں فرما دیکھو
ہوس دید مٹی ہے نہ مٹے گی حسرت — دیکھنے کے لیے چاہو انھیں جتنا دیکھو

سمجھ ہی میں نہیں آتا کچھ ایسے دلربا تم ہو — قیامت ہو غضب ہو قہر ہو آفت ہو کیا تم ہو
اندھیرے میں وہ آ لپٹے تھے پہلے کس کے دھوکے میں — کہ جب آخر مجھے دیکھا تو شرما کر کہا تم ہو

زمانے میں اگر کوئی نہیں اپنا تو کیا پروا
کسی سے کیا غرض مجھ کو کہ میرا آسرا تم ہو

رگ جاں سے بھی ہو نزدیک لیکن وائے محرومی
ابھی تک جانتے ہیں سب یہی تم کو جدا تم ہو

ندامت کیوں نہ ہو حسرت غرور پادشاہی کو
سمجھنا چاہیے تھا کس کے کوچے کے گدا تم ہو

ردیف ہ

قابو میں نہیں ہے دل شیدائے مدینہ
کب دیکھیے بر آئے تمنائے مدینہ

خوشبوئے رسالت سے ہے ازبسکہ معطر
ہر ذرہ آبادی و صحرائے مدینہ

ق

ہے بے خودی عشق حقیقی کا شناسا
ہر دل کہ ہے مخمور تولائے مدینہ

آتی ہے جو ہر شے سے یہاں انس کی خوشبو
دنیائے محبت ہے کہ دنیائے مدینہ

ہے شام اگر گیسوئے احمد کی سیاہی
تو نور خدا صبح دلارائے مدینہ

اے وہ کہ سرور ابدی کا ہے طلب گار
پی ساغر دل سے مئے مینائے مدینہ

ڈر غلبۂ اعدا سے نہ حسرت کہ ہے نزدیک
فرمائیں مدد سید والائے مدینہ

جن و ملک ہیں خدام درگاہ
رتبے سے تیرے ہو کون آگاہ

میں اور ولائے کفار گمراہ
استغفر اللہ استغفر اللہ

کافی ہیں تیرے سودائیوں کو
جان ہائے روشن دل ہائے آگاہ

اس نازنیں کی محفل میں ایک دن
لے چل مجھے بھی اے شوق ہمراہ

فرقت کی شب میں کیا ہو جو حسرت
آجائے مجھ تک وہ شوخ ناگاہ

دستگیری کا طلبگار ہوں شیئاً للّٰہ
میر بغداد میں ناچار ہوں شیئاً للّٰہ

حال دل شرم سے اب تک نہ کہا تھا لیکن
آج میں درپئے اظہار ہوں شیئاً للّٰہ

مجھ سے اب دین کی پستی نہیں دیکھی جاتی
غلبہ کفر سے بیزار ہوں شیئاً للّٰہ

پائے رفتن ہے نہ ہے ہند میں جائے ماندن　　سخت مشکل میں گرفتار ہوں شیئاً للّٰہ
غوث اعظم سے جو مانگو گے ملے گا حسرت　　پس کہو حاضر دربار ہوں شیئاً للّٰہ

گھٹے گا تیرے کوچے میں وقار آہستہ آہستہ　　بڑھے گا عاشقی کا اعتبار آہستہ آہستہ
جلائے شوق سے آئینۂ تصویر خاطر میں　　نمایاں ہو چلا روئے نگار آہستہ آہستہ
ملا کر خاک میں مجھ کو جھکی ہے شرم سے لیکن　　اٹھے گی پھر وہ چشم فتنہ کار آہستہ آہستہ
اثر کچھ کچھ رہے گا وصل میں بھی رنج فرقت کا　　دل مضطر کو آئے گا قرار آہستہ آہستہ
نہ آئیں گے وہ حسرت انتظار شوق میں یونہیں　　گزر جائیں گے ایام بہار آہستہ آہستہ

ردیف ی

نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے　　وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
دلوں کو فکر دو عالم سے کردیا آزاد　　ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے
امیدوار ہیں ہر سمت عاشقوں کے گروہ　　تری نگاہ کو اللہ دل نواز کرے
ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت　　اب آگے تری خوشی ہے جو سرفراز کرے

لایا ہے دل پہ کتنی خرابی　　اے یار تیرا حسن شرابی
پیراہن اس کا ہے سادہ رنگیں　　یا عکس مے سے شیشہ گلابی
عشرت کی شب کا وہ دور آخر　　نور سحر کی وہ لاجوابی
پھرتی ہے اب تک دل کی نظر میں　　کیفیت ان کی وہ نیم خوابی
اس قید غم پہ قربان حسرت　　عالی جنابی گردوں رکابی

اور تو پاس مرے ہجر میں کیا رکھا ہے — اک ترے درد کو پہلو میں چھپا رکھا ہے
دل سے ارباب وفا کا ہے بھلانا مشکل — ہم نے یہ ان کے تغافل کو سنا رکھا ہے
تم نے بال اپنے جو پھولوں میں بسا رکھے ہیں — شوق کو اور بھی دیوانہ بنا رکھا ہے
آہ وہ یاد کہ اس یاد کو ہوکر مجبور — دل مایوس نے مدت سے بھلا رکھا ہے
کیا تامل ہے مرے قتل میں اے بازوئے یار — ایک ہی وار میں سرتن سے جدا رکھا ہے
نگہ یار سے پیکان قضا کا مشتاق — دل مجبور نشانے پہ کھلا رکھا ہے
اس کا انجام بھی کچھ سوچ لیا ہے حسرت — تو نے ربط ان سے جو اس درجہ بڑھا رکھا ہے

نہ ہو اس کی خطا پوشی پہ کیوں ناز گنہگاری — نشان شان رحمت بن گیا داغ سیہ کاری
وفا ہے دشمنی رکھ کر مرے دل کی طلب گاری — بہت مشکل ہے اس جنس گرامی کی خریداری
ہوئیں ناکامیاں بدنامیاں رسوائیاں کیا کیا — نہ چھوٹی ہم سے لیکن کوئے جاناں کی ہواداری
نہیں غم جیب و دامن کا مگر ہاں فکر ہے اتنی — نہ اٹھے گا مرے دست جنوں سے رنج بیکاری
نہ چھوڑا مرتے دم تک ساتھ بیمار محبت کا — قسم کھانے کے قابل ہے ترے غم کی وفاداری
نہ ان کو رحم آتا ہے نہ مجھ سے صبر ہے ممکن — کہیں آسان ہو یارب محبت کی یہ دشواری
وفور اشک پیہم سے ہجوم شوق بے حد میں — مری آنکھوں سے ہے اک آبشار آرزو جاری
نہیں کھلتی مری نسبت تری اے حیلہ جو مرضی — کہ ہے اقرار دلجوئی نہ انکار ستمگاری
نہ کر اتنا ستم ہم درد مندوں پر کہ دنیا سے — مبادا ایک قلم اٹھ جائے تہذیب وفاداری
خوشی سے ختم کر لے سختیاں قید فرنگ اپنی — کہ ہم آزاد ہیں بیگانۂ رنج دل آزاری
نہ دیکھے اور دل عشاق پر پھر بھی نظر رکھے — قیامت ہے نگاہ یار کا حسن خبرداری
یہی عالم رہا گر اس کے حسن سحر پرور کا — تو باقی رہ چکی دنیا میں راہ و رسم ہشیاری
وہ جرم آرزو پر جس قدر چاہیں سزا دے لیں — مجھے خود خواہش تعزیر ہے ملزم ہوں اقراری

چلا برسات کا موسم نہ چھوٹے قید غم سے ہم — بڑی بے لطفیوں میں اب کی گزرا وقت مےخواری
نسیم دہلوی کو وجد ہے فردوس میں حسرت — جزاک اللہ تیری شاعری ہے یا فسوں کاری

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی — اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی
دشوار ہے رندوں پر انکار کرم یکسر — اے ساقی جاں پرور کچھ لطف و عنایت بھی
دل بسکہ ہے دیوانہ اس حسن گلابی کا — رنگیں ہے اسی رو سے شاید غم فرقت بھی
خود عشق کی گستاخی سب تجھ کو سکھا لے گی — اے حسن حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی
عشاق کے دل نازک اس شوخ کی خو نازک — نازک اسی نسبت سے ہے کار محبت بھی
ہر چند ہے دل شیدا حریت کامل کا — منظور دعا لیکن ہے قید محبت بھی
ہیں شاد و صفی شاعر یا شوق و وفا حسرت — پھر ضامن و محشر ہیں اقبال بھی وحشت بھی

آنکھوں کو انتظار سے گرویدہ کر چلے — تم یہ تو خوب کار پسندیدہ کر چلے
اظہار التفات کے پردے میں اور بھی — وہ عقدہ ہائے شوق کو پیچیدہ کر چلے
ہم بے خودوں سے چھپ نہ سکا راز آرزو — سب ان سے عرض حال دل و دیدہ کر چلے
تسکین اضطراب کو آئے تھے وہ مگر — چاہیوں کی روح کو بالیدہ کر چلے
یہ طرفہ ماجرا ہے کہ حسرت سے مل کے وہ — کچھ جان و دل کو اور بھی شوریدہ کر چلے

ارباب اشتیاق سے پروانہ چاہیے — اے حسن خودنما تجھے ایسا نہ چاہیے
ان کا ستم بھی عین کرم ہے خواص کو — اس کا مگر عوام میں چرچا نہ چاہیے
کچھ حد سے بڑھ چلی ہیں تری کج ادائیاں — اس درجہ اعتبار تمنا نہ چاہیے
اخفائے عشق مدنظر ہو تو حسن سے — اظہار آرزو میں محابانہ چاہیے
حسرت کی طرح اور بھی مشتاق ہیں بہت — اس حسن بے مثال کو چھپنا نہ چاہیے

روشِ حسن مراعات چلی جاتی ہے
ہم سے اور ان سے وہی بات چلی جاتی ہے

ہم سے ظاہر میں وہ ہر چند خفا ہیں لیکن
کوششِ پرسشِ حالات چلی جاتی ہے

دن کو ہم ان سے بگڑتے ہیں وہ شب کو ہم سے
رسمِ پابندیٔ اوقات چلی جاتی ہے

اس ستمگر کو ستمگر نہیں کہتے بنتا
سعیٔ تاویلِ خیالات چلی جاتی ہے

حیرتِ حسن نے مجبور کیا ہے حسرت
وصلِ جاناں کی یونہیں رات چلی جاتی ہے

تو ذکرِ عہدِ کرم ناآشنا ہوجایئے
بندہ پرور جایئے اچھا خفا ہوجایئے

میرے عذرِ جرم پر مطلق نہ کیجے التفات
بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر کج ادا ہوجایئے

خاطرِ محروم کو کردیجیے محوِ الم
درپئے ایذائے جانِ مبتلا ہوجایئے

راہ میں ملیے کبھی مجھ سے تو ازراہِ ستم
ہونٹ اپنا کاٹ کر فوراً جدا ہوجایئے

گر نگاہِ شوق کو محوِ تماشا دیکھیے
قہر کی نظروں سے مصروفِ سزا ہوجایئے

میری تحریرِ ندامت کا نہ دیجیے کچھ جواب
دیکھ لیجیے اور تغافل آشنا ہوجایئے

مجھ سے تنہائی میں گر ملیے تو دیجیے گالیاں
اور بزمِ غیر میں جانِ حیا ہوجایئے

ہاں یہی میری وفائے بے اثر کی ہے سزا
آپ کچھ اس سے بھی بڑھ کر پُر جفا ہوجایئے

جی میں آتا ہے کہ اس شوخِ تغافل کیش سے
اب نہ ملیے پھر کبھی اور بے وفا ہوجایئے

دل سے یادِ روزگارِ عاشقی دیجیے نکال
آرزوئے شوق سے ناآشنا ہوجایئے

کاوشِ دردِ جگر کی لذتوں کو بھول کر
مائلِ آرام و مشتاقِ شفا ہوجایئے

ایک بھی ارماں نہ رہ جائے دلِ مایوس میں
یعنی آخر بے نیازِ مدعا ہوجایئے

بھول کر بھی اس ستم پرور کی پھر آئے نہ یاد
اس قدر بیگانۂ عہدِ وفا ہوجایئے

ہائے رے بے اختیاری یہ تو سب کچھ ہو مگر
اس سراپا ناز سے کیونکر خفا ہوجایئے

چاہتا ہے مجھ کو تو بھولے نہ بھولوں میں تجھے
تیرے اس طرز تغافل کے فدا ہو جائیے
کشمکش ہائے الم سے اب یہ حسرت جی میں ہے
چھٹ کے ان جھگڑوں سے مہمان قضا ہو جائیے

اثر تیرے تغافل کا رقیب کامراں تک ہے
وجود رشک یعنی اضطراب بدگماں تک ہے
ابھی دیکھی نہیں گستاخیاں جوش تمنا کی
تمھاری کم نگاہی التماس بے زباں تک ہے
چمن میں دور فصل گل ہے لیکن وائے محرومی
قیام بلبل مجبور رحم باغباں تک ہے
دل بیتاب کی بیباکیاں ان سے یہ کہتی ہیں
ذرا ہم بھی تو دیکھیں آپ کی شوخی کہاں تک ہے
سکھا دے گی ندامت شیوۂ قدر وفا ان کو
یہ شان کج ادائی میری جان ناتواں تک ہے
مجھے طوف حرم کی آرزو کیوں ہو گزر میرا
سر کوئے بتاں تک ہے در پیر مغاں تک ہے
وہی جور خزاں ہوگا وہی محرومیاں ہوں گی
نشاط بلبل بیدل بہار بوستاں تک ہے
کہاں سے آئیں گی نیرنگیاں ترکیب مومن کی
یہ لطف خوش بیانی حسرت رنگیں بیاں تک ہے

ترا ناز بھول بیٹھا مری سب نیاز مندی
بغرور دلربائی بہ یقین دل پسندی
نہ ہے اختیار تجھ پر نہ ہے اعتبار دل پر
ترے عاشقوں کا دیکھے کوئی رنگ مستمندی
مجھے شکوۂ جفا کی نہیں آنے پاتی نوبت
وہ ستم بھی گر کرے ہے تو بہ لطف ہوشمندی
تری بزم ناز ظالم ہے عجب طلسم حیرت
کہ جہاں ہے میرے دل کو سر خدمت پسندی
غم آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مری ہمتوں کی پستی میرے شوق کی بلندی

تھی راحت حیرت کی کس درجہ فراوانی
میں نے غم ہستی کی صورت بھی نہ پہچانی
اک میں ہوں سو کیا میں ہوں محروم فراغت ہوں
اک دل ہے سو کیا دل ہے مجبور پریشانی
کس درجہ پشیماں ہے تاثیر وفا میری
اس شوخ پہ آتا ہے الزام پشیمانی
دیکھ اے ستم جاناں یہ نقش محبت ہیں
بنتے ہیں بہ دشواری مٹتے ہیں بہ آسانی

میں اس بت بدخو کی اس آن پہ مرتا ہوں　　کھینچا نہ کبھی اس نے اندوہ پشیمانی
قائم ہے ترے دم سے طرز سخن قائم　　پھر ورنہ کہاں حسرت یہ رنگ غزل خوانی

مے نوشیوں میں بے خبر دو جہاں رہے　　ہم خوش رہے کہ بندۂ پیر مغاں رہے
اے وائے آرزوئے عنادل کی سادگی　　ممکن نہیں کہ جلوۂ گل جاوداں رہے
یہ مقتضائے رابطۂ حسن و عشق تھا　　ہم بدگماں ادھر وہ ادھر بدگماں رہے
رنج شب فراق کی مٹ جائیں سختیاں　　یوں ہیں اگر خیال ترا مہرباں رہے
ان سے شب وصال بھی کھل کر نہ ہم ملے　　تا صبح شکوہ ہائے جفا درمیاں رہے
دلچسپ کس قدر تھا مرا قصۂ وفا　　جب تک ہوا بیان وہ محو بیاں رہے
حسرت رواداری میں بھی اتنا رہے لحاظ　　اشعار میں تسیم کا رنگ بیاں رہے

اس نازنیں سے ہم کو جتنے گزند پہنچے　　سب دل پذیر پہنچے سب دل پسند پہنچے
دل پر گزر گئی کچھ، لب تک جبھی تو آخر　　آہیں بھی چند پہنچیں نالے بھی چند پہنچے
بے تابیوں نے آخر دعوائے صبر توڑا　　پہنچے لبوں پہ نالے گو بند بند پہنچے
کس کو نہیں تمنا اس بزم جانفزا کی　　نزدیک ہے کہ دل بھی ہو کر سپند پہنچے
باوصف نارسائی تا فلک یاس حسرت　　نالے ہمارے پہنچے اور سربلند پہنچے

یاد ہیں سارے وہ عیش بافراغت کے مزے　　دل ابھی بھولا نہیں آغاز الفت کے مزے
وہ سراپا ناز تھا بیگانۂ رسم جفا　　اور مجھے حاصل تھے لطف بے نہایت کے مزے
حسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق سے　　اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے
میری جانب سے نگاہ شوق کی گستاخیاں　　یار کی جانب سے آغاز شرارت کے مزے

یاد ہیں وہ حسن و الفت کی نرالی شوخیاں التماس عذر و تمہید شکایت کے مزے
صحبتیں لاکھوں مری بیماری غم پر نثار جس میں اٹھے بارہا ان کی عیادت کے مزے

میں ہوں مجبور دل ہے سودائی رخصت اے صبر اے شکیبائی
حسن کو ہے سرخود آرائی مژدہ اے آرزوئے شیدائی
نظر افروز اہل بینش ہے تیری پنہاںیوں میں پیدائی
محقق ہے جلوۂ رخ یار متحیر ہے محض بینائی
ہے وہ رنگیں ادا بہ شان وفا جان محبوبی و دلآرائی
مذہب عاشقی میں ہے اے عقل بے خودی انتہائے دانائی
اثر حسن یار سے آخر آگہی عشق میں بھی رعنائی
بندۂ بندگان حضرت عشق حسرت سرفراز رسوائی

خیال یار میں بھی رنگ و بوئے یار پیدا ہے یہ رنگیں ماجرائے عشق شیریں کار پیدا ہے
ترے روئے دلآرا کے تصور کا یہ عالم تھا کہ چشم شوق میں اک حسن کا گلزار پیدا ہے
مرے اصرار مضطر میں نہاں تھی میری مایوسی ترے اقرار آساں سے ترا انکار پیدا ہے
طریق عشق جاناں ہے جدا گبر و مسلماں کا یہیں سے اختلاف سبحہ و زنار پیدا ہے
وفا میری بشکل بے زبانی آشکارا تھی ستم تیرا برنگ پرسش اغیار پیدا ہے
حکیم دہلوی کی پیروی آساں نہیں حسرت تجھی سے ہے کہ یہ نیرنگی گفتار پیدا ہے

رسم جفا کامیاب دیکھیے کب تک رہے حب وطن مست خواب دیکھیے کب تک رہے
دل پہ رہا مدتوں غلبۂ یاس و ہراس قبضۂ حزم و حجاب دیکھیے کب تک رہے
تا بکجا ہوں دراز سلسلہ ہائے فریب ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھیے کب تک رہے

پردۂ اصلاح میں بعد کوشش تخریب کا
خلقِ خدا پر عذاب دیکھیے کب تک رہے
نام سے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم
جبر بہ زیرِ نقاب دیکھیے کب تک رہے
دولتِ ہندوستاں قبضۂ اغیار میں
بے عدد و بے حساب دیکھیے کب تک رہے
ہے تو کچھ اکھڑا ہوا بزمِ حریفاں کا رنگ
اب یہ شراب و کباب دیکھیے کب تک رہے
حسرتِ آزاد پر جورِ غلامانِ وقت
از رہِ بغض و عتاب دیکھیے کب تک رہے

کثرتِ مے التفات آموز مے نوشی نہ تھی
ورنہ غم خانے میں ساقی مجھ کو بے ہوشی نہ تھی
رحم تیرا تھا بہر صورت سزاوارِ ثنا
مدح میری بربنائے مصلحت کوشی نہ تھی
کیا ہوئے وہ دن کہ اربابِ نظر کی آنکھ سے
اس سراپا ناز کو پردائے روپوشی نہ تھی
تھا حجاب ان کا مری حیرت سے سرگرمِ کلام
تھی بظاہر خامشی در پردہ خاموشی نہ تھی
ظلمِ عصیاں سے مٹا حسرت نہ داغِ عشقِ یار
اور یہ کیا تھا اگر اس کی خطا پوشی نہ تھی

عرضِ کرم پہ ترکِ جفا بھی نہ کیجیے
ایسا نہ ہو کہ آپ ملا بھی نہ کیجیے
اس بے وفا سے مصلحتِ شوق ہے یہی
اپنی ستم کشی کا گلا بھی نہ کیجیے
پھر کہیے کس امید پہ ہم زندگی کریں
جب آپ التفات ذرا بھی نہ کیجیے
منظور ہے جو ترکِ محبت ہی آپ کو
ہم پر ہجومِ ناز و ادا بھی نہ کیجیے
حسرت یہ کیا ستم ہے کہ اک بت کے عشق میں
تو چاہتا ہے یادِ خدا بھی نہ کیجیے

برق کو ابر کے دامن میں چھپا دیکھا ہے
ہم نے اس شوخ کو مجبورِ حیا دیکھا ہے
یاد بھی دل کو نہیں صبر و سکوں کی صورت
جب سے اس ساعدِ رنگیں کو کھلا دیکھا ہے
پھر اسی لطفِ ستم کوش کا مشتاق ہے دل
ہم نے جس لطف کو ہم رنگِ جفا دیکھا ہے

تجھ میں کچھ بات ہے ایسی جو کسی میں نہ ملی — یوں تو اوروں سے بھی دل ہم نے لگا دیکھا ہے
دلِ بیتاب جو قابو میں نہیں ہے حسرت — نگہِ شوق نے کیا جانیے کیا دیکھا ہے

محبوبی و رنگینی ہیں جزو بدن تیری — سرشار محبت ہے خوشبوئے دہن تیری
مجبورِ وفا کرکے محروم کرم کرنا — بھولیں گی نہ یہ باتیں اے عہد شکن تیری
باطن میں وہ بے مہری ظاہر میں یہ دل جوئی — ہم خوب سمجھتے ہیں ترکیب سخن تیری
غارت گر تمکیں ہے آشوب دل و دیں ہے — یہ طرز نگہ تیرا یہ وضع حسن تیری
جو ہم سے چھپائی تھیں، ہم کو نہ بتائی تھیں — روشن ہیں وہ سب ہم پر باتیں من و تن تیری
اس شاہد رعنا کے اکرام اقامت سے — تقدیر چمک اٹھی اے ملکِ دکن تیری
تنہائی غربت سے مغموم نہ ہو حسرت — کب تک نہ خبر لیں گے یارانِ وطن تیری

ظاہر ملال رشک و رقابت نہ کیجیے — بہتر یہی ہے ان سے شکایت نہ کیجیے
یا جوشِ اضطراب کو ملزم نہ جانیے — یا دل کو آشنائے محبت نہ کیجیے
مٹنے نہ پائیں رنجشِ باہم کی لذتیں — رفع ملال و دفع کدورت نہ کیجیے
حائل شب وصال ہے کیوں پردۂ حجاب — اب اس کو درمیان سے رخصت نہ کیجیے
فوز عظیم عشق و جنوں کو سراہیے — پروائے اہل پند و ملامت نہ کیجیے
واقف ہیں خوب آپ کے طرز جفا سے ہم — اظہار التفات کی زحمت نہ کیجیے
آئین دلنوازی و احسان کو دیکھیے — ہم بے دلوں پہ جور کی شدت نہ کیجیے
میں ہوں گناہ گار تو دیجیے سزا مگر — اس درجہ میرے حال سے غفلت نہ کیجیے
مجبوریوں کو صبر سے مانا نہ جانیے — اندازۂ سکونِ طبیعت نہ کیجیے
عذر ستم ضرور نہ تھا آپ کے لیے — حسرت کو شرمسار ندامت نہ کیجیے

کون اس نگہ ناز کے قابو میں نہیں ہے ۔۔۔ پھر دل کی خطا کیا ہے جو پہلو میں نہیں ہے
دل ہائے پریشاں کی ہے رونق ترے غم سے ۔۔۔ اس نور کی جا خاطر یکسو میں نہیں ہے
حیف اس قدم شوق کی بے راہ روی پر ۔۔۔ جو اس گل رعنا کی تگاپو میں نہیں ہے
رعنائی و زیبائی و محبوبی و خوبی ۔۔۔ کیا بات ہے جو اس قد دلجو میں نہیں ہے
ہے کون سی ایسی وہ ادا دلبری کی ۔۔۔ پنہاں جو ترے گوشۂ ابرو میں نہیں ہے
پھر اور کہاں ہے دل گم گشتۂ حسرت ۔۔۔ آخر جو ترے طرۂ گیسو میں نہیں ہے

بند ایسی شورش غم کس دل مضطر میں ہے ۔۔۔ جس سے جنبش ہے زمیں کو آسماں چکر میں ہے
جلوہ فرما ہے جو وہ حسن خود آرا بے نقاب ۔۔۔ اک قیامت اور برپا عرصۂ محشر میں ہے
میرے غم خانے میں تاریکی ہے رنگ یاس کی ۔۔۔ جو نمایاں ہر طرف دیوار میں ہے در میں ہے
عارفوں کی روح بھی جس کے لیے ہے بے قرار ۔۔۔ ایسی کیا شے ہے وہ ساقی جو ترے ساغر میں ہے
بزم دشمن میں ہمارا بیٹھنا ہے ناگوار ۔۔۔ ہم پہ سب روشن ہے جو کچھ آپ کے تیور میں ہے
کس قدر بیباک ہے در پردہ کیسی بے حجاب ۔۔۔ وہ نظر پنہاں جو اس چشم حیا پرور میں ہے
ڈھونڈھتا کیا ہے دیار حسن میں اے مخلص عشق ۔۔۔ بے خبر جنس وفا ناپید اس کشور میں ہے
مرحبا حسرت بنائی خوب تصویر سخن ۔۔۔ رنگ مومن خوشنما کس درجہ اس پیکر میں ہے

قبضۂ یثرب کا سودا دشمنوں کے سر میں ہے ۔۔۔ اب تو انصاف اس ستم کا دست پیغمبر میں ہے
جور یورپ ہے بنا بیداریٔ اسلام کی ۔۔۔ خیر ہے دراصل یہ با آنکہ شکل شر میں ہے
خاطر افسردہ میں باقی ہے اب تک یاد عشق ۔۔۔ گرمیٔ آتش ہنوز اس مشت خاکستر میں ہے
قلت افواج ترکی پر نہ ہو اتنی دلیر ۔۔۔ ایک ہے سو کے لیے کافی جو اس لشکر میں ہے
اب خدا چاہے تو حسرت جلد ہوتا ہے بلند ۔۔۔ رایت حریت و حق جو کف انور میں ہے

دل کی جو ترکِ عشق سے حالت بدل گئی — وہ بے خودی وہ خرمیِ بے خلل گئی
مجھ کو فلک نے تجھ سے چھڑایا تو کیا ہوا — کیا تیری یاد بھی مرے دل سے نکل گئی
اب دل ہے اور فراغِ محبت کی راحتیں — تشویشِ زندگانی و فکرِ اجل گئی
آہ اس نگاہِ شوق کی مستی جو بے خبر — خوبی پہ روئے یار کے پہلے پھسل گئی
رنگینیوں کی جان ہے وہ پائے نازنین — میری نگاہِ شوق جہاں سر کے بل گئی
اچھا ہے گوشہ گیرِ قناعت ہوئے جو ہم — تکلیف ہم نشینیِ اہل و دول گئی
حسرت یہ دورِ جہل ہے دولت کو ہے فروغ — اب ہم سے قدردانیِ علم و عمل گئی

دلِ مایوس کو سرچشمۂ صدق و وفا کردے — گدازِ غم اگر چاہے تو مجھ کو باخدا کردے
عطا ہو اس وفا دشمن کو توفیقِ کرم یارب — نہیں تو پھر مجھی کو بے نیازِ مدعا کردے
تقاضا کر رہا ہے اب یہ حسنِ تازہ کار ان کا — کہ جس نے دل دیا تھا جان بھی ہم پر فدا کردے
اثر ایسا کہاں سے لاؤں یارب نالۂ دل میں — جو اس بے مہر کو بھی رازِ غم سے آشنا کردے
گراں گزرے گا حرفِ آرزو اس طبعِ نازک پر — نگاہِ شوق اس مفہومِ رنگیں کو ادا کردے
ہوا جاتا ہے نورِ عشق پر دودِ ہوس غالب — الٰہی اصلِ حق سے لوثِ باطل کو جدا کردے
غرورِ حسن کی تاثیر سے ڈر ہے مجھے حسرت — کہیں ایسا نہ ہو یہ عشق کو بھی خودنما کردے

مر کے ہم خاکِ راہِ یار ہوئے — سرمۂ چشمِ اعتبار ہوئے
فکرِ کونین سے نجات ملی — قیدیِ عشق رستگار ہوئے
ضبطِ غم تک ہے زندگی اپنی — مرمٹیں گے جو بے قرار ہوئے
اب نہ وہ شوق ہے نہ جوش و خروش — سب تری یاد پر نثار ہوئے
میری محرومیوں کی حد نہ رہی — تیرے احسان بے شمار ہوئے

نہ ہوا کوئی سرفراز کمال جب ہوئے تیرے خاکسار ہوئے
کیوں ہے بیکار جستجو حسرت وہ نہ ہوں گے نہ وہ دوچار ہوئے

تسکین ہو گئی نہ دل ناشکیب کی سب ہم پہ کھل گئیں تری باتیں فریب کی
ہر وضع دل پسند ہے ہر رنگ دل پذیر کیا بات ہے کسی کے تنِ جامہ زیب کی
حسن ذقن ہے روکش نور جبیں یار ہے طرفہ ماجرا یہ بلندی نشیب کی
دل ہے ہلاک اس سخن جاں نواز کا جان مبتلا ہے اس نگہِ دلفریب کی

یہ آج ہم سے جو چاہت جتائی جاتی ہے عدو سے ملنے کی خفت مٹائی جاتی ہے
غضب ہیں آپ سے سرگوشیاں ندیموں کی وہ بات کیا ہے جو ہم سے چھپائی جاتی ہے
وفور حسن سے ٹھہری بھی ہو جب ان پہ نظر یہ مجھ پہ مفت میں تہمت لگائی جاتی ہے
نہ مجھ کو اس کی خبر ہے نہ خود انھیں ہے خیال کچھ اس طرح سے محبت بڑھائی جاتی ہے
سفارش ان سے کرے کون جان پر غم کی کہ یہ غریب ہے ناحق ستائی جاتی ہے
دو چار ہو نظر شوق ان سے کیا حسرت نگاہِ یار تو دل میں سمائی جاتی ہے

دل میں کیا کیا ہوس دید بڑھائی نہ گئی روبرو ان کے مگر آنکھ اٹھائی نہ گئی
ہم رضا شیوہ ہیں تاویل ستم خود کر لیں کیا ہوا ان سے اگر بات بنائی نہ گئی
یہ بھی آداب محبت نے گوارا نہ کیا ان کی تصویر بھی آنکھوں سے لگائی نہ گئی
آہ وہ آنکھ جو ہر سمت رہی صاعقہ پاش وہ جو مجھ سے کسی عنواں ملائی نہ گئی
ہم سے پوچھا نہ گیا نام ونشاں بھی ان کا جستجو کی کوئی تمہید اٹھائی نہ گئی
دل کو تھا حوصلۂ عرض تمنا سو انھیں سرگزشت غم ہجراں بھی سنائی نہ گئی
غم دوری نے کشاکش تو بہت کی لیکن یاد ان کی دل حسرت سے بھلائی نہ گئی

جو وہ نظر بہ سرِ لطف عام ہوجائے
عجب نہیں کہ ہمارا بھی کام ہوجائے

شرابِ شوق کی قیمت ہے نقدِ جانِ عزیز
اگر یہ باعثِ کیف دوام ہوجائے

رہیں یاس رہیں اہلِ آرزو کب تک
کبھی تو آپ کا دربار عام ہوجائے

جو اور کچھ ہو تری دید کے سوا منظور
تو مجھ پہ خواہشِ جنت حرام ہوجائے

وہ دور ہی سے ہمیں دیکھ لیں یہی ہے بہت
مگر قبول ہمارا سلام ہوجائے

اگر وہ حسنِ دلآرا کبھی ہو جلوہ فروش
فروغ نور میں گم طرفِ بام ہوجائے

ترے کرم پہ ہے موقوف کامرانیٔ شوق
یہ ناتمام الٰہی تمام ہوجائے

ستم کے بعد کرم ہے جفا کے بعد عطا
ہمیں ہے بس جو یہی التزام ہوجائے

عطا ہو سوز وہ یارب جنونِ حسرت کو
کہ جس سے پختہ یہ سودائے خام ہوجائے

دل آرزوئے شوق کا اظہار نہ کردے
ڈرتا ہے مگر یہ کہ وہ انکار نہ کردے

ہشیار کہ اس پرسشِ پیہم کی نوازش
عشاق ستم کش کو ہوس کار نہ کردے

راضی برضا ہم ہیں بہرحال مگر ہاں
ڈر ہے کہ یہ خو تم کو ستمگار نہ کردے

فرقت میں ہو کیا حال اگر گریۂ مضطر
جان و دلِ حیران کو سبک بار نہ کردے

ہم جور پرستوں پہ گمانِ ترکِ وفا کا
یہ وہم کہیں تجھ کو گنہگار نہ کردے

سامانِ فراغت جو ترے پاس ہے اے دل
اک بار اسے نذرِ غمِ یار نہ کردے

آگاہ نہیں ہیں جو ابھی ذوقِ ستم سے
چتابیٔ دل ان کو خبردار نہ کردے

ہوتا ہے بڑا لذتِ آزار کا چسکا
مرنا بھی کہیں مجھ کو یہ دشوار نہ کردے

کچھ حد بھی ہے اس شورشِ خاموش کی حسرت
یہ کشمکشِ غم تجھے بیکار نہ کردے

روز و شب رویا کیے شام و سحر رویا کیے
رونے والے تیرے تجھ کو عمر بھر رویا کیے

بے وفائی سب سے کرکے تو نے دی دادِ وفا
تیری اس ہمت پہ تیرے نوحہ گر رویا کیے

خاکساری میں بھی تیری وضعداری کا تھا رنگ
یعنی ہم اس سے بھی کر کے درگزر رویا کیے

کچھ خبر ہے تجھ کو اے آسودۂ خواب لحد
شب جو تیری یاد میں ہم تا سحر رویا کیے

برق کے مرنے کا حسرت واقعہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کیے

ہر حال میں ناشادئ دل یاد رہے گی
پابندئ حرمانِ خدا داد رہے گی

معمورۂ عشق غم عجب دل کی ہے بستی
ہر چند اجاڑو اسے آباد رہے گی

انکار اور اک جرعۂ صہبا سے بھی انکار
ساقی یہ تری کم نگہی یاد رہے گی

نسبت جزو کل کی ہے یہ دنیائے عمل میں
اقوام کو محتاجئ افراد رہے گی

میں ہوں وہ رضا جو کہ طبیعت مری حسرت
ناکامئ جاوید سے بھی شاد رہے گی

گر وفادارئ اغیار کا غوغا ہے یہی
جان سے ہم بھی گزر جائیں گے سوچا ہے یہی

خندۂ اہل جہاں کی مجھے پروا کیا تھی
تم بھی ہنستے ہو مرے حال پہ رونا ہے یہی

ہم بھی ہوں در پئے انکار تو کچھ دور نہیں
کہ ترے جور نمایاں کا تقاضا ہے یہی

عین دانائی و حکمت ہے یہ نادانئ دل
ہمتِ عشقِ فداکار کا فتویٰ ہے یہی

مذہب عشق میں گنجائش تاویل کہاں
دین پر حیف ہے گرویں کا منشا ہے یہی

لے چلو ہم کو جدھر جائیں گے بے چون و چراں
مسلکِ اہل رضا جادۂ تقویٰ ہے یہی

دیکھ لیں نور خدا دیکھنے والے حسرت
یعنی اس چہرۂ انور میں چمکتا ہے یہی

مرمٹیں گے جو غم ہجر کی ایذا ہے یہی
اک نہ اک روز ترے عشق میں ہونا ہے یہی

یا ہماری ہی یہ قسمت ہے کہ محروم ہیں ہم
یا مگر ان کی محبت کا نتیجا ہے یہی

یہ جو ایک درد محبت کی خلش ہے حسرت
مقصدِ دل ہے یہی جان تمنا ہے یہی

وہ عرضِ وصل پہ بگڑے حجاب کے بدلے — نگاہ ناز نے پہلو عتاب کے بدلے
اگر ہوا بھی تو الٹا اثر دعا میں ہوا — سکونِ یاس ملا اضطراب کے بدلے
خدا کی شان فقیروں کی یاد آئی تمہیں — کرم کیا ستم اجتناب کے بدلے
بلائے جان ہیں شہیدوں کو تیرے حور و قصور — یہ کیا عذاب ملا ہے ثواب کے بدلے
فریب سب ہیں یہ آغازِ عشق کے حسرت — وہ لیں گے اس کرم بے حساب کے بدلے

تھا مژدۂ بخشش الٰہی — پیغام نسیم صبح گاہی
درپے ہے مرے وہ حق نیوش — ثابت ہوئی میری بے گناہی
ہے دل کی صلاح جاں فشانی — از راہِ کمالِ خیر خواہی
کچھ ربط جمال و شوق کا حال — معلوم نہ ہوسکا کماہی
روز و شب ہجر میں نہیں اب — کچھ فرق سپیدی و سیاہی
جا رہی ہے دیار عاشقی میں — فرمانِ ہلاکی و تباہی
زیبائش حسن دلبراں ہے — یہ کم نگہی یہ کج کلاہی
آرزوئے خلوص ہو، تو لاریب — دنیا طلبی ہے دین پناہی
دیتی ہے نگاہ یار حسرت — آگاہی راز کی گواہی

جو دور سے بھی نظر تجھ پہ یار ہم کرتے — ہزار جان گرامی نثار ہم کرتے
کسی پر اپنی محبت کا حال کیوں کھلتا — نظر بھی ان پہ جو بیگانہ وار ہم کرتے
غبار راہِ محبت اگر کہیں ملتا — تو اس کو تاجِ سرِ افتخار ہم کرتے
وہ بار بار سزا جرمِ شوق پر دیتے — مگر قصور وہی بار بار ہم کرتے
دلوں کی دشت تمنا میں تھی فراوانی — وہ کہتے ہیں کہ کہاں تک شکار ہم کرتے
وہ وقت بھی کبھی آتا کہ عرضِ حال کے بعد — تری جفا پہ تجھے شرمسار ہم کرتے

ابھی سے تجھ پہ فدا ہو گئے تو غم کیا ہے — کہ یہ وہی ہے جو پایانِ کار ہم کرتے
بڑا گناہ کیا ترک سے سے شک میں پڑے — یقین رحمتِ آمرزگار ہم کرتے
عدو سے کیوں ہیں وہ راضی نہ کچھ کھلا حسرت — کہ پھر طریق وہی اختیار ہم کرتے

تاثیر برقِ حسن جو ان کے سخن میں تھی — اک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی
واں سے نکل کے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب — آسودگی کی جان تری انجمن میں تھی
اک رنگ التفات بھی اس بے رخی میں تھا — اک سادگی بھی اس نگہ سحر فن میں تھی
محتاج بوئے عطر نہ تھا جسم خوبِ یار — خوشبوئے دلبری تھی جو اس پیرہن میں تھی
کچھ دل ہی بجھ گیا ہے مرا ورنہ آج کل — کیفیت بہار کی شدت چمن میں تھی
معلوم ہو گئی مرے دل کو ز راہِ شوق — وہ بات پیار کی جو ہنوز اس دہن میں تھی
غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی — جو روشنی کہ شامِ سوادِ وطن میں تھی
عیش گداز دل بھی غمِ عاشقی میں تھا — اک راحتِ لطیف بھی ضمنِ محن میں تھی
اچھا ہوا کہ خاطرِ حسرت سے مٹ گئی — ہیبت سی اک جو خطرۂ دار و رسن میں تھی

سرورِ دلِ عاشقاں ماہِ خوبی — شہنشاہِ خوباں ہے وہ شاہِ خوبی
ترا حسن کیونکر نہ ہو جانِ عالم — کہ ہے دلربائی بھی ہمراہِ خوبی
کوئی عاشقوں میں بھی ہم سا نہ ہوگا — وفادارِ خوباں ہوا خواہِ خوبی
ہوئے جاتے ہیں بندۂ عشق لاکھوں — زہے سطوتِ خوبی و جاہِ خوبی
نہیں عیب کچھ ان میں اور ہو بھی حسرت — تو ہم لوگ ہیں صرف آگاہِ خوبی

غمِ زمانہ سے دل کو فراغ باقی ہے — ہنوز ان کی محبت کا داغ باقی ہے

بہت خجل ہے ترے درد سے دعا میری   یہ خوف ہے کہ نہ سن لے کہیں خدا میری
جدھر کو اب وہ چلائے وہی ہے راہ مراد   رضائے یار سے وابستہ ہے رضا میری
چھپے وہ مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی   وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری
کبھی وہ آ کے مٹا دیں نہ انتظار کا لطف   کہیں قبول نہ ہوجائے التجا میری
کبھی چرا کے جو روزن سے بھی تجھے دیکھوں   تو چور کی جو سزا ہو وہی سزا ہو میری
وصال یار کی منزل قریب ہے حسرت   ہوئی ہے آرزوئے شوق رہنما میری

میں ہوں کیا میری محبت کی حقیقت کیا ہے   اس نے یہ بھی تو نہ پوچھا تری حالت کیا ہے
جس کی ذلت میں بھی عزت ہے سزا میں بھی مزا   کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ محبت کیا ہے
رند سے نوش کبھی صوفی صافی ہے کبھی   حسرت آخر یہ ترا رنگ طبیعت کیا ہے

جان کہ پے دوست رواں ہوگئی   بے خبر کون و مکاں ہوگئی
یاس ہے مایوس کہ چشم امید   پھر تری جانب نگراں ہوگئی
دلبری حسن ترے عہد میں   فتنۂ ہر پیر و جواں ہوگئی
ہم سے تھی مخصوص پر اب وہ نظر   مایۂ ناز و گراں ہوگئی
جسم کی تکلیف ترے شوق میں   میرے لیے راحت جاں ہوگئی
موت سے پوری ہوئی شرط وفا   پر نہ کہا تم نے کہ ہاں ہوگئی
ضبط سے حسرت نہ چھپا راز غم   حالت دل صاف عیاں ہوگئی

ضیائے مہر ہے نور قمر ہے   جمال یار ہر سو جلوہ گر ہے
چلے ہیں پھوڑنے کو سر کہاں ہم   کہ اس در تک بھلا کس کا گزر ہے
دل مضطر کو ڈھونڈو اس گلی میں   وہیں ہوگا کہیں موجود اگر ہے

وظیفے سب چھٹے اک نام تیرا — دعائے شام ہے وردِ سحر ہے
بظاہر بے خبر ہے عقلِ حسرت — حقیقت میں اسے سب کچھ خبر ہے

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے — ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے
باہزاراں اضطراب وصد ہزاراں اشتیاق — تجھ سے وہ پہلے پہل دل کا لگانا یاد ہے
بار بار اٹھنا اسی جانب نگاہِ شوق کا — اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے
تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بیباک ہو جانا مرا — اور ترا دانتوں میں وہ انگلی دبانا یاد ہے
کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً — اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے
جان کر سوتا تجھے وہ قصدِ پابوسی مرا — اور ترا ٹھکرا کے سر وہ مسکرانا یاد ہے
جب سوا میرے تمہارا کوئی دیوانہ نہ تھا — سچ کہو کچھ تم کو بھی وہ کارخانہ یاد ہے
غیر کی نظروں سے بچ کر سب کی مرضی کے خلاف — وہ ترا چوری چھپے راتوں کا آنا یاد ہے
آ گیا گر وصل کی شب بھی کہیں ذکرِ فراق — وہ ترا رو رو کے مجھ کو بھی رلانا یاد ہے
دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لیے — وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے
آج تک نظروں میں ہے وہ صحبتِ راز و نیاز — اپنا جانا یاد ہے تیرا بلانا یاد ہے
میٹھی میٹھی چھیڑ کر باتیں نرالی پیار کی — ذکرِ دشمن کا وہ باتوں میں اڑانا یاد ہے
دیکھنا مجھ کو جو برگشتہ تو سو سو ناز سے — جب منا لینا تو پھر خود روٹھ جانا یاد ہے
چوری چوری ہم سے تم آ کر ملے تھے جس جگہ — مدتیں گزریں پر اب تک وہ ٹھکانا یاد ہے
باوجودِ ادعائے اتقا حسرت مجھے — آج تک عہدِ ہوس کا وہ فسانہ یاد ہے

پردے سے اک جھلک جو وہ دکھلا کے رہ گئے — مشتاقِ دید اور بھی للچا کے رہ گئے
گم کردہ راہِ عشق فنا کیوں نہ ہو گیا — احسان جو اس پہ خضر و مسیحا کے رہ گئے
آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حسن — آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے

ملنے کی ان سے ایک بھی صورت نہ بن پڑی — سارے سودے دل دانا کے رہ گئے
ٹوکا جو بزم غیر سے آتے ہوئے انھیں — کہتے بنا نہ کچھ وہ قسم کھا کے رہ گئے
بیباک تھا زبسکہ مرا اضطراب شوق — شرما کے وہ کبھی کبھی جھنجھلا کے رہ گئے
کیا دل میں آ گئی جو زراہ کمال رحم — دعویٰ وہ میرے قتل کا فرما کے رہ گئے
پہلے تو خون میرا بہایا خوشی خوشی — پھر کیا وہ خود ہی سوچ کہ پچھتا کے رہ گئے
دعویٰ عاشقی ہے تو حسرت کرو نباہ — یہ کیا کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے

حور و غلماں پہ کیوں فدا ہوتے — اہل ظاہر جو پارسا ہوتے
کچھ بھی ہوتا جو اختیار اپنا — تجھ سے کاہے کو ہم جدا ہوتے
شوق کو اتقا سے کیا نسبت — رند ہوتے نہ ہم تو کیا ہوتے
کس قدر سہل ہے حصول بقا — دیر لگتی نہیں فنا ہوتے
حال دل ان سے کیوں کہا حسرت — تم نہ کہتے نہ وہ خفا ہوتے

آپ نے قدر کچھ نہ کی دل کی — اڑ گئی مفت میں ہنسی دل کی
خو ہے ازبسکہ عاشقی دل کی — غم سے وابستہ ہے خوشی دل کی
یاد ہر حال میں رہے وہ مجھے — الغرض بات رہ گئی دل کی
مل چکی ہم کو ان سے داد وفا — جو نہیں جانتے لگی دل کی
چین سے محو خواب ناز ہیں وہ — بے کلی ہم نے دیکھ لی دل کی
ہمہ تن صرف ہوشیاریٔ عشق — کچھ عجب شے ہے بے خودی دل کی
ان سے کچھ تو ملا وہ غم ہی سہی — آبرو کچھ تو رہ گئی دل کی
وہ جو بگڑے رقیب سے حسرت — اور بھی بات بن گئی دل کی

نشاطِ ستم بے حساب رہنے دے
خراب حالِ وفا کو خراب رہنے دے

نہ چھیڑ دیکھ انھیں محوِ خواب رہنے دے
خدا کے واسطے اے اضطراب رہنے دے

شتاب کارِ محبت ہوں میں نہیں معلوم
کہ چین سے انھیں کب تک حجاب رہنے دے

ہزار عشق تری چشمِ نیم وا پہ نثار
نہ ڈال مجھ پہ یہ افسونِ خواب رہنے دے

بڑے عذاب میں ہے جانِ مے کشاں ساقی
نہیں شراب تو ذکرِ شراب رہنے دے

تجھے یہ کس نے سکھائی فریبِ حسن کی بات
کہ اہلِ شوق کو ناکامیاب رہنے دے

میں چاہتا تو بہت ہوں کہ چپ رہوں حسرت
پہ جب یہ خاطرِ بے صبر وتاب رہنے دے

مجھ کو مغلوبِ آں و ایں نہ کرے
یوں بھی وہ امتحاں کہیں نہ کرے

جو بگڑنے میں بھی بنے وہ حسیں
فکرِ آرائشِ جبیں نہ کرے

اور پھر کس سے ہو جو گریۂ خوں
قدرِ دامان و آستیں نہ کرے

ربط ہے غیر سے ضرور تمھیں
کوئی کب تک بھلا یقیں نہ کرے

لذتِ عاشقی ہے اس پہ حرام
جو ترے غم کو دل نشیں نہ کرے

غرق سے کون ہے وہ میرے سوا
جو کسی حال میں نہیں نہ کرے

ستم اتنا نہ کر کہ خو یہ کہیں
صبرِ حسرت کو نکتہ چیں نہ کرے

مستی کے پھر آگئے زمانے
آباد ہوئے شراب خانے

ہر پھول چمن میں زربکف ہے
بانٹے ہیں بہار نے خزانے

کردوں گا میں ہر ولی کو میخوار
توفیق جو دی مجھے خدا نے

ہم نے تو نثار کردیا دل
اب جانے وہ شوق یا نہ جانے

ایسا تو ہوا کہ ہیں وہ نادم
اتنا تو کیا مری وفا نے

مسکن ہے قفس میں بلبلوں کا
ویران پڑے ہیں آشیانے

اب دل ہے نہ عاشقی کے چرچے — سب خواب وہ ہوگئے فسانے
باقی نہ رہا وہ غم کا سامان — جاری نہ رہے وہ کارخانے
اب کاہے کو آئیں گے وہ حسرت — آغاز جنوں کے پھر زمانے

خیالِ یار جو معروفِ کار ہوتا ہے — قرار بخشِ دلِ بے قرار ہوتا ہے
نگاہِ اہلِ تمنا سے ان کی محفل میں — خمارِ بے خبری آشکار ہوتا ہے
جنوں میں عقدۂ حیرانی نظر سے کھلا — خیالِ محوِ تماشائے یار ہوتا ہے
وہی قلوب جو حرماں نصیب ہوتے ہیں — انھیں میں شوق ترا بے شمار ہوتا ہے
سکونِ شوق کی صورت نکل چکی حسرت — کہ دل کے ساتھ جگر بھی فگار ہوتا ہے

اس محوِ تغافل کی جفا میرے لیے ہے — صد شکر کہ اتنا تو روا میرے لیے ہے
دشمن کے مٹانے سے مٹا ہوں نہ مٹوں گا — اور یوں تو میں فانی ہوں فنا میرے لیے ہے
پاکر مجھے بے کس تری رحمت یہ پکاری — یہ بندۂ بے برگ و نوا میرے لیے ہے
دعوت میں تری میں بھی ہوں معلوم ہے لیکن — کیا غیر کی خاطر سے ہے کیا میرے لیے ہے
اوروں پہ نوازش میں جو بیباک ہے حسرت — قسمت سے وہ مجبورِ حیا میرے لیے ہے

تیرا کرم جور نما میرے لیے ہے — یہ درد کہ ہے جان دوا میرے لیے ہے
میں اپنی مصیبت پہ ہوں نازاں کہ وہ خوش ہیں — مجھ سے کہ یہ پابندِ ابلا میرے لیے ہے
غیروں سے کبھی ہے انھیں نفرت کبھی الفت — ان دونوں سے اک بات جدا میرے لیے ہے
ایسا تو نہ ہوگا کہ نہ پہنچوں گا ترے در تک — جب تیری کشش راہ نما میرے لیے ہے
دیکھا تو کہا مجھ کو غمِ یار نے حسرت — یہ سوختۂ بے سروپا میرے لیے ہے

نظارۂ پیہم کا صلا میرے لیے ہے — ہر سمت وہ رخ جلوہ نما میرے لیے ہے
زنہار اگر اہلِ ہوس تجھ پہ فدا ہوں — یہ مرتبۂ صدق و صفا میرے لیے ہے
بکر میں رضاکار مہیائے فنا ہوں — آوازۂ حق بانگِ درا میرے لیے ہے
خوشنودئ فجار کے پیرو ہیں یزیدی — تقلید شہ کرب و بلا میرے لیے ہے
محروم ہوں مجبور ہوں بیتاب وتواں ہوں — مخصوص ترے غم کا مزا میرے لیے ہے
مرجاؤں گا مے خانے سے نکلا جو کبھی میں — نظارۂ مے روح فزا میرے لیے ہے
تشخیص طبیباں پہ ہنسی آتی ہے حسرت — یہ دردِ جگر ہے کہ دوا میرے لیے ہے

دل غم این و آن کی خو نہ کرے — اس سے تیری ہی آرزو نہ کرے
صبر اب نام کو بھی دل میں نہیں — تگہ یار جستجو نہ کرے
تیری خوشبو کے بعد روح مری — گل جنت بھی ہو تو بو نہ کرے
مجھ میں تاب جمال یار کہاں — شوق انھیں میرے روبرو نہ کرے
جانِ حسرت کی ہجر میں تسکین — اور پھر کس سے ہو جو تو نہ کرے

عشق اے کیمیائے بہروزی — دے سبیل سعادت اندوزی
فکر دنیا سے دل رہا آزاد — اے ترا غم رہے مجھے روزی
دل میں ہے تری آرزو کہ نسیم — اک چمن میں وزاں ہے نوروزی
مل گیا نور عاشقی سے ہمیں — طرفہ سرمایۂ دل افروزی
کھل کے ہم سے کبھی وہ مل نہ سکے — باوجود کمالِ دل سوزی
تو اور اس نازنیں سے عرضِ وصال — اے دل ایسی بھی کیا بدآموزی
ان سے حسرت ملے جو حکم شکست — اس کو سمجھو نوید فیروزی

دام گیسو میں ترے اک دل ناشاد بھی ہے اے مرے بھولنے والے تجھے کچھ یاد بھی ہے
کیسے کہہ دوں اسے بیگانۂ الفت کہ وہ شوخ ظلم کرتا ہے مگر مانع فریاد بھی ہے
کوئے جاناں کی نہ مرغوب ہو کیوں دل کو ہوا آخر اس زلف کی نکہت کہیں برباد بھی ہے
کچھ مرے دل ہی سے مخصوص نہیں لذت غم خوش اسی حال میں جو ہر بھی ہے آزاد بھی ہے
لطفِ ظاہر پہ کہیں اس کے نہ جانا حسرت کہ وہ عیار جفا جو ستم ایجاد بھی ہے

عشق میں خوف جان سے درگزرے ہم نے ٹھانی جو دل میں کر گزرے
زندگی اچھی ہو کے ان سے جدا سخت گزرے گی اب اگر گزرے
شام فرقت کٹے نہ ہجر کی رات صبح گزرے نہ دوپہر گزرے
زندگی ہے اسی کا نام تو ہم ایسی درماندگی سے درگزرے
ان سے اظہار شوق کون کرے جان ہی سے کوئی مگر گزرے
خدمت بے نیاز جاناں میں کیوں مرے حال کی خبر گزرے
ان کے قدموں پہ رکھ دیا سر شوق ہم یہ کیا بے خودی میں کر گزرے
منتظر ہے متاع جان حسرت کہ ادھر بھی وہ فتنہ گر گزرے

زبانِ فصلِ گل آیا نسیم مشکبار آئی دلوں کو مژدہ ہو پھر جوش مستی کی بہار آئی
پھلا پھولا رہے گلزار یارب حسن خوباں کا مجھے اس باغ کے ہر پھول سے خوشبوئے یار آئی
سر پر شور بھی ایک بار تھا جس کو مری گردن ترے کوچے میں آج اے فتنۂ دوراں اتار آئی
تری محفل سے ہم آئے مگر باحال زار آئے تماشا کامیاب آیا تمنا بے قرار آئی
جو ان کے حسن سے بھی بڑھ گئی ہے بے قراری میں تڑپ ایسی کہاں سے عشق میں پروردگار آئی
یہ کیا اندھیر ہے اے دشمنِ اہل وفا تجھ سے ہوس نے کام جاں پایا محبت شرمسار آئی
بجا ہیں کوششیں ترک محبت کی مگر حسرت جو پھر بھی دل نوازی پر وہ چشم سحر کار آئی

شب فرقت میں یاد اس بے خبر کی بار بار آئی
بھلا ہم نے بھی چاہا مگر بے اختیار آئی

ترے فیض کرم سے دین کے دریا میں جوش آیا
ترے یمن قدم سے باغ ایماں میں بہار آئی

تری محفل سے اے پیر مغاں عاشق اکثر
مشیخت نے نواز آئی فضیلت سے گسار آئی

امیدیں تجھ سے تھیں وابستہ لاکھوں آرزو لیکن
بہت ہو کر تری درگاہ سے بے اعتبار آئی

الٰہی رنگ یہ کب تک رہے گا ہجر جاناں میں
کہ روز بے دلی گزرا تو شام انتظار آئی

تری بے اعتنائی کو یہ آخر کیا خیال آیا
جو میری پرسش غم کو بچشم اشکبار آئی

نہ ہاتھ آیا بجز رنج و بلا کچھ عشق حسرت کو
دیار حسن کی آب و ہوا ناساز گار آئی

چھپ کے اس نے جو خودنمائی کی
انتہا تھی یہ دل ربائی کی

مائل غمزہ ہے وہ چشم سیاہ
اب نہیں خیر پارسائی کی

دام سے ان کے چھوٹنا تو کہاں
یاں ہوس بھی نہیں رہائی کی

ہو کے نادم وہ بیٹھے ہیں خاموش
صلح میں شان ہے لڑائی کی

اس تغافل شعار سے حسرت
ہم میں طاقت نہیں جدائی کی

دے گئی کام ہم شوق کی تاثیر مجھے
مہرباں مجھ پہ ہوئے پا کے وہ دلگیر مجھے

خانۂ جاں میں رہے سب کی نظر سے پنہاں
کہیں مل جائے اگر آپ کی تصویر مجھے

اک نگاہ ہوس انگیز کا ملزم ہوں ضرور
اس کی منظور ہے جو دیجیے تعزیر مجھے

حسن و خواہش کی رعایت سے ملی ہیں کیا خوب
طبع مسرور تجھے خاطر دلگیر مجھے

کاٹ لوں اپنا گلا آپ کہ جھگڑا ہو تمام
کاش مل جائے کہیں آپ کی شمشیر مجھے

دیکھ رہتی ہیں اسے شوق کی آنکھیں ہر دم
اک ملی تھی جو کبھی آپ کی تحریر مجھے

خوب ہے فیصلۂ عشق، مبارک حسرت
نغمۂ عیش انھیں نالۂ شبگیر مجھے

بیجا ہے فصل گل میں اے دل یہ بے خروشی — مستانہ کیوں نہ گزرے ہنگامِ بادہ نوشی
مے خانہ بند رکھا رندانِ بے خبر کو — پیر مغاں نے یوں کی رندوں کی پردہ پوشی
دیدار کی طلب میں حد سے گزر چلی ہے — اپنی امیدواری ان کی بہانہ کوشی
افسانہ ہوگئی ہے دنیائے مغفرت میں — تیری عطا شعاری میری خطا فروشی
یوں کرتے ہیں جفا وہ اہلِ وفا پہ حسرت — رسمِ ستم ہے گویا آئینِ حق نیوشی

کون یہ دستِ یہ شمشیر نظر آتا ہے — مجھ کو اک عالمِ تصویر نظر آتا ہے
جلوۂ حسن سے رنگین دل پُر داغ مرا — شوق کے ہند میں کشمیر نظر آتا ہے
ولولے دل کے ترے غم کا ادب کیوں نہ کریں — اک جوانوں میں یہی پیر نظر آتا ہے
غیر سے ہنس کے وہ بولے مجھے پا کر بیباک — آج یہ طالبِ تعزیر نظر آتا ہے
پا سکا بار نہ اس بزم طرف میں شاید — حسرت اس درجہ جو دلگیر نظر آتا ہے

شورِ طفلاں چاہیے اے عشق سودائی مجھے — کیوں پسند آنے لگی صحرا کی تنہائی مجھے
اب تقاضا ہے یہ اس حسن تماشا دوست کا — ہر نظر دیکھا کرے بن کر تماشائی مجھے
اور بھی حسرت وہ کچھ رہنے لگے ہیں محوِ ناز — جب سے جانا ہے انھوں نے اپنا شیدائی مجھے

گھر کے آخر آج برسی ہے گھٹا برسات کی — میکدوں میں کب سے ہوتی تھی دعا برسات کی
موجبِ سورو سرور و باعثِ عیش و نشاط — تازگی بخشِ دل و جاں ہے ہوا برسات کی
شام سرما دلربا تھی صبح گرما خوشنما — دلربا خوشنما تر ہے فضا برسات کی
گرمی و سردی کے مٹ جاتے ہیں سب جس سے مرض — لال لال اک ایسی نکلی ہے دوا برسات کی
لازم و ملزوم ہیں ابرِ تر و دامانِ تر — درخورِ رحمت ہے حسرت یہ خطا برسات کی

مراد آرزو ہے مایۂ ناز تمنا ہے — مرے دل سے کوئی پوچھے کہ تو اے فتنہ گر کیا ہے
دل مجبور کو شکوا ہے تیری کج ادائی کا — وہ شکوہ جس سے تسلیم و رضا کی شان پیدا ہے
زہے تقدیر میری جاں نثاری پر ہے ناز اس کو — زہے قسمت غرور یار سرگرم تماشا ہے
تمہارے شیوۂ لطف و ستم سے خوب واقف ہیں — بہت کچھ ہم نے دیکھا ہے بہت کچھ ہم نے سمجھا ہے
گرفتار وفا رکھنے کی چالیں ہیں سمجھ حسرت — وہ دلداری جو پھر کرتے ہیں یہ بھی ایک دھوکا ہے

جہاں جاؤ جہانِ عشق میں اک شور برپا ہے — جدھر دیکھو تمہارے حسن روز افزوں کا چرچا ہے
نہ چھپتا مجھ سے تو کاہے کو راز عاشقی کھلتا — انھیں باتوں سے میں رسوا ہوں ظالم تو بھی رسوا ہے
بہت پچھتائے گا دیکھ اے دل ناکردہ کار آخر — غضب مایوسیاں ہوں گی محبت میں ابھی کیا ہے
چھڑتا ہے سپہر کینہ ور مجبور جاتے ہیں — جدائی ورنہ کس کو جانِ من تیری گوارا ہے
بہت کچھ ضبط غم کے بعد نالے لب تک آئے ہیں — ہماری بے قراری کی شکایت ان کو بیجا ہے
وہ ہنس دیتے ہیں اکثر دیکھ کر گرم نظر مجھ کو — غرض یہ ہے کہ روشن ہم پہ سارا حال تیرا ہے
وہ حسرت اب یہ کہتے ہیں کہ تجھ سے کیا ملے کوئی — وہ ہی قصے وہی جھگڑے وہی رونا رلانا ہے

نہ وہ راتوں کا آنا ہے نہ وہ دن کا بلانا ہے — خفا ہوکر انھیں مدنظر میرا ستانا ہے
کوئی قصہ کہانی کہہ کے چاہ اپنی جتانی ہے — کسی دن حال دل دھوکے میں تم کو بھی سنانا ہے
کسی دن صاف صاف انکار ہی کر دیں تو بہتر ہے — یونہیں منظور انھیں گر ربط باہم کا گھٹانا ہے
انھیں اندازہ ہے مطلوب میری بے قراری کا — نظر کو شوق پیدا کی ہے گھونگھٹ کا بہانا ہے
خفا ہم ان سے خود رہتے تھے ایک دن وہ بھی تھے حسرت — وہ ہم سے بے سبب روٹھے ہیں یہ بھی اک زمانا ہے

جذبۂ شوق کدھر کو لیے جاتا ہے مجھے
پردۂ راز سے کیا تم نے پکارا ہے مجھے

التفاتِ نگہ یار کے لائق میں کہاں
مجھ سے بیگانہ رہیں وہ یہی اچھا ہے مجھے

مر مٹا آپ پہ کون آپ نے یہ بھی نہ سنا
آپ کی جان سے دور آپ سے شکوا ہے مجھے

قوتِ عشق بھی کیا شے ہے کہ ہو کر مایوس
جب کبھی گرنے لگا ہوں میں سنبھالا ہے مجھے

مجھ سے بیکار وہ ظاہر میں خفا ہیں حسرت
جب میں چاہوں گا منالوں گا یہ دعویٰ ہے مجھے

پایا کہیں جو شکوہ گزار جفا مجھے
بولے وہ ہنس کے آپ نے یہ کیا کہا مجھے

نزدیک ہے کہ ان کے تغافل سے ہار کر
کرنی پڑے عتاب کی بھی التجا مجھے

منشائے ناز یار یہی ہے کہ عمر بھر
رکھے نیازمند مجھے مبتلا مجھے

افسردگی کے رنگ یہی ہیں تو ایک دن
پھر دردِ دل کی مانگنی ہوگی دعا مجھے

لاتی ہے شوق یار کی خوشبو دکن سے روز
دیوانہ کر نہ دے کہیں بادِ صبا مجھے

حسرت میں کیا بتاؤں کہ بھاتی ہے کس قدر
شہر و دیار یار کی آب و ہوا مجھے

ہونا پڑے جو آپ کے در سے جدا مجھے
دنیا میں اس گھڑی کو نہ رکھے خدا مجھے

کیا کہیے عرض حال پہ ہنس کر جو وہ کہیں
دیکھو انھیں! یہ دیں گے فریبِ وفا مجھے

افسوس کی ہے جا کہ عدو چاہے اور تمھیں!
کرنا پڑے تمھارے ستم کا گلا مجھے

ایمانِ جاں ہے اس بتِ کافر کی آرزو
جس نے کیا ہے مخزنِ صدق و صفا مجھے

اقرارِ وصل جس میں کیا تھا حضور نے
اب تک وہ یاد ہے سخنِ دلکشا مجھے

بھولے سے وہ ادھر بھی جو آ نکلے تھے کہیں
اس دن کا بھولتا ہی نہیں ماجرا مجھے

حسرت یہ کس کے حسن محبت کا ہے کمال
کہتے ہیں سب جو شاعرِ رنگیں نوا مجھے

ہر حال میں رہا جو ترا آسرا مجھے
مایوس کر سکا نہ ہجومِ بلا مجھے

ہر نغمے نے انھیں کی طلب کا دیا پیام
ہر ساز نے انھیں کی سنائی صدا مجھے

ہر بات میں انھیں کی خوشی کا رہا خیال
ہر کام سے غرض ہے انھیں کی رضا مجھے

رہتا ہوں غرق ان کے تصور میں روز شب
مستی کا پڑگیا ہے کچھ ایسا مزا مجھے

رکھیے نہ مجھ پہ ترکِ محبت کی تہمتیں
جس کا خیال تک بھی نہیں ہے روا مجھے

بیگانۂ ادب کیے دیتی ہے کیا کروں
اس محوِ ناز کی نگہِ آشنا مجھے

اس بے نشاں کے ملنے کی حسرت ہوئی امید
آب بقا سے بڑھ کے ہے زہرِ فنا مجھے

خلوص اب ہم وہ لائیں گے کہاں سے
نکل کر حلقۂ پیرِ مغاں سے

تمنا کو یہ ڈر ہے ان کے آگے
نکل جائے نہ کچھ میری زباں سے

بڑھے گی اور بھی اے شاہِ خوباں
تری خوبی مرے حسنِ بیاں سے

محبت ہوگئی ہے جھکتے جھکتے
جبینِ شوق کو اس آستاں سے

وہی حسرت کو ہے اب عاشقی سے
جو نسبت گرد کو ہو کارواں سے

وہ کیوں بگڑے مرے شورِ فغاں سے
شکایت ان سے تھی یا آسماں سے

ہمیں ان کا خیال اللہ اکبر
کہاں تک تھا کہاں تک ہے کہاں سے

کہاں تک پاکیٔ عشقِ نظر کو
شکایت ہو نہ حسنِ بدگماں سے

کہیں ان کے تصور کی بلندی
گزر جائے نہ حدِ لامکاں سے

کسی پہ مٹ کے رہ جانا ہے حسرت
ہمیں کیا کام عمرِ جاوداں سے

میانِ یاس شوق آیا کہاں سے
نہ ہو وہ بدگماں مجھ نیم جاں سے

ابھی شوقِ شہادت نے کوئی حرف
ق نکلا بھی نہ تھا میری زباں ے

کہ وہ بولے بھلا نسبت ہی کیا ہے — ترے سر کو مری تیغ رواں سے
چلے ہیں پھر وہیں فکر بتاں میں — ابھی ہم آئے بچ کر کوئے بتاں سے
وہ لب ہیں آج پھر صرف تبسم — پناہ اس التفاتِ شادماں سے
لیا کرتی ہے درس عشق حسرت — سخن سنجی مرے طرزِ بیاں سے

لب یار شکر فشاں ہو رہا ہے — شکار دل دوستاں ہو رہا ہے
جو تھا درد دل میں وہ اب نور جاں ہے — کہاں سے یہ ظالم کہاں ہو رہا ہے
بہت آج وہ مہرباں ہو رہے ہیں — مرے ضبط کا امتحاں ہو رہا ہے
حسینوں پہ جانیں فدا ہو رہی ہیں — وفا وعدۂ عاشقاں ہو رہا ہے
میں اب کیا کہوں تجھ سے بات اپنے دل کی — کہ تو بے کہے بدگماں ہو رہا ہے
تری یاد آرامِ دل بن رہی ہے — ترا نام وردِ زباں ہو رہا ہے
جسے درد جانا تھا ہم نے وہ حسرتؔ — محبت میں درمانِ جاں ہو رہا ہے

غزل گوئی رہی یکتا بیانِ عاشقاں میری — کہاں سے پھر کوئی لاتا بیاں میرا زباں میری
شبِ غم کیا خبر دیتی ہیں پیہم ہچکیاں میری — خداوندا انھیں کیوں یاد آئی ناگہاں میری
مرا انکار جرم عاشقی سے کون مانے گا — کہ صاف اقرارِ غم کرتی ہے چشم خوں فشاں میری
جہانِ حسن میں جب تک رہے گا آپ کا شہرا — زبانِ عشق پر جاری رہے گی داستاں میری
ہمارے شکوہ ہائے سخت جانی پر وہ کہتے ہیں — ابھی دیکھی نہیں ہے آپ نے تیغِ رواں میری
نہ جانے تھا وہ ایسا کیا مزا فکر محبت میں — کہ جس کے نام پر مرتی ہے طبعِ شادماں میری
انھیں اب ناز ہے خود اپنی صورت پر کہ برسوں سے — پرستش کر رہا ہے حسرتِ رنگیں بیاں میری

کیا وہ اب نادم ہیں اپنے جور کی روداد سے — لائے ہیں میرٹھ جو آخر مجھ کو فیض آباد سے
سیرِ گل کو آئی تھی جس دم سواری آپ کی — پھول اٹھا تھا چمن فخرِ مبارکباد سے
ہم کو تنہا کیوں ملے جورِ محبت کی سزا — جبکہ یہ سب کچھ ہوا تھا آپ کی امداد سے

اب تلک موجود ہے کچھ کچھ لگالائے تھے ہم
وہ جو ایک لپکا کبھی خاک جہاں آباد سے
دعوئے تقوی کا حسرت کس کو آتا ہے یقیں
آپ اور جاتے رہیں پیر مغاں کی یاد سے

محبت کیوں کرو گر ہو نہیں سکتی وفا مجھ سے
یہ تم نے کیا کہا مجھ کو یہ تم نے کیا کیا مجھ سے
بتان ماہرو کے حسن پر ایماں لایا ہوں
انھیں کو دیکھ کر ہوتی ہے اب یاد خدا مجھ سے
چھپاتے ہیں جسے وہ پردۂ بے اعتنائی میں
محبت کہہ رہی ہے حال اسی کا برملا مجھ سے
تمھارے منہ سے یہ تکرار بھی پرلطف ٹھہرے گی
وہی باتیں سہی جو کر چکے ہو بارہا مجھ سے
یہ ناز بے رخی دیکھو کہ بزم غیر میں گویا
شناسا ہوں نہ میں ان کا نہ ہیں وہ آشنا مجھ سے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیا انداز ہے تیرا
کبھی ہٹ بیٹھنا مجھ سے کبھی کھل کھیلنا مجھ سے
خیال ایک ان کا باقی تھا سو باقی اب بھی ہے حسرت
شب غم اور کیا لینے کو آئی تھی قضا مجھ سے

محبت کے عوض رہنے لگے ہر دم خفا مجھ سے
کہو تو ایسی کیا سرزد ہوئی آخر خطا مجھ سے
ملیں بھی وہ تو کیونکر آرزو بر آئے گی دل کی
نہ ہوگا خود خیال ان کو نہ ہوگی التجا مجھ سے
فلک سے بھی ہے کیا بڑھ کر بلندی بام جاناں کی
یہ پوچھا کرتی ہے اکثر مری آہ رسا مجھ سے
نکر سیر چمن کو آج وہ پھر آنے والے ہیں
ابھی کچھ کہہ رہی تھی کان میں باد صبا مجھ سے
محبت بھی عجب شے ہے کہ باوصف شناسائی
نہیں ہوتی مخاطب وہ نگاہ آشنا مجھ سے
تقاضا ہے یہی خوئے نیاز عشق بازی کا
نہ ہوگا اس سراپا ناز کا حسرت گلا مجھ سے

کرتے تو ہو اگرچہ نظر ہے عتاب کی
ہم کو ہے اس عذاب میں راحت ثواب کی
دنیا کو ہم بھی چھوڑ کے ہو جائیں گے فقیر
حالت یہی رہی جو ترے اجتناب کی
مضطر ہے شوق دید کہ نکلے گا کب وہ چاند
چھائی ہے جس پہ دیر سے بدلی نقاب کی
واعظ تری زبان سے اللہ کی پناہ
کیا کیا بیان کی ہے خرابی شراب کی
حسرت سبب ہے عشق ترے اضطراب کا
اب تک خبر نہیں تجھے اس انقلاب کی

دل اور تہیہ ترک خیال یار کرے
کسے یقین ہو کون اس پہ اعتبار کرے

قفس میں ہو دلِ بلبل شہید فرقت گل
خزاں نے جو نہ کیا تھا وہ اب بہار کرے

قرارِ جاں کے لیے اس نے شیوۂ تسکیں
کبھی جو اور کیا ہو تو اختیار کرے

نہ دل میں خون نہ آنکھوں میں اشک جاں کے سوا
کوئی اب ان پہ کرے بھی تو کیا نثار کرے

شب وصال ہے کوتاہ، نازیارو راز
ہجوم شوق سے کہہ دو کہ اختصار کرے

شکایت اس کے تغافل کی اس قدر نہ کروں
کہیں وہ پھر نہ مجھے مل کے شرمسار کرے

قریب ہے کہ ترے گیسوِ دراز کی بو
نسیم باغ جوانی کو مشکبار کرے

گزر چکی ہے تمنا کی حد سے دشواری
کہاں تک اور ترا کوئی انتظار کرے

وہ اب یہ چھیڑ سے کہتے ہیں "میرے غم نے تجھے
نہ بے قرار کیا ہے نہ بے قرار کرے"

میں کس خوشی سے دل و دیدہ فرش راہ کروں
اگر وہ ترک ادھر بھی کبھی گزار کرے

خدا سے اب یہ دعا ہے کہ جلد بادِ مراد
کہیں تلافی مافات روزگار کرے

ہے اک پیام ہمارا بھی اے نسیم دکن
خدا تجھے طرب افروز و غم شکار کرے

ملے جو اس سے تو کہنا کہ "تیرے شوق کا راز ق
کہاں تلک دل حسرت نہ آشکار کرے"

ان کو جو شغل ناز سے فرصت نہ ہو سکی
ہم نے یہ کہہ دیا کہ محبت نہ ہو سکی

شکر جفا بھی اہلِ رضا نے کیا ادا
ان سے یہی نہیں کہ شکایت نہ ہو سکی

شب کا یہ حال ہے کہ تری یاد کے سوا
دل کو کسی خیال سے راحت نہ ہو سکی

غرقِ سرور و سور مجھے پا کے دفعتاً
ناصح سے ترک مے کی نصیحت نہ ہو سکی

لطفِ مزید کی میں تمنا تو کر سکا
تم یہ تو کہہ سکے کہ قناعت نہ ہو سکی

کیوں اتنی جلد ہو گئے گھبرا کے ہم فنا
اے دردِ یار کچھ تری خدمت نہ ہو سکی

واعظ کو اپنے عیب ریا کا رہا خیال
رندوں کی صاف صاف مذمت نہ ہو سکی

اربابِ قال حال پہ غالب نہ آ سکے
زاہد سے عاشقوں کی امامت نہ ہو سکی

ایسا بھی کیا عتاب کہ ساقی بچی کھچی
آخر میں کچھ بھی ہم کو عنایت نہ ہو سکی

ان سے میں اپنے دل کا تقاضا نہ کرسکا   یہ بات تھی خلاف مروت نہ ہوسکی
حسرت تری نگاہِ محبت کو کیا کہوں   محفل میں رات ان سے شرارت نہ ہوسکی

ہر بات میں اک شان ہے بے ساختہ پن کی   تصویر ہے تقریر تری حسن سخن کی
بڑھ جائے گی عزت گل و نسرین و سمن کی   لائی ہے چمن میں انھیں تقدیر چمن کی
فرقت میں یہ عالم ہے ترے خستہ دلوں کا   کچھ ہوش ہے تن کا نہ خبر کچھ ہے بدن کی
ہونٹوں پہ ہنسی رہتی ہے آنکھوں میں تبسم   سب ختم ہیں ان پر صفتیں خلق حسن کی
ہے آج یہ کیا بات کہ بے ساختہ حسرت   یاد آتی ہے رہ رہ کے عزیزانِ وطن کی

سرِ حشر ان سے پھر صاحب سلامت ہونے والی ہے   ابھی اک اور بھی برپا قیامت ہونے والی ہے
حجاب اس مست کی آنکھوں سے رخصت ہونے والا ہے   مجھے ہر بات کی حاصل اجازت ہونے والی ہے
دمِ آخر مجھے دیکھا تو نادم ہو کے فرمایا   کسے معلوم تھا تیری یہ حالت ہونے والی ہے
خدا جانے عدو سے مشورے کیا ہوتے رہتے ہیں   نئی شاید کوئی مجھ پر عنایت ہونے والی ہے
وہ ازراہِ عطا مجھ پر کرم فرمانے والے ہیں   میری شام الم صبح مسرت ہونے والی ہے
تمنا کی بہت اچھی نہیں بیباکیاں حسرت   سنا ہے ان سے پھر تیری شکایت ہونے والی ہے

نگاہِ اہلِ نظر میں وہ نور بن کے رہے   قلوب اہل ولا میں سرور بن کے رہے
عجب نہیں کہ ترے عاشقوں کو ہے جو نصیب   وہ انکسار بھی وجہ غرور بن کے رہے
تری نوازشِ پیہم ہے ڈر یہی ہے کہ دل   کچھ اور بھی نہ کہیں ناصبور بن کے رہے
کسی کے جور و تغافل میں بھی ہمارے لیے   مزے، معانیِ بین السطور بن کے رہے
دیارِ حسن میں بیجا ہے کاروانِ عشق   مزا تو جب ہے کہ یاں بے شعور بن کے رہے
وہ جس گناہ کو کہہ دیں ثواب ہو وہ ثواب   جسے قصور بتا دیں قصور بن کے رہے
تری طلب میں اذیت عزیز ہو کے رہی   تری تلاش میں زحمت سرور بن کے رہے
جنوں کا زور یہی ہے تو کیا عجب حسرت   کہ رفتہ رفتہ یہ شورِ نشور بن کے رہے

ردیف الف

30 جولائی 1918

صدر بازار میرٹھ

خانقہ سے تا درِ پیرِ مغاں لے جائے گا
دل کہاں سے مجھ کو لایا ہے کہاں لے جائے گا

عاشقوں کے ہوں گے راہِ یار میں کیا کیا ہجوم
شوق جن کو کارواں در کارواں لے جائے گا

جس قدر چاہیں چھپا کر دل کو ہم رکھیں مگر
جب وہ آئے گا تو اک دن ناگہاں لے جائے گا

ہم ضعیفانِ محبت کا پہنچنا تھا محال
منزلِ مقصود تک وہ نوجواں لے جائے گا

قدر ہوگی میرے ضبطِ شوق کی اس دم عیاں
جب منا کر خود مجھے وہ جانِ جاں لے جائے گا

عشق نقدِ دل کے بدلے حسن کے بازار سے
مفت گویا دردکی جنسِ گراں لے جائے گا

رائیگاں حسرت نہ جائے گا مرا مشتِ غبار
کچھ زمیں لے جائے گی کچھ آسماں لے جائے گا

اگست 1919

شکوۂ غم ترے حضور کیا
ہم نے بیشک بڑا قصور کیا

دردِ دل کو تری تمنا نے
خوب سرمایۂ سرور کیا

یہ بھی اک چھیڑ ہے کہ قدرت نے　　تم کو خودبیں ہمیں غیور کیا
نور ارض و سما کو ناز یہ ہے　　کہ تری شکل میں ظہور کیا
آپ نے کیا کیا کہ حسرت سے　　نہ ملیے حسن کا غرور کیا

1921، کانپور

کبھی کی تھی جو اب دوا کیجیے گا　　مجھے پوچھ کر آپ کیا کیجیے گا
مرے دعوئے بے نیازی کو سن کر　　ہنسے وہ کہ "پھر التجا کیجیے گا"
تغافل میں شان جفا پھر ہے شاید　　محبت کی پھر ابتدا کیجیے گا
وہ کہنا ترا یاد ہے وقتِ رخصت　　کبھی خط بھی ہم کو لکھا کیجیے گا
جوانی میں عشق بتاں بس ہے حسرت　　بڑھاپے میں یاد خدا کیجیے گا

21 جنوری 1922، کانپور

رنگ تیری شفق جمالی کا　　اک نمونہ ہے بے مثالی کا
لاابالی مزاج یار کو غم　　کیوں ہو میری شکستہ حالی کا
بزم ساقی میں دیدنی ہے سماں　　خم لبریز و جامِ خالی کا
آئینہ ہے تبسم لب دوست　　حسن خوباں کی بے ملالی کا
کچھ تو کر پاس اے وفا دشمن　　لب حسرت کی بے سوالی کا

20 مارچ 1923، یرودا سنٹرل جیل پونا

منزل وصلِ یار سے پیدا　　درمیاں حدود بیم و رجا
دل انساں میں تاب شعلہ عشق　　حسن مطلق کی روئے حق میں ضیا
پردۂ حسن و عشق میں ہے وہی ق　　الغرض نورِ ارض و نورِ سما
پھر نہ کیوں وصل حسن وعشق سے ہو　　نور بالائے نور جلوہ نما
جاں دے دی پہنچ کے ان کے حضور　　ہم نے اور ان سے کچھ کہا نہ سنا

اے تری یادِ ستمِ جاں کا علاج — اے ترا ذکر دردِ دل کی دوا
کچھ بھی شہرِ وصال دور نہیں — جذبۂ شوق ہو جو راہ نما
ہم رضا کار ہیں خدا کے — ہم نہ ہوں گے مگر شہیدِ وفا
ہوگئے محو عشق سب حسرت — اب غمِ ہجر ہے نہ شوقِ لقا

20 مارچ 1923، یرودا جیل

سب سے شوخی ہے اک ہمیں سے حیا — اے فریبِ نگاہِ یار یہ کیا
سادگی میں وہ پھر بھی ہیں یکتا — باوجودِ ہجومِ ناز و ادا
جان دے دی تو کیا گناہ کیا — آپ کس بات پر ہیں ہم سے خفا
اب وہ ملتے بھی ہیں تو یوں کہ کبھی — ہم سے کچھ واسطہ نہ تھا گویا
ہم کو منظور سب ہے سب مرغوب — تجھ سے جو کچھ ملے سزا کہ جزا
میں بھی ہوں اک فقیر حاجت مند — کرم اے بادشاہِ جود و عطا
خوب لکھی غزل جزاک اللہ — حسرتِ سحر کار کیا کہنا

27 جولائی 1923، یرودا جیل

شوقِ وصالِ یار کے قابل بنادیا — دل کیا تھا عاشقی نے اسے دل بنا دیا
دے دے کے مفت جان شہیدانِ عشق نے — اس نازنیں کو شیوۂ قاتل بنا دیا
شوقِ لقائے یار نے راہِ مراد میں — سختی کو رشکِ نرمیِ منزل بنا دیا
آخر فراغتِ غمِ دل نے ہوس کو بھی — کونین کے خیال سے غافل بنا دیا
کیا چیز تھی وہ مرشدِ وہاب کی نگاہ — حسرت کو جس نے عارفِ کامل بنا دیا

اک جو لے دے کے ہمیں شیوۂ یاری آیا — وہ بھی کچھ کام نہ خدمت میں تمہاری آیا
ان کے آگے لبِ فریاد بھی گویا نہ ہوئے — چپ رہے ہم جو دمِ شکوہ گزاری آیا
آرزو حال جو اپنا انھیں لکھنے بیٹھی — قلمِ شوق پئے نامہ نگاری آیا

واں سے ناکام پھرے ہم تو دریاس تلک   خونِ حرماں دلِ مجروح سے جاری آیا
دل پُر شوق میں آئی کرم یار کی یاد   یاچمن میں قدم بادِ بہاری آیا
تیرے انکار سے فی الفور ہوا کام تمام   زخم ایسا سرِ امید پہ کاری آیا
گھر کے آئی جو گھٹا ہم نے یہ جانا حسرت   وقتِ شوریدگی و بادہ گساری آیا

یکم اگست1923، یرودا سنٹرل جیل پونا

آئی جو ان کی یاد مرا دل ٹھہر گیا   دعوئ غم فراق کا باطل ٹھہر گیا
مرکر وصالِ یار ہوا دل ٹھہر گیا   منزل ملی مسافرِ منزل ٹھہر گیا
ہم سر جھکا چکے تھے علم ہو چکی تھی تیغ   پھر کیا کیا خیال کہ قاتل ٹھہر گیا
دل خوش ہوا جو آپ ہوئے مائل ستم   یعنی میں التفات کے قابل ٹھہر گیا
دل کو ولائے یار پہ حاصل ہوا قیام   پایا جو اس جہاز نے ساحل ٹھہر گیا
خواب و خیال ہوگئیں اگلی وہ صحبتیں   پھیرا بھی اس نواح کا مشکل ٹھہر گیا
فرزانگی قصور ہے دنیائے عشق میں   دیوانہ جو ہوا وہی کامل ٹھہر گیا
تیرِ نگاہِ یار کا مشکل ہے سامنا   میرا ہی تھا جگر کہ مقابل ٹھہر گیا
بیچارگی میں رٹ جو لگی ان کے نام کی   تسکینِ جاں زار ہوئی دل ٹھہر گیا
اچھا ہوا کہ مملکتِ حسن و عشق میں   حسرت وہ پادشاہ میں سائل ٹھہر گیا

23 ستمبر1923، یرودا جیل پونا

جو اب ان سے ملنا دوبارا نہ ہوگا   تو جینا بھی شاید ہمارا نہ ہوگا
ہمیں گھر میں لائے تو بولی یہ وحشت   یہاں پہ ہمارا گزارا نہ ہوگا
تصور میں ملتے رہیں گے وہ ہم سے   غم ہجر بھی ناگوارا نہ ہوگا
اجڑ جائے گی بزم رنداں جو ساقی   مروت نہ ہوگی مدارا نہ ہوگا
کوئی شکوہ تیغ ستم اور ہوں گے   وہ کہتے ہیں حسرت ہمارا نہ ہوگا

3 اکتوبر 1923، یرودا سنٹرل جیل پونا

عہد یک عمر فراغت سے بھی خوشتر گزرا   وہ جو اک لحظہ تری یاد میں ہم پر گزرا
تیرے انکار سے ارباب تمنا کے لیے   وصل کا دن بھی شب غم کے برابر گزرا
تجھ سے اب مل کے تعجب ہے کہ عرصا اتنا   آج تک تیری جدائی کا یہ کیونکر گزرا
لوگ سب جان گئے چھپ نہ سکی شوق کی بات   میں گلی سے جو تری ہو کے مکرر گزرا
اب وہ آئیں بھی تو کیا روئیں بھی تو کیا حسرت   ہجر میں تجھ کو جو کرنا تھا سو تو کر گزرا

4 نومبر 1923، یرودا جیل پونا

معطر پا کے بوئے حسن سے سارا بدن اپنا   وہ سونگھا کرتے ہیں خود بھی تو اکثر پیرہن اپنا
رقیبوں کی ہمارے بعد اب اتنی بھی کیا کثرت   کبھی تم غور سے دیکھو تو رنگ انجمن اپنا
کچھ اس عالم میں وہ بے پردہ نکلے سیر گلشن کو   کہ نسریں اپنی خوشبو رنگ بھولی نسترن اپنا
وہ رحم آیا تجھے مجبوریٔ شوق شہادت پر   خبر لے ہاتھ کی خنجر سنبھال اے تیغ زن اپنا
کبھی کچھ ہو گیا ان کا ہمارا کیا رہا حسرت   نہ دیں اپنا نہ دل اپنا نہ جاں اپنی نہ تن اپنا

10 نومبر 1923، یرودا جیل پونا

ان میں دیکھا جو ماجرا دیکھا   کیا بتائیں کسی سے کیا دیکھا
ہم نے غیرت کو بھی کرم سے ترے   بارہا محو التجا دیکھا
نہ بچا اس نگاہِ ناز سے دل   ہم نے سو سو طرح بچا دیکھا
تو کسی کا نہیں تجھے ہم نے   خوب اے شوخ بے وفا دیکھا
غیر جانا انھیں سو کیوں حسرت   عشق سے حسن کو جدا دیکھا

21 نومبر 1923، یرودا جیل پونا

ہر گھڑی ورد لب شوق ہے افسانہ ترا   بے خبر تیرے سوا سب سے ہے دیوانہ ترا
کتنے دل ہیں ترے قابو میں زہے شانِ جمال   چاہے کلمہ جو پڑھے شوکت شاہانہ ترا

پایۂ عرش کو از خود نہیں جنبش اے دل   دیکھ پہنچا ہے کہاں نعرۂ مستانہ ترا
بے خرد ہو کے محبت کی بدولت اے عقل   نام بھی اب نہیں لیتا دلِ فرزانہ ترا
فکر کونین سے بیگانہ ہوا تو حسرت   خوب ٹھہرا غمِ جانانہ یارانہ ترا

25 نومبر 1923، یرودا جیل پونا

ترے حسن کا دور دورا رہے گا ق نہ میرا یہ جوش تمنا رہے گا
مگر سالہا سال بعدِ فنا بھی   زمانے میں دونوں کا چرچا رہے گا
نہ سرمایہ داروں کی نخوت رہے گی ق نہ حکام کا جورِ بیجا رہے گا
زمانہ وہ جلد آنے والا ہے جس میں   کسی کا نہ محنت پہ دعویٰ رہے گا
مرے شوق کا ہے جو منظر ابھی سے   بھلا وصل میں کیا ٹھکانا رہے گا
جو مٹ جائے گا ہو کے خاک اس گلی کی   وہ اچھا رہا ہے وہ اچھا رہے گا
ترے عشق میں دعویٔ صبر حسرت   ابھی تک بھلا کیا رہا کیا رہے گا

26 نومبر 1923، یرودا جیل پونا

کوچہ اس فتنۂ دوراں کا دکھا کر چھوڑا   دل نے آخر ہمیں دیوانہ بنا کر چھوڑا
پردہ ہم سے جو وہ کرتے تھے نہ کرنے پائے   شوق بیباک نے اس کو بھی اٹھا کر چھوڑا
بزم اغیار میں ہر چند وہ بیگانہ رہے   ہاتھ آہستہ مرا پھر بھی دبا کر چھوڑا
تجھ سے ملنے پہ کسی کی ہمیں پروا نہ رہی   سب کو دنیا میں تری یاد لگا کر چھوڑا
لطفِ ماضی کی جو کچھ یاد تھی باقی دل میں   اس کو بھی تیرے تغافل نے مٹا کر چھوڑا
مجھ کو معلوم ہے پیمانے سے میں ساقی   تو نے جو کچھ مری آنکھ بچا کر چھوڑا
مرگِ حسرت کا بہت رنج کیا آخر کار   اثرِ عشق نے ان کو بھی رلا کر چھوڑا

14 جنوری 1924، یرودا جیل پونا

دعا میں ذکر کیوں ہو مدعا کا   کہ یہ شیوہ نہیں اہلِ رضا کا
طلب میری بہت کچھ ہے مگر کیا   کرم تیرا ہے اک دریا عطا کا
نہیں معلوم کیا اے شاہِ خوباں   تجھے کچھ حال اپنے مبتلا کا

گنہگارو چلو عفو الٰہی   بہت مشتاق ہے عرضِ خطا کا
تری محفل میں اہلِ دل کو جلوہ   نظر آجائے گا شانِ خدا کا
غضب کا سامنا ہے عاشقوں کو   دیارِ حق میں افواجِ بلا کا
جفا کو بھی وفا سمجھو کہ حسرت   تمھیں حق ان سے کیا چوں و چرا کا

27 جنوری 1924، یرودا جیل پونا

کچھ خوف خدا کا ہے نہ ڈر خلق خدا کا   کیا آئے خیال ان کو شہیدانِ وفا کا
خوشبو ترے ملبوس کی لائی ہے کہاں سے   تجھ تک نہ ہوا تھا جو گزر بادِ صبا کا
لگا نہ کرو خود پئے تعزیر کہ لپکا   پڑجائے گا عصیانِ محبت کو سزا کا
ہیں ان کے رضا کار بری لوث طلب سے   کوئی بھی جو ہو ان میں گنہگار دعا کا
آسان ہے مشکل بھی ترے شوق کی منزل   اس راہ میں کچھ کام نہیں راہ نما کا
اگر ترے دربار میں سب ہوگئے یکساں   جھگڑا نہ رہا مرتبۂ شاہ و گدا کا
سر ہے انھیں مطلوب تو دوشوق سے حسرت   اس امر میں کچھ دخل نہیں چوں و چرا کا

ردیف ب

5 نومبر جنوری 1922، سابرمتی جیل پونا

چاندنی رات میں پھولوں کا ہے زیور کیا خوب   رنگ لائے گا ترا حسنِ معطر کیا خوب
روشنی بخشِ تمنا ہے جو اک ماہِ منیر   وصل کی رات کا چمکا ہے مقدر کیا خوب
قابلِ دید تھی گرمی میں پسینے کی بہار   تر ہوا ہے عرقِ حسن سے بستر کیا خوب
وصل میں بھی نہ ہوئی وجہ سکوں کثرتِ شوق   ڈھونڈھ لیتا ہے بہانے دلِ مضطر کیا خوب
کھول کر بال جو سوتے ہیں وہ شب کو حسرت   گھیر لیتی ہے انھیں زلفِ معنبر کیا خوب

30 اگست 1923، یرودا جیل پونا

دل ہے بے شک نورِ حق سے فیضیاب   آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
ہاتھ قتلِ عاشقاں سے مت اٹھا   کام کر ان کا کہ ہے کارِ ثواب
شوق سے کی پرورش کیونکر نہ ہو   لطفِ ساقی آج کل ہے بے حساب

بے ترے اے پادشاہ مہوشاں　　خانۂ جانِ عزیزاں ہے خراب
پی جو ان آنکھوں نے تھی صہبائے حسن　　پھوٹ نکلا ہے وہی رنگ شراب
ترکِ جرم عاشقی ممکن نہیں　　پھر اسی کا ہم سے ہوگا ارتکاب
عشق حسرت ہے نشانِ حسنِ دوست　　بے گلاب آتی نہیں بوئے گلاب

23 ستمبر 1923، یرودا جیل

ساکت یاس ہیں جان و دلِ ناکامِ شباب　　کیا ہوا آہ وہ ہنگامۂ ایامِ شباب
مئے تنویر سے مخمور ہوئی روحِ جمال　　بادۂ عیش سے لبریز ہوا جامِ شباب
دلربائی ہے خود اس جانِ جوانی کی غلام　　مالکِ نازو ادا ہے وہ دلآرامِ شباب
قابلِ دید ہوئی حسن درخشاں کی بہار　　کیا ہے کیا ہوگئی ہوکر وہ بے آشامِ شباب
درپئے دین و دل و جاں ہیں بتانِ کافر　　حسرت اچھا نظر آتا نہیں انجامِ شباب

6 دسمبر 1923، یرودا جیل پونا

ان کی محفل میں پاکے جامِ شراب　　کام اپنا ہوا بنامِ شراب
ہورہے ہیں مرے لیے کیا کیا　　بزمِ ساقی میں اہتمامِ شراب
خوابِ غفلت میں ہورہے ہیں بسر　　دن بھیج طعام و شامِ شراب
دین و دنیا کو بھول بھال کے ہم　　ہوگئے فائز المرامِ شراب
محتسب سے بھی فصلِ گل میں لیا　　ہم نے لڑبھڑ کے اذنِ عامِ شراب
میکدے سے گیا نہ کوئی بے ہوش　　اے خوشا حسنِ انتظامِ شراب
میکدوں سے پہنچ گئے حسرت　　خانقاہوں میں بھی پیامِ شراب

یکم فروری 1924، یرودا جیل پونا

پنہاں شدنت دوگونہ شد خوب　　اے روئے تو بے نقاب محجوب
پیشت چہ شود گرم شمارند　　در زمرۂ بندگانِ معیوب

ماگام زن صراطِ عشقیم دور از رہ ضآلین و مغضوب
یا بے خبران ہوشیاریم مجملۂ سالکان مجذوب
مستِ کشش دیگراں نخواہش آنرا کہ بتوشدہ ست منسوب
بوسیدہ کف توگشت لرزاں از من بہوائے شوق مکتوب
حسرت بغزل چو شمس تبریز باشد سخن تو نغز و مرغوب

ردیف ت

27 نومبر 1922، یرودا جیل

بتائے نہ کیوں غم کو جانِ محبت دلِ زار ہے کاروانِ محبت
ترے غم سے گرویدہ رہے سب سے فارغ زہے خاطرِ شادمانِ محبت
نہ کر جور اتنا بھی اے شاہِ خوباں کہ مر جائیں گے بیدلانِ جبت
رہے محوِ خوابِ ہوس اہلِ ظاہر گزر بھی گیا کاروانِ محبت
سرِ عجز حسرت بھی خم کیوں نہ ہوتا ترا ناز ہے حکمرانِ محبت

24 ستمبر 1923، یرودا جیل

ہم شکوۂ فلک ہی کریں گے حضورِ دوست ظاہر نہ ہونے دیں گے وہاں بھی قصورِ دوست
محفل میں دورِ تالی سے ہے، ہمیں بھی آج کاہے کو بچنے دے گی نگاہِ سرورِ دوست
میری تسلیوں کے نہیں ہیں جو مشورے کیوں پھر جوابِ خط میں بہم ہیں سطورِ دوست
بجا نہیں ترانۂ مطرب سے وجدِ روح کانوں میں آ رہی ہے یہ آوازِ دورِ دوست
اظہارِ شوق کی متحمل نہ ہو سکی پر ہم غضب ہے رات سے طبعِ غیورِ دوست
ہوگی ضرور قدرِ وفا، دل ابھی سے کیوں کرتا ہے شکوۂ ستمِ بے شعورِ دوست
اہلِ ہوس کی ہیچ ہیں ساری شکایتیں جا ہے کمالِ حسن پہ حسرت غرورِ دوست

14 اکتوبر 1923، یرودا جیل

اس شوخ کے آنے کی تمنا ہے قیامت — کیا کیا دلِ مایوس میں برپا ہے قیامت
رعنائی میں آفت ہے ترے لب کا تبسم — خوبی میں تری نرگسِ شہلا ہے قیامت
کیا کیا دلِ مجبور ہوا آگ یہ سن کر — گلشن میں بہارِ گلِ حمرا ہے قیامت
گھنگھور گھٹاؤں کے اندھیرے میں ساقی — رنگینیٔ صہبا کا اجالا ہے قیامت
دل دے کے ہمیں جان بھی دیتے ہی بنے گی — اس شوخ ستمگر کا تقاضا ہے قیامت
یاروں سے ترا تغافلِ اغیار میں ظالم — ظاہر کا یہ اظہار مدارا ہے قیامت
دوران سے بھلا نیند کسے آئے گی حسرت — تنہائی میں رنجِ شبِ یلدا ہے قیامت

29 ستمبر 1923، یرودا جیل

نعم البدل ہے عیشِ جہاں کا ملالِ دوست — خالی ہے سب سے دل وفورِ خیالِ دوست
دل کی یہ کیا مجال کہ لائے خیالِ دوست — مجھ میں کہاں یہ حال کہ دیکھوں جمالِ دوست
عاشق بنے تھے پھر بھی کیا شکوۂ جفا — سچ پوچھیے تو ہم سے بجا ہے ملالِ دوست
مائل ہیں جس کی شانِ جفا کے بھی اہلِ شوق — یکتا ہے دلبری کے ہنر میں کمالِ دوست
کافی ہے اہلِ درد کو حسرت دوائے غم — اور کیوں نہ ہو کہ غم ہے غمِ لازوالِ دوست

23 مارچ 1924، یرودا جیل

لطفِ تو گر اختیار مانیست — سرمایۂ اعتبار مانیست
نازم چو بہ عشق حسن گوید — آں کیست کہ جاں نثار مانیست
از درد و الم کجاست چیزے — کاندر دل و جانِ زار مانیست
اے بادۂ نابِ عشق بوئے — جز بوئے تو خوشگوار مانیست
پیوستہ پیامِ سوزِ جاں را — از کیست اگر زیار مانیست
نوعے ز کمالِ شوق بیروں — از حیطۂ اقتدار مانیست
حسرت بدرش رسید نازو — کایں شانِ خداست کار مانیست

ردیف ث

5 نومبر 1923، یرودا جیل

ترک جفا کی ان سے تمنا نہ کر عبث　　اے دل وفا کے نام کو رسوا نہ کر عبث
مے نوشیوں سے کام رہے بزم غیر میں　　میرا لحاظ اے گلِ رعنا نہ کر عبث
اے چشم شوق تجھ کو مذاقِ نظر کہاں　　دیدارِ حسنِ یار کا دعویٰ نہ کر عبث
یکتا ہے سادگی میں ترا حسن دلفریب　　آرائشِ جبیں کا ارادہ نہ کر عبث
جوشِ جنونِ عشق دبائے سے دب چکا　　حسرت علاجِ خاطرِ شیدا نہ کر عبث

ردیف ج

24 ستمبر 1923، یرودا جیل

تجھ سے جو دردِ دل کا بھی ہوتا نہیں علاج　　ہے کس مرض کا اور تو اے نازنیں علاج
اس دل کو اب گداز کرے فکرِ عاشقی　　جس کا نہ کر سکے غم دنیا و دیں علاج
اہلِ ہوس کے دردِ تمنا کا برمحل　　کرتی ہے خوب وہ نگہِ خشمگیں علاج
پھر کیوں دوائے درد کے درپے ہیں چارہ گر　　جب خود ہی چاہتی نہیں جانِ حزیں علاج
حسرت شرابِ وصل سے صحت جو ہو تو ہو　　دل کا نہیں ہے ورنہ سے و انگبیں علاج

ردیف ح

19 مارچ 1923، یرودا جیل

شجرِ غم ہے آشیانۂ روح　　گریہ و نالہ آب و دانۂ روح
خوب دنیائے آرزو میں اڑا　　ناوکِ درد سے نشانۂ روح
تجھ کو بیباک دیکھنے کے لیے　　عذرِ مستی ہوا بہانۂ روح
ہر طرف ہیں عیاں نقوشِ جمال　　دیدنی ہے نگار خانۂ روح
جسم حسرت ہے یا کہ جانِ گداز　　ذکرِ حسرت ہے یا فسانۂ روح

24 ستمبر 1923، یرودا جیل

وہ دیکھنے جو بام پہ آئے بہارِ صبح   نازاں ہے اپنے بخت پہ کیا کیا نگارِ صبح
ملتے ہوئے اٹھے ہیں وہ آنکھیں جو خواب سے   پھیلا ہوا ہے نورِ جمالِ خمارِ صبح
پیدا فلک پہ ہے یہ بیاضِ سحر کا نور   ظلمات شب میں یا ہے عیاں جوئبارِ صبح
خورشید روئے یار سے ہو کر منیرِ حسن   شام شب وصال بھی کرتی ہے کارِ صبح
تمکینِ حسن یار کے صدقے میں روز وصل   کچھ بڑھ گیا ہے اور بھی حسرت وقارِ صبح

21 نومبر 1923، یرودا جیل

اہلِ دل ہیں فدائے نغمۂ روح   کہ بقا ہے فنائے نغمۂ روح
چھیڑ مطرب نوائے نغمۂ روح   دل ہے مضطر برائے نغمۂ روح
دل میں اپنے اتر گئی آخر   درد بن کر دوائے نغمۂ روح
عرش پہ ہے دماغِ چنگ و سرود   اے زہے کبریائے نغمۂ روح
غم کا آغاز تھا ترانۂ دل   موت ہے انتہائے نغمۂ روح
کر مرے دل کی تشنگی کو بھی دور   اے گلِ جانفزائے نغمۂ روح
وجہ تسکین عشق ہو نہ سکا   شغل کوئی سوائے نغمۂ روح
پردۂ ساز میں نہاں ہے ہنوز   شاہدِ دلربائے نغمۂ روح
کس قدر دل پذیر ہے حسرت   اثر دیرپائے نغمۂ روح

ردیف خ

24 ستمبر 1923، یرودا جیل

دخترِ رز ترے پہلو میں نہاں ہے گستاخ   دیکھ تو کتنی یہ اے پیر مغاں ہے گستاخ
کس قدر ہے نگہ شوق بھی اپنی بے باک   چہرۂ یار میں کیا کیا نگراں ہے گستاخ
ہمتِ عاشقِ بیدل پہ خدا کی رحمت   کوچۂ یار کی جانب جو رواں ہے گستاخ

عرض حالِ مضطر پہ وہ بولے ہنس کر — ہم نشیں کیا کہ ترا طرزِ بیاں ہے گستاخ
خوش کہ ناخوش ہو کوئی جا ہی پہنچتا ہے وہاں — ان کی خدمت میں مرا شور و فغاں ہے گستاخ
سن کے آئے ہیں کسی سے جو مرے شوق کا حال — پوچھتے پھرتے ہیں سب سے وہ کہاں ہے گستاخ
کچھ غضب سے بھی ترے خوف نہیں ہے اس کو — کس قدر حسرتِ بے تاب و تواں ہے گستاخ

ردیف "د"

یکم نومبر 1922، سابرمتی جیل

کرم ساقیِ میخانہ مبارک باشد — گرمیِ مجلسِ رندانہ مبارک باشد
عید ہے آج کا دن بادہ پرستوں کے لیے — عشرتِ گردشِ پیمانہ مبارک باشد
جس کے دیدار کی مدت سے تمنا تھی سو آج — ہے وہی رونقِ کاشانہ مبارک باشد
دل فروشانِ تماشا کو بصد عیش و نشاط — دولتِ جلوۂ جانانہ مبارک باشد
جانِ حسرت کے لیے مایۂ نازش ہے یہی — اضطرابِ دلِ دیوانہ مبارک باشد

25 ستمبر 1923، یرودا جیل

وہ ہوں جیلان سے آ کر میر بغداد — زہے قسمت خوشا تقدیر بغداد
حقیقت میں ہے خاکِ روضۂ پاک — جسے کہتے ہیں سب اکسیر بغداد
ہمیں فردوس میں لائے تو کیا کیا — نظر میں پھر گئی تصویر بغداد
سوادِ ہند میں لگتا نہیں جی — دلِ دیوانہ ہے دلگیر بغداد
ہوائے شوق اڑا لے جائے حسرت — بنے اچھا یوہیں تدبیر بغداد

17 اکتوبر 1923، یرودا جیل

اے دردِ تو بپایۂ درماں رسیدہ باد — خارِ غمت بجانِ محباں خلیدہ باد
تا چند پاسداریِ دامان و جیبِ صبر — شادم کہ پارہ کردم و خواہم دریدہ باد
اے مایۂ حیات ببازارِ حسن و عشق — جنسِ غمت بہ قیمتِ جانہا خریدہ باد

شوق رخ تو خوب تراز روئے خوب تست　　حسنِ رخت ندیدم و یا رب ندیدہ باد
رنج فراقِ یار کہ از یار می رسد　　خوش می رسد بہ حسرت حیراں رسیدہ باد

29نومبر 1923، یرودا جیل

دل از صدمۂ ہجر پرخوں نماید　　سرشکِ غمم طرفہ گلگوں نماید
بچشم تمنایم آں شوخ رعنا　　نماید بحسن دگر چوں نماید
کلامت کہ سرتا سر اعجاز باشد　　بابلِ ہوس نیز افسوں نماید
جائے کہ از عشق او دام گیرد　　سخن صرفِ تزئینِ مضموں نماید
زہے حسن و تصویرِ خویش کہ حسرت　　زلیلےٰ رباید بہ مجنوں نماید

ردیف "ذ"

29نومبر 1923، یرودا جیل

حاصل جو ہوئے دردِ محبت کے لذائذ　　میں بھول گیا عیش و فراغت کے لذائذ
جب تک نہ کھلے یہ کہ محبت ہے عبادت　　محسوس ہوں کیا تیری اطاعت کے لذائذ
ارواح پہ اعمال کے آثار ہیں طاری　　دوزخ کے شدائد ہیں نہ جنت کے لذائذ
پوچھے کوئی اربابِ تمنا کے دلوں سے　　حسنِ رخِ جاناں کی حکایت کے لذائذ
ڈرتے ہیں جو میدانِ وغا سے انھیں حسرت　　معلوم نہیں شوق شہادت کے لذائذ

2دسمبر 1923، یرودا جیل

ان کو رسوا مجھے خراب نہ کر　　اے دل اتنا بھی اضطراب نہ کر
آمدِ یار کی امید نہ چھوڑ　　دیکھ اے آنکھ شوقِ خواب نہ کر
شوق یاروں کا بے شمار نہیں　　ستم اے دوست بے حساب نہ کر
دل کو مستِ خیالِ یار بنا　　لب کو آلودۂ شراب نہ کر
دکھ بہرحال شغل سے حسرت　　اس میں پروائے شیخ و شاب نہ کر

19 مارچ 1923، یرودا جیل

ہوگئی کثرتِ نظر پردۂ حسن بے خبر
تجھ کو دمِ وداعِ جاں دیکھ لیا بچشمِ تر
عاشقِ نامراد کی آہ میں بھی نہیں اثر
بھرتے ہیں دم سب آپ کا جن و بشر شجر حجر
دھوئے گی داغِ معصیت پاکیِ گریۂ سحر
عشق تلاشِ حسن میں خاک بسر ہے دربدر
بزمِ سرورِ یار میں غم کا بھلا کیا گزر
کشمکشِ فراق سے ہے لبِ جاں پہ الحذر
وصل کے بعد روح میں کچھ بھی رہا نہ شور و شر
نورِ جمالِ یار پر جم نہ سکی کوئی نظر
دیکھے جو ان کو بے حجاب کب ہے یہ طاقتِ بصر
جی کا نہ ہو کہیں زیاں راہِ جنوں ہے پرخطر
کہنے گئے تھے ان سے حال کچھ بھی نہ کہہ سکے مگر
عشق سے درد کے سوا دل کو ملا نہ کچھ ثمر
کثرتِ اشکِ شوق سے دامنِ جاں ہے پرگہر
بے ہنری ہے عشق میں حسرتِ زار کا ہنر

25 ستمبر 1923، یرودا جیل

دل ہے ترے وصل کا طلبگار دیوانہ بکار خویش ہشیار
قید ہوس و خرد سے چھٹ کر آزاد ہیں عاشقانِ احرار
سردار بلاکشانِ غم ہیں اس جانِ جہانیاں کے بیمار
آمادۂ قتلِ عاشقاں ہے وہ یار وہ شاہدِ ستمگار

بازار جمال میں لگے ہیں   دیکھو جدھر آرزو کے انبار
لٹ جائے نہ رختِ صبر اے دل   اس خال سیاہ سے خبردار
حسرت نے بھی مثلِ شمس تبریز   اشعار میں کہہ دیے سب اسرار

ایضاً

ابرو ہے و نغمہ صحنِ گلزار   تم پاس نہیں تو سب ہیں بیکار
وعدے پہ وہ آئیں تو پھر ان سے   اقرار بن آئے گا نہ انکار
پابوس کی التجا پہ اس نے   کس ناز سے کہہ دیا خبردار
مایوس وصال ہیں زباں پر   پھر بھی ترے نام کی ہے تکرار
ہے شوق مری طلب کا بے حد   معلوم نہ ہوسکے گی مقدار
ایسوں سے ہو کیا کرم کی امید   ہے جن کی طرف نظر بھی دشوار
کب مائل غیر ہیں وہ حسرت   باایں ہمہ التفات بسیار

ایضاً

استادہ ہوئے صفوف ابرار   جنت کو چلے جو ہم گنہگار
مخموریِ عشق سے تو اے دل   زنہار جو ہو کبھی خبردار
انکار سے تیرے شہر دل میں   آبادیِ آرزو ہے مسمار
ہم رنگ شفق ہے آتشِ گل   سبزی ہے چمن کی رشک زنگار
لبریز نشاط ہے دل شوق ق   آثار بہار ہیں نمودار
ہم جب سے ہوئے ہیں کافر عشق   تسبیح بکار ہے نہ زنار
دنیا سے غرض نہ دین سے کام   حسرت ہے غریق جلوۂ یار

یکم اکتوبر 1923، یرودا جیل

کہہ دیا خوب "ہم کو پیار نہ کر"   جبر اتنا بھی اختیار نہ کر
محفلِ غیر میں خدا کے لیے   تو مجھے یاد بار بار نہ کر

دیکھ اے احتیاطِ پائے جنوں　　خار سے ڈر کے ہم کو خوار نہ کر
دشمنِ اہلِ اشتیاق نہ بن　　حسنِ رخ کو نقاب دار نہ کر
دے کے اہلِ ہوس کو قولِ وصال　　عشق بازوں کو شرمسار نہ کر
سوزِ غم کو بھی سازِ عیش سمجھ　　عشق میں فرقِ نور و نار نہ کر
کم ہیں جتنے وہ داغ دیں حسرت　　شوق سے کھائے جا شمار نہ کر

12 دسمبر 1923، یرودا جیل

پیمانِ لطف و عہدِ وفارا نگاہ دار　　جانہا کہ رامِ تست خدارا نگاہ دار
پنہاں بگوئے حرفِ محبت باہلِ شوق　　غمازیٔ نسیم و صبا را نگاہ دار
دشنام نازِ خویش باغیار صرف ساز　　تکریمِ اہلِ صدق و صفا را نگاہ دار
درپیشِ تست مرحلۂ خونِ عاشقاں　　شمشیرِ ناز و تیغِ ادا را نگاہ دار
اظہارِ لطفِ تو بہ ہوس پیشگاں خوش ست　　حسرت پسندیٔ دلِ مارا نگاہ دار
از آہِ بے قرارِ دلِ آزردگاں بترس　　تاثیرِ اضطرابِ دعا را نگاہ دار
زنہار اگر ز حسن بخواہی مرادِ عشق　　حسرت اصولِ فقر فنارا نگاہ دار

25 جنوری 1924، یرودا جیل

السلام اے شہ بشیر و نذیر　　داعی و شاہد و سراج منیر
آرزو ہے کہ نامِ پاکِ حضور　　کاش وردِ زباں ہو وقتِ اخیر
تم نے کیونکر کیا دلوں کا شکار　　ہے بظاہر کمان پاس نہ تیر
بہ طفیلِ صغیر ذرۂ عشق　　محو سارے ہوئے گناہ کبیر
دلِ حسرت ہے سوزِ جاں کا ہلاک　　جانِ حسرت ہے دردِ دل کی اسیر

در حجرۂ حسن کا نہ کر باز　　مشتاقِ جمال ہیں نظر باز
محفل میں وہ جلوہ گر ہے بیباک　　بیتاب ہیں عاشقانِ سرباز

آنکھوں ہی میں کٹ گئی شب ہجر روتے سے نہ آئی چشم ترباز
کہتے ہیں دعا قبول اکثر ہوتا ہے بہ نوبتِ سحر باز
اک نعرۂ حق سے تو بھی حسرت کرتا ہو تو کر در اثرباز

23 ستمبر 1923، یرودا جیل

ہوائے برشگالی ہے ہوس خیز کرے کوئی کہاں تک مے سے پرہیز
تبسم ہے ترا اے شاہِ خوباں سراسر اک تماشائے دلآویز
فسونِ طرفہ ہے حرفِ لبِ یار مجھے شکر شکن گاہے نمک ریز
نہیں اب تک حواسِ عقل برجا شرابِ عاشقی تھی کس قدر تیز
مجھے فیضِ سخن پہنچا ہے حسرت ز روحِ پاکِ شمس الدین تبریز

یکم دسمبر 1923، یرودا جیل

مہماں اور مہمانِ عزیز کون رکھے گا تم سے جان عزیز
ہم بھی گرویدۂ شہادت ہیں آپ کو ہے جو امتحان عزیز
عاشقوں کی خراب حالی کو رکھ نہ ظالم خدا کو مان عزیز
رہ کے دور ان سے لطفِ زیست کہاں جان کے ساتھ ہے جہان عزیز
کس قدر گوشِ یار کو حسرت ہے ترے غم کی داستان عزیز

14 فروری 1924، یرودا جیل

ہم کہیں تاکجا حدیثِ نیاز جب سنے بھی کہیں وہ دلبر ناز
عشق طاعت گزار ہو کہ نہ ہو حسن ہر حال میں ہے بندہ نواز
رہ گئے ذاتِ حق میں ہو کے فنا اب نہ ہم ہیں نہ دل نہ سوز نہ ساز
دولتِ آرزو سے مالا مال دلِ عاشق ہے اک دفینۂ راز
خونِ دل سے وضو کریں تو کہیں بن پڑے جا کے عاشقوں کی نماز

ہند و ایراں ہیں خاص مسکنِ عشق   ماورائے عراق و شام و حجاز
دیکھیے دل پہ کیا ہے حسرت   عشوہ گر حسن عشق ہے جانباز

یف "س"

19 ستمبر 1923، یرودا جیل

ہر درد ہر مرض کی دوا ہے تمھارے پاس   آتے ہیں سب یہیں کہ شفا ہے تمھارے پاس
کس کس خوشی سے ہوتے ہیں لوگوں کے دل اسیر   کیا چیز دامِ زلفِ دوتا ہے تمھارے پاس
سمجھاؤ لاکھ دل کو پر آتا نہیں قرار   اس کا بھی کچھ علاج بھلا ہے تمھارے پاس
سب حل ہوں مشکلیں جو ملے دولتِ یقیں   لوحِ طلسمِ بیم و رجا ہے تمھارے پاس
خاموش تم ہو سب ہیں ہلاکِ فریبِ لطف   اچھی یہ تیغ بیم رضا ہے تمھارے پاس
کس کو نہیں قبول کہ ہے شغل مے حرام   پر فصلِ گل میں ہو تو روا ہے تمھارے پاس
اقرار ہے کہ دل سے تمھیں چاہتے ہیں ہم   کچھ اس گناہ کی بھی سزا ہے تمھارے پاس
بیمارِ غم ہیں دور سے آئے ہیں سن کے نام   کہتے ہیں دردِ دل کی دوا ہے تمھارے پاس
حسرت کرو نہ دل میں زیارت حضور کی   آئینۂ رسول نما ہے تمھارے پاس

ردیف "ش"

18 مارچ 1923، یرودا جیل

نارسائی میں بھی رہے اے کاش   دل کو حاصل سرورِ سعی و تلاش
مقصدِ عشق، جانِ عشق ہے درد   درد لذت فروش و راحت پاش
کیوں نہ آئے جو تو ہو بادہ فروش   نقدِ جاں لے کے حسرتِ قلاش

26 ستمبر 1923، یرودا جیل

جلوۂ حق کو ہے نظر کی تلاش   دلِ عاشق کرے بصر کی تلاش
حالِ دل کی انھیں خبر ہے یو نہیں   ہم کو ناحق ہے نامہ بر کی تلاش

حسن ان کا اثر پذیر نہیں	جذب دل کو ہے کیوں اثر کی تلاش
گر بانِ وصال یار کریں	جاکے بانسے میں راہبر کی تلاش
شمس روی سے پوچھ لیں ہو جنھیں	تُن سخن عشق معتبر کی تلاش
اس جفا جو سے ہے وفا کی امید	ثمرِ شاخ بے ثمر کی تلاش
ہو جنھیں ہو ہمیں تو ہے حسرت	خواہش زر بھی دردِ سر کی تلاش

19 اکتوبر 1923، یرودا جیل

جان ہے اپنی آب و گل کی خلش	مٹ چکی دل سے دردِ دل کی خلش
مدتیں ترک عاشقی کو ہوئیں	کہ رہا دل نہ زخمِ دل کی خلش
گاہ گاہ اب بھی ہوتی ہے محسوس	مگر اک شوقِ مستقل کی خلش
دل سے محروم ہوکے بھی نہ مٹی	آرزو ہائے منفعل کی خلش
نہ رہا دل میں تھا جو کچھ حسرت	مگر اک دردِ مضمحل کی خلش

26 دسمبر 1923، یرودا جیل

دشمن ہر عاقل و فرزانہ باش	اے دل اندر عاشقی دیوانہ باش
دردِ عشق اے میہمانِ جانِ من	باش و وجہ رونق ایں خانہ باش
التفات از من مجو در بزمِ غیر	بے رخی در زد توہم بیگانہ باش
ہمنشیں بازم حدیث لطفِ یار	گوئے و بر تکرار آں افسانہ باش
ساقیا جاے بہ حسرت نیز ہم	کامیاب شیشہ و پیمانہ باش

ردیف "ص"

26 ستمبر 1923، یرودا جیل

آنکھوں میں نور جلوۂ بے کیف و کم ہے خاص	جب سے نظر پہ ان کی نگاہ کرم ہے خاص
ہم کو بھی کچھ عطا ہو کہ اے حضرتِ کرشن	اقلیم عشق آپ کے زیرِ قدم ہے خاص
حسرت کی بھی قبول ہو متھرا میں حاضری	سنتے ہیں عاشقوں پہ تمھارا کرم ہے خاص

19 اکتوبر 1923، یرودا جیل

نہ ہوئے آپ آشنائے خلوص — نہ سنی میری التجائے خلوص
طے کر اے دل بزورِ علم و عمل — راہِ بیم و رجا بپائے خلوص
زہد حیرانِ کارِ عشق ہوا — ہم میں پاکر نہ کچھ سوائے خلوص
ذکر و فکر و ریاض و صوم و صلوٰۃ — سارے جھگڑے ہیں اک برائے خلوص
اور حقیقت میں ان کے سب کے سوا — عشق ہے اصل مدعائے خلوص
تم دعا کو بھی التجا سمجھے — تھی وہ حالانکہ اک صدائے خلوص
ان کو اب ضد یہ ہے کہ حسرت بھی — شوق پیدا کرے بجائے خلوص

ردیف "ض"

9 نومبر 1922، سابرمتی جیل احمد آباد

سرخیِ حسن ہے ملبوس نگارِ عارض — یا عیاں نور کے پردے میں ہے نارِ عارض
دیکھنا صبحِ شبِ وصل بہارِ عارض — لیلِ گیسو سے نمایاں ہے نہارِ عارض
خوابِ راحت سے اٹھے وہ تو پئے زینتِ حسن — رونقِ صبح بنی آئینہ دارِ عارض
اس شہِ حسن کے ماتحت ہے دنیائے جمال — ضلعِ لب خطۂ جبہہ تعلقہ ہائے عارض
گریۂ اہلِ تمنا کے اثر سے حسرت — ملکِ خوبی میں ہے سرسبز جوارِ عارض

26 تا 30 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

کیونکر کہیں کہ ہم پہ اطاعت نہیں ہے فرض — فطرت پہ کیا تمھاری محبت نہیں ہے فرض
بے خود ہیں جائیں گے تری محفل میں بے دھڑک — کچھ ہم پہ التماسِ اجازت نہیں ہے فرض
پھر کیوں جفائے یار سے نالاں ہیں اہلِ دل — کیا عاشقوں پہ شوقِ شہادت نہیں ہے فرض
بے ضرب و ذکر و فکر ملے گی ہمیں مراد — اہلِ ولا پہ زہد و ریاضت نہیں ہے فرض
حسرت کرو دعا کہ رہے دل نگارِ عشق — تدبیرِ اندمالِ جراحت نہیں ہے فرض

19 اکتوبر 1923، یرودا جیل پونا

دلربائی تھی آشتی سے غرض　　اب انھیں کیا بھلا کسی سے غرض
کچھ نہیں اور عاجزی کے سوا　　ہم کو اظہار عاجزی سے غرض
جن کی ہے حسنِ دائمی پہ نظر　　کیا انھیں عشقِ عارضی سے غرض
دل کو اک ترکِ عشق پر بھی رہی　　حسن کی خواہش خفی سے غرض
حال ابتر ہے عاشقوں کا تو ہو　　زلفِ جاناں کو برہمی سے غرض
بیخوداں خدا نہیں رکھتے　　سرو سامانِ آگہی سے، غرض
اب ہے اس بندۂ تغافل کو　　دوستی سے نہ دشمنی سے غرض
کچھ نہیں جانتے وفا و جفا　　جن کو ہے آپ کی خوشی سے غرض
پاس خاطر ہے حسن خوباں کا　　ورنہ حسرت کو شاعری سے غرض

ردیف "ط"

9 نومبر 1923، یرودا جیل

الفت نہ مودّت نہ مروت کے شرائط　　پورے ہوئے کون ان سے محبت کے شرائط
اب دیر نہیں کچھ تری شہرت میں کہ واعظ　　موجود ہیں سب کشف و کرامت کے شرائط
تہذیبِ نظر سے ترے دیدار کے طالب　　پورے تو کریں پہلے زیارت کے شرائط
محفل میں تری جذبِ محبت سے بھی دل نے　　طے کر لیے پہلے سے وکالت کے شرائط
رکھتے ہیں عبث چشم ولا ہم سے وہ حسرت　　نابود ہوئے جن سے خلافت کے شرائط

ردیف "ظ"

30 ستمبر 1923، یرودا جیل

حور کا ذکر ہے کیا کیا بہ زبانِ واعظ　　وصفِ جنت میں سنے کوئی بیانِ واعظ
بن پڑا کچھ بھی نہ رندوں کے دلائل کا جواب　　سخت چکر میں ہے عقلِ ہمہ دانِ واعظ

گرم دنیائے ریا میں ہے جو بازار فریب آجکل خوب ہی چلتی ہے دکانِ واعظ
گر دہیں رند کہ چھوڑیں گے نہ دامن تیرا کس مصیبت میں پھنسی آن کے جانِ واعظ
لے گیا ہے کوئی پگڑی جو اڑا کر حسرت مجھ گنہگار پہ ناحق ہے گمانِ واعظ

ردیف "ع"

27 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

عشق ہے جان و مالِ اہلِ سماع دولتِ لازوالِ اہلِ سماع
اہلِ دل کا ہے ایک ہی مسلک مسلکِ بے مثالِ اہلِ سماع
کشتۂ عشق ہے ہر اک ان میں رحمتِ حق بحالِ اہلِ سماع
ان سے جو کچھ ہے سب محبت ہے حال ہو یا کہ قالِ اہلِ سماع
زاہدوں کے پڑے گا سر حسرت اک نہ اک دن وبالِ اہلِ سماع

9 نومبر 1923، یرودا جیل پونا

ظلمتیں دل کی سب ہوئیں مرفوع کہ ہوا بدرِ عشقِ یار طلوع
مذہبِ عشقِ ماہ رویاں کے دل کو سب یاد ہیں اصول و فروع
تو جو ساقی بنے تو شغلِ شراب محتسب بھی کہے کہ ہے مشروع
عیشِ جاں بھی ہے جس پہ دل سے نثار کس قدر دردِ عشق ہے مطبوع
خاکسارانِ عاشقِ حسرت کچھ نہیں جانتے سجود و رکوع

ردیف "غ"

27 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

غم و فکر و شوق و تمنا سے فارغ ہیں عاشق ترے ساری دنیا سے فارغ
نہ تم ہو مرے جذبِ الفت سے بے غم نہ یوسف تھے عشقِ زلیخا سے فارغ
انھیں جلوہ گر دل میں ہر لحظہ پا کر تمنا ہے فکرِ تماشا سے فارغ

وہ مطلق ہیں خود ان کی نسبت ہے لیکن　　نہ اعلیٰ سے فارغ نہ ادنیٰ سے فارغ
پناہِ محبت میں ہم آ کے حسرت　　ہوئے خوفِ احکامِ بیجا سے فارغ

3 نومبر 1923، یرودا جیل پونا

آئینہ دیکھیے کہ سب آئے نظر فروغ　　"بے مثل ہم ہیں" قول یہ ہے سربسر دروغ
ہم ان پہ مر کے زندۂ جاوید ہو نہ جائیں　　ٹھہرے کہیں نہ حکمِ قضا و قدر دروغ
دلداریوں کے واسطے کب ہے یہ دلبری　　اتنا تو ہم سے بول نہ اے فتنہ گر دروغ
تسکینِ غم کی اور تو کیا دل کو ہے امید　　ٹھہرا جفائے یار کا ٹھہرے مگر دروغ
حسرت یہ ہجرِ یار میں کیا حال کرلیا　　دعوائے صبر آپ کا تھا کس قدر دروغ

ردیف ف

26 اگست 1923، یرودا جیل پونا

مونسِ بیکساں درود شریف　　راحتِ عاشقاں درود شریف
طالبانِ وصال کو ہر دم　　چاہیے برزباں درود شریف
میری جانب سے ان کے پاس ملک　　لے چلے ارمغاں درود شریف
یہ بھی اک فیضِ عشق ہے ورنہ　　ہم کہاں اور کہاں درود شریف
شوقِ نامِ حضور کا حسرت　　بن گیا ترجماں درود شریف

27 دسمبر 1923، یرودا جیل پونا

نظر اس رخ پہ ہے ادب کے خلاف　　دل ہے اس فیصلے میں سب کے خلاف
کچھ بھی ہم ان سے کہہ سکے نہ کبھی　　ناخوشی ہائے بے سبب کے خلاف
سکرِ غم تابعِ خمار نہیں　　مستیٔ بادۂ عنب کے خلاف
آج پر کیا وہ روز کرتے ہیں　　بے رخی وعدہ ہائے شب کے خلاف
حسنِ جاناں کے عہد میں حسرت　　شوق ٹھہرائے ماوجب کے خلاف

ردیف "ق"

2 نومبر 1923، یرودا جیل

پڑھیے اس کے سوا نہ کوئی سبق — خدمتِ خلق و عشقِ حضرتِ حق
ترکِ غم پر بھی دردِ دل کا رہا — سالہا سال آرزو کو قلق
وصل میں بھی غذائے روح رہا — دردِ فرقت بقدرِ سد رمق
مٹ گئے دل سے عاشقی کے نقوش — رہ گیا سادہ زندگی کا ورق
شعرِ حسرت نے سارے کھول دیے — عشق بازی کے عقدہ ہائے ادق

13 دسمبر 1923، یرودا جیل

جیتے ہیں دردِ محبت کے سہارے عاشق — عاشقِ عشق بھی ہیں حسن کے مارے عاشق
آ گئی کس کے جمالِ عرق آلود کی یاد — رات بھر گنتے رہے ہجر میں تارے عاشق
تمھیں انصاف کرو تم سے جدا رہ کے بھلا — عمر آرام سے کس طرح گزارے عاشق
اب اٹھاؤ بھی کہیں پردہ، بہت آج تلک — کر چکے چشمِ تصور سے نظارے عاشق
قدرِ حسرت انھیں کب جا کے ہوئی ہے کہ ہوئے — وہ بھی اک شوخ جفا کار پہ وارے عاشق

ردیف "ک"

31 اگست 1923، سابرمتی جیل

امامِ برحقِ اہلِ رضا سلام علیک — شہیدِ معرکۂ کربلا سلام علیک
گلِ مرادِ ولایت حسین ابنِ علی — ثمرۂ شرفِ مصطفیٰ سلام علیک
ثبوت یہ ہے کہ نورِ شہادتِ کبریٰ — تری جبیں سے نمایاں ہوا سلام علیک
عبث ہے کہیں راہِ صبر و حق کی تلاش — تری مثال ہے جب رہنما سلام علیک
ترے طفیل میں حسرت بھی ہو شہیدِ وفا — یہی دعا ہے یہی مدعا سلام علیک

26 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

چھپے گی تری دوست داری کہاں تک
کرے گا دل انکار یاری کہاں تک

نظر باز اڑالیں گے سب حال شب کا
چھپے گی وہ چشم خماری کہاں تک

کرے گی فقیروں سے اے شاہ خوباں
تغافل تری شہریاری کہاں تک

سر راہ بیٹھے ہیں بے خواب وخورہم
نہ نکلے گی ان کی سواری کہاں تک

کرو سیر دنیائے حیرت بھی حسرت
خرد مندی و ہوشیاری کہاں تک

ردیف "ل"

28 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

نہ کیا بار غم کسی نے قبول
غیر انساں کہ تھا ظلوم و جہول

بھیجے تحفۂ درود و سلام
بجناب رسولؐ و آلِ رسولؐ

خاصہ بر روح پر فتوح حسین
نور چشم علی و جانِ بتولؓ

نوجوانانِ خلد کے سردار
گلبنِ روضۂ رسولؐ کے پھول

جن کے روضے پہ رحمتِ حق کا
روز ہوتا ہے کربلا میں نزول

جملہ اربابِ صبر و فقر و فنا
جن سے سیکھے ہیں عاشقی کے اصول

بارگاہ حضور میں حسرت
کاش ہو جائے یہ غزل مقبول

14 دسمبر 1923، یرودا جیل پونا

رنج بیجا پہ کیا ہم نے جو اظہار ملال
ان کی چتون سے عیاں پھر ہوئے آثار ملال

وہ جو بگڑے تو بنی حسن کی تصویر غضب
گل ناز ان کے ہوئے طرۂ دستار ملال

اپنی محفل میں علی الرغم عدو کرکے طلب
مجھ کو ناحق وہ بناتے ہیں گنہگار ملال

چھپ سکے گا نہ چھپائے سے کبھی دل کا غبار
کب تلک آپ کیے جائیں گے انکار ملال

حال اس خوف سے ہم کہہ نہیں سکتے اپنا
کہ مبادا ہو ترا دل بھی گر انبار ملال

روٹھ کر سن بھی کہیں جلد وہ جائیں حسرت
کہ سنائیں انھیں ہم جاکے یہ اشعار ملال

ردیف "م"

12 جون 1918، مقام کنھور ضلع میرٹھ

سیہ کار تھے باصفا ہوگئے ہم ترے عشق میں کیا سے کیا ہوگئے ہم
نہ جانا کہ شوق اور بھڑکے گا میرا وہ سمجھے کہ اس سے جدا ہوگئے ہم
دم واپسیں آئے پرسش کو ناحق بس اب جاؤ تم سے خفا ہوگئے ہم
جب ان سے ادب نے نہ کچھ منہ سے مانگا تو اک پیکر التجا ہوگئے ہم
فنا ہوکے راہ محبت میں حسرت سزاوار خلد بقا ہوگئے ہم

15 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

کرو کچھ تو ارشاد یا غوث الاعظم سنو میری فریاد یا غوث الاعظم
گرفتاریٔ حسن فانی سے دل کو کرو جلد آزاد یا غوث الاعظم
رہِ عاشقی میں کہیں میری محنت نہ ہوجائے برباد یا غوث الاعظم
زیارت ہزاروں کو ہوتی ہے اک دن (ق) اسے بھی کرو یاد یا غوث الاعظم
کہاں تک رہے دل میں حسرت کے آخر تمنائے بغداد یا غوث الاعظم

15 اکتوبر 1923، یرودا جیل پونا

رنج راحت ہے سکونِ غمِ ہجراں کی قسم یادِ جاناں کی قسم جلوۂ جاناں کی قسم
کیا تھے ہم ہوگئے اک ساغرِ سے کیا ہم جادوئے گردشِ پیمانۂ گرداں کی قسم
تجھ کو مخمور جو دیکھا ہے تو اے پیکر ناز مست ہم بھی ہیں تری مستیٔ لرزاں کی قسم
عالمِ حسن میں یکتا ہے ترا جلوۂ نور ماہِ تاباں کی قسم مہرِ درخشاں کی قسم
آج اگر منہ نہ بھڑادے لبِ ساغر سے مرا ساقیا تجھ کو میری سستیٔ پیماں کی قسم
آج تک یاد ہیں صدمے جو دیے تھے تو نے اے جفا کار تری کثرتِ احساں کی قسم
حسرت اب کیوں ہیں وہ پردے میں کہ مانندِ وفا "ہم نہ دیکھیں گے ہمیں دیدۂ حیراں کی قسم"

18 اکتوبر 1923، یرودا جیل پونا

مانوس ہو چکے تھے ازل میں فنا سے ہم　　اس انتہا کو جانتے ہیں ابتدا سے ہم
کیا کیا ہوس کو آتی ہے خوشبوئے آرزو　　آنکھیں جب اپنی ملتے ہیں ان کی ردا سے ہم
عرضِ کرم سے پہلے ہی بولے وہ روزِ وصل　　شرمندہ ہوں کہیں نہ تری التجا سے ہم
اس انجمن کے شوق میں جی کا زیاں سہی　　اک بار ان کو دیکھ تو لیں گے بلا سے ہم
گویا وہ سب سنا ہی تو دے گی وہاں کا حال　　کیا کیا سوال کرتے ہیں بادِ صبا سے ہم
محرومیاں بھی ان کی ہیں عنوانِ التجا　　کہتے ہیں وہ کہ ڈرتے ہیں اہلِ وفا سے ہم
حسرت خیالِ غیر سے بیگانہ ہو گئے　　مانوس ہو کے اس نگہ آشنا سے ہم

ردیف "ن"

20 جنوری 1919، لکھنؤ

عشق میں جذب کیا اثر بھی نہیں　　مر مٹے ہم انھیں خبر بھی نہیں
چل چکا آپ کا فریبِ وفا　　اب میں اس درجہ بے خبر بھی نہیں
ہم کو اب شوق سے کہاں لیکن　　مفت مل جائے تو عذر بھی نہیں
بے دلی میں فغانِ شام تو کیا　　صورتِ گریۂ سحر بھی نہیں
بادہ نوشی میں بچ تو ہے حسرت　　نفع شاید نہ ہو ضرر بھی نہیں

1920، علی گڑھ

اے دل ان کو وفا کی خو ہی نہیں　　درخورِ لطف یا کہ تو ہی نہیں
عشق سے مل کے عقل حیراں کا　　اب وہ اندازِ گفتگو ہی نہیں
حسن ہے بے نیازِ عشق و ہوس　　ہم بھی ناکام ہیں عدو ہی نہیں
کوئے جاناں میں کھو کے بیٹھ رہے　　اب ہمیں دل کی جستجو ہی نہیں
کثرتِ شوق سے ہمیں گویا　　حسرت اب کوئی آرزو ہی نہ

1921، برائے رسالہ صبح امید۔ لکھنؤ

روح کو محوِ جمالِ رخِ جاناں کرلیں　　ہم اگر چاہیں تو زنداں کو گلستاں کرلیں
ان کو لکھیں جو خط شوق تو ارباب صفا　　نقشِ اخلاص کو زیبائش عنواں کرلیں
رنج راحت ہے اگر حسب تقاضائے مراد　　اہلِ تسلیم ترے درد کو درماں کرلیں
اہلِ ظاہر سے بچانا ہو تو لازم ہے کہ ہم　　پردۂ جاں میں ترے درد کو پنہاں کرلیں
کیا کریں اس کے سوا تیرے تغافل کا علاج　　کہ دلِ زار کو گرویدۂ حرماں کرلیں
جان دینا ہے تو کردیں ترے قدموں پہ نثار　　کام مشکل ہے تو مشکل کو ہم آساں کرلیں
طالبانِ کرم یار بہ رنگینی عشق　　دامنِ زہد پہ گلکاریٔ عصیاں کرلیں
دل میں جا دے کے ترے درد کو ارباب ہوس　　اب بھی گر چاہیں تو گنجائش ایماں کرلیں
آپ اسے شوق سے مہمان بلائیں حسرت　　کچھ مگر نذر دل و جاں کا تو ساماں کرلیں

23 جولائی 1922، سابرمتی جیل۔ احمد آباد

فیض محبت سے ہے قید محن　　میرے لیے ایک بلائے حسن
شامِ غریباں کے برابر کہاں　　مذہب عشاق میں صبح وطن
آہ وہ غارتگرِ صبر و شکیب　　سلسلۂ زلفِ شکن در شکن
فتنۂ جان وہ سخن دل پذیر　　دشمنِ دیں وہ نگہِ سحر فن
جب سے کہا عشق نے حسرت تجھے　　کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

12 جون 1922، سابرمتی جیل احمد آباد

لطف کی ان سے التجا نہ کریں　　ہم نے ایسا کبھی کیا نہ کریں
مل رہے گا جو ان سے ملنا ہے　　لب کو شرمندۂ دعا نہ کریں
صبر مشکل ہے آرزو بیکار　　کیا کریں بے خودی میں کیا نہ کریں
مسلکِ عشق میں ہے فکر حرام　　دل کو تدبیر آشنا نہ کریں

مرضیِ یار کے خلاف نہ ہو لوگ میرے لیے دعا نہ کریں
شوق ان کا سو مٹ چکا حسرت کیا کریں ہم اگر وفا نہ کریں

28 مارچ 1923، یرودا جیل

کچھ میرے حالِ زار کی ان کو خبر نہیں کیا ہو جو میں ہی جا کے سنا دوں مگر نہیں
پہلو میں دل کو پوچھ رہی ہے نگاہِ یار کیا جانے اب کوئی وہ کدھر ہے کدھر نہیں
کب تھے وہ میرے حال سے اس درجہ بے خبر کیونکر کہوں میں نالۂ دل میں اثر نہیں
ہم بیکسوں کو قتل جو کرتا ہے بے گناہ کچھ اے عزیز تجھ کو خدا کا بھی ڈر نہیں
ہو یار تک رسائی حسرت نہ کیوں محال اس محفلِ سرور میں غم کا گزر نہیں

12 اگست 1923، یرودا جیل

ہم دیر سے نظارۂ خوباں میں لگے ہیں یہ پھول غضب گلبنِ ایماں میں لگے ہیں
ٹکڑے ہیں یہ کس کے دلِ محروم کے ظالم اب تک جو ترے تیر کے پیکاں میں لگے ہیں
مجھ سے وہ کھلیں کیا کہ نظر اٹھ نہیں سکتی مجوب ہیں پیرائش داماں میں لگے ہیں
لگتی ہی نہیں روضۂ رضواں میں طبیعت ان کی جو میر کوچۂ جاناں میں لگے ہیں
باقی نہیں اک تار بھی دامن میں جو حسرت اب اہلِ جنوں فکرِ گریباں میں لگے ہیں

30 جولائی 1923، یرودا جیل پونا

نہ سہی گر انھیں خیال نہیں کہ ہمارا بھی اب وہ حال نہیں
یاد انھیں وعدۂ وصال نہیں کب کیا تھا یہی خیال نہیں
ایسے بگڑے وہ سن کے شوق کی بات آج تک ہم سے بول چال نہیں
مجھ کو اب غم یہ ہے کہ بعد مرے خاطرِ یار بے ملال نہیں
عفوِ حق کا ہے میکشوں پہ نزول ریزشِ ابرِ برشگال نہیں
سن کے مجھ سے وہ خواہشِ پابوس ہنس کے کہنے لگے مجال نہیں
آپ نادم نہ ہوں کہ حسرت سے شکوۂ غم کا احتمال نہیں

31 جولائی 1923، یرودا جیل

اس بت کے پجاری ہیں مسلمان ہزاروں — بگڑے ہیں اسی کفر میں ایمان ہزاروں
تنہائی میں بھی تیرے تصور کی بدولت — دل بستگیِ غم کے ہیں سامان ہزاروں
آنکھوں نے تجھے دیکھ لیا اب انھیں کیا غم — حالانکہ ابھی دل کو ہیں ارمان ہزاروں
چھانے ہیں ترے عشق میں آشفتہ سری نے — دنیائے مصیبت کے بیابان ہزاروں
اک بار تھا سر، گردنِ حسرت پہ رہیں گے — قاتل تری شمشیر کے احسان ہزاروں

12 اگست 1923، یرودا جیل

اک طرفہ ماجرا ہے در کوئے مے فروشاں — سرگرم بادہ نوشی انبوہ خرقہ پوشاں
مصروفِ یادِ حق ہیں رندانِ لا ابالی — گویا ہے بزمِ ساقی اک محفلِ خموشاں
کام آئے گی نہ کچھ بھی کیا اپنی جانفشانی — اے شاہِ ماہ رویاں اے جانِ سرفروشاں
بے پردہ جلوہ گر ہے محفل میں وہ خود آرا — کیونکر چمک نہ اٹھے تقدیرِ دل فروشاں
ہم بھی مجوز کے رہتے اس بے خبر سے حسرت — انکار سے جو ہوتا آئینِ درد نوشاں

17 جون 1923، یرودا جیل

یہ کس بزم کے ہم نکالے ہوئے ہیں — کہ محرومیوں کے حوالے ہوئے ہیں
وہ اب آئیں محفل میں، سب اہلِ محفل — خبردار ہیں دل سنبھالے ہوئے ہیں
محبت کی خوشبو سے بدمست یکسر — تری شال تیرے دوشالے ہوئے ہیں
وہ بے پردہ ہوتے ہیں ظاہر میں لیکن — دوپٹہ یونہیں منہ پہ ڈالے ہوئے ہیں
ضیا باریٔ حسنِ جاناں سے حسرت — اندھیرے دلوں کے اجالے ہوئے ہیں

16، 17 جولائی 1923، یرودا جیل

کب وہ بلاتے ہیں دوبارا ہمیں — جب نہ رہا دید کا یارا ہمیں
ہوش میں کیا آئیں نہیں چھوڑتا — جلوۂ جاناں کا نظارا ہمیں

کچھ بھی نہیں ہے اگر ان کے بقول
پھیر نہ دیں دل وہ ہمارا ہمیں

ان کی حیا کہتی ہے، معلوم ہے
حال ترے شوق کا سارا ہمیں

حکمِ فنا کی انھیں حاجت نہ تھی
آنکھ سے کافی تھا اشارا ہمیں

کون ہے کیا ہے وہ بت بے وفا
کوئی بتاؤ یہ خدارا ہمیں

اس دلِ نازک پہ نہ ہو گر اثر
ہے غمِ فرقت بھی گوارا ہمیں

کاش جلا بھی دی لے پھر کہیں
جس نگہ لطف نے مارا ہمیں

وہ بھی نہ حسرت کہیں دے دیں جواب
ایک انھیں کا ہے سہارا ہمیں

اب ہم میں بھلا زیست کے آثار کہاں ہیں
تم پھر بھی کہے جاؤ یہ "بیمار کہاں ہیں"

ہم کو یہی کیا کم ہے کہ بندے ہیں تمھارے
دعوائے محبت کے سزاوار کہاں ہیں

سجدے کیے اُس در کے اسی عذر پہ لاکھوں
ہم عاشقِ بے خود ہیں گنہگار کہاں ہیں

اک بار چلے جاؤ دکھا کر جھلک اپنی
ہم جلوۂ پیہم کے طلبگار کہاں ہیں

پوشیدہ ہم اس گوشۂ محفل میں تھے حسرت
جس میں یہ نہ جانے نگہ یار کہاں ہیں

16 اکتوبر 1923، یرودا جیل

نغمہ و مے کا حکم عام نہیں
عاشقوں پر یہ کچھ حرام نہیں

ظرفِ رنداں کی آزمائش ہے
بزمِ ساقی میں دورِ جام نہیں

فتنۂ عشوہ گفتگو ہے تری
محشرِ ناز ہے خرام نہیں

سخت عاصی ہے شادِ خاطرِ زہد
کہ ترے کفرِ غم کی رام نہیں

کبھی اقرار ہے کبھی انکار
کچھ تری بات کو قیام نہیں

جلوہ فرما وہ اب ہوے بھی تو کیا
کوئی مشتاق زیرِ بام نہیں

عید میں بھی شراب سے انکار
کچھ یہ حسرت مہِ صیام نہیں

11 نومبر 1923، یرودا جیل پونا

لطف و کرم کی راہ سے اے جانِ عاشقاں	رہ جا کبھی تو آن کے مہمانِ عاشقاں
ہر ہر قدم پہ راہِ وفا میں ہے خوفِ جاں	گر ہو نہ لطفِ یار نگہبانِ عاشقاں
رنگینیِ سرشکِ محبت کے حسن سے	دامانِ عاشقاں ہے گلستانِ عاشقاں
سچ پوچھیے تو حسن سے کچھ کم نہیں ہے عشق	یہ جانِ عاشقاں ہے وہ جانانِ عاشقاں
خلقِ خدا ہے گوش برآوازۂ جمال	مانیں گے اب بھی آپ نہ احسانِ عاشقاں
ہم کو گدا نہ جان کے اے سرفرازِ ناز	افتادگی ہے شیوۂ شاہانِ عاشقاں
نورِ خیالِ یار سے روشن ہے سربسر	باوصفِ ظلمِ ہجر شبستانِ عاشقاں
لیتے ہیں آرزو کا یہیں آکے سب سبق	گویا ہے بزمِ یار دبستانِ عاشقاں
لکھتا ہوں مرثیہ نہ قصیدہ نہ مثنوی	حسرت غزل ہے صرف مری جانِ عاشقاں

10 دسمبر 1923، یرودا جیل پونا

یکرہ بدیارِ غم گذر کن	برخانہ خرابیم نظر کن
از فتنۂ آہ و درد مندان	ایمن چہ نشستۂ خطر کن
گاہے بمزارِ من گر آئی	پوشیدہ زخلق چشم تر کن
فریاد مکن زدستِ جورش	یا اے دلِ زار بے اثر کن
گاہے شبِ غم بیادِ لطفش	گاہے بامیدِ آں سحر کن
خاکِ درش ازرہِ عقیدت	برداشتہ سرمۂ نظر کن
حسرت زلباسِ عقل بگذر	روکسوتِ عاشقی بہ بر کن

20 جنوری 1924، یرودا جیل

حسن کے ہم ہلاکِ دید بھی ہیں	یعنی شاہد بھی ہیں شہید بھی ہیں
خانہ زادِ جفائے شخصِ دوست	طالبِ شدتِ مزید بھی ہیں

باوجود علائق کثرت　　عصر توحید کے وحید بھی ہیں
ہوش گم کردۂ سبیل رشاد　　عقل کے پیرو رشید بھی ہیں
کامیاب مراد غم حسرت　　شادیٔ شوق کے مرید بھی ہیں

31 جنوری 1924، یرودا جیل پونا

حال کیا ان سے بار بار کہیں　　نہ سنیں گے وہ ہم ہزار کہیں
مرمٹے ہیں اسی لیے کہ ہمیں　　شاید اپنا وہ جاں نثار کہیں
مایۂ عیش بھی ہے غم کی خلش　　اب اسے گل کہیں کہ خار کہیں
شاہِ خوباں کہ دزد رہزنِ دل　　کیا تجھے اے نقابدار کہیں
ان کی آنکھیں اگر کہیں تو غضب　　دل کا افسانہ شکار کہیں
روئے جاناں کے عاشقوں کو نہ کیوں　　لوگ دیوانۂ بہار کہیں
نامرادیٔ مراد ہے حسرت　　جب تمھیں خود وہ کامگار کہیں

19 مارچ 1924، یرودا جیل پونا

ہم حال انھیں یوں دل کا سنانے میں لگے ہیں　　کچھ کہتے نہیں پاؤں دبانے میں لگے ہیں
لاکھوں ہیں تری دید کے مشتاق مگر ہم　　مجبور تجھے دل سے بھلانے میں لگے ہیں
اور ایسے کہاں حیرت وحسرت کے مرقعے　　اے دل جو ترے آئینہ خانے میں لگے ہیں
کہتا ہے انھیں یہ کہ نہ ہم ہوں گے مخاطب　　پر کہتے نہیں زلف بنانے میں لگے ہیں
کچھ ہوش سراپا کا نہیں، رند خرابات　　اٹھی ہے گھٹا دھوم مچانے میں لگے ہیں
قاتل ترے دامن پہ مرے خون کے دھبے　　کچھ اور بھی خنجر سے چھٹانے میں لگے ہیں
ہر دم ہے یہ ڈر پھر نہ بگڑ جائیں وہ حسرت　　پہروں جنھیں رو رو کے ہنسانے میں لگے ہیں

ردیف و

12 اگست 1922، سابرمتی جیل حیدرآباد

نامرادوں کو شاد کام کرو　　کرم اپنا کبھی تو عام کرو
کار عاشق ہے ناتمام، سو تم　　قتل کرکے اسے تمام کرو

سب کی خاطر کا ہے خیال تمھیں　　کچھ ہمارا بھی انتظام کرو
کھل سکے جب تلک نہ راہِ مراد　　منزلِ صبر میں قیام کرو
پوچھتے ہیں وہ جاں نثارو۔ ۔　　تم بھی حسرت اٹھو سلام کرو

2 اگست 1923، یرودا جیل

لاکھ اس شوخ جفا کار سے پرہیز کرو　　شوق پھر بھی یہی کہتا ہے سب انگیز کرو
میکشو یونہیں گزر جائے نہ تاریکیٔ ابر　　جام کو بادۂ پرنور سے لبریز کرو
فرق لائے نہ کہیں تیزیٔ صہبا میں گلاب　　مغبچو تم کو قسم ہے جو کچھ آمیز کرو
عاشقو دور نہیں منزلِ مقصودِ وصال　　باد پائے طلبِ یار کو مہمیز کرو
اثر اس خاطرِ بے غم پہ نہ ہوگا حسرت　　نالۂ شبگیر کہ تم آہِ سحر خیز کرو

26 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

اپنے آپے میں نہیں شوق کے مارے گیسو　　پھیلے جاتے ہیں رخِ یار پہ سارے گیسو
ظلمتِ زلف سے نورِ رخِ انور نہ دبا　　جیت عارض کی ہوئی شرط میں ہارے گیسو
مائلِ شوق مجھے پاکے وہ بولے ہنس کر　　دیکھو تم نے جو چھوئے آج ہمارے گیسو
نورِ ایماں کے معاون ہیں تمھارے عارض　　کفرِ عشاق کے حامی ہیں تمھارے گیسو
فلکِ حسن پہ ہے ناز کے تاروں کی نمود　　یا تہِ زنجبِ افشاں ہیں تمھارے گیسو
کام آئے گی وہ کیا ان کی پریشانی میں　　چشمِ بیمار کے ڈھونڈیں نہ سہارے گیسو
فاتحہ پڑھنے چلے مرقدِ حسرت پہ جو وہ　　پہلے کس ناز سے رو رو کے سنوارے گیسو

6 اکتوبر 1923، یرودا جیل

جس نے سونگھی ہے تری زلفِ سیہ کار کی بو　　کیا پسند آئے اسے نافۂ تاتار کی بو
آج تک جس سے معطر ہے محبت کا مشام　　آہ کیا چیز تھی وہ پیرہنِ یار کی بو
بے پیے مست کیے دیتی ہے اے پیرِ مغاں　　مے پرستوں کو ترے ساغرِ سرشار کی بو

ہوس انگیز تمنا ہے لبِ یار کا رنگ ۔۔۔ روشنی بخش نظر ہے مئے گلنار کی بو
مستی حسن کے درجوں میں ہے کامل حسرت ۔۔۔ شاہدانِ دکن و خلخ و فرخار کی بو

24 نومبر 1923، یرودا جیل

آرزو لازم ہے وجہ آرزو ہو یا نہ ہو ۔۔۔ التفات اس کا فرخود بیں کی خو ہو یا نہ ہو
ہم، وہ کہتے ہیں کریں گے آج اظہار کرم ۔۔۔ اس سے کچھ مطلب نہیں محفل میں تو ہو یا نہ ہو
چاہتے ہیں وہ چمن میں کثرت حسن گلاب ۔۔۔ موتیا بیلا چنبیلی ناز بو ہو یا نہ ہو
اب کسی کو اور کیا چاہیں گے ہم تیرے سوا ۔۔۔ حسن کی دنیا میں تجھ سا خوبرو ہو یا نہ ہو
شغل مے حسرت ہے روز ابر و باراں میں ضرور ۔۔۔ صحن گلزار و کنار آبجو ہو یا نہ ہو

6 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

ردیف "ہ"

خلشِ خار سے خدا کی پناہ ۔۔۔ نگہِ یار سے خدا کی پناہ
آچکی اب کسی کو شوق میں نیند ۔۔۔ تیرے اقرار سے خدا کی پناہ
پھر ہوا دل کو شوق شاہد و مے ۔۔۔ ابر بسیار سے خدا کی پناہ
بڑھ کے اشرار سے ہوں جن کے غرور ۔۔۔ ایسے احرار سے خدا کی پناہ
سامنا کون کرسکے حسرت ۔۔۔ ان کی تلوار سے خدا کی پناہ

9 اکتوبر 1923، یرودا جیل پونا

خیالِ غیر حق دل سے مٹا دو یا رسولؐ اللہ ۔۔۔ خرد کو اپنا دیوانہ بنادو یارسولؐ اللہ
تجلی طور پر جس نور کی دیکھی تھی موسیٰ نے ۔۔۔ ہمیں بھی اک جھلک اس کی دکھادو یا رسولؐ اللہ
علی آگاہ جس سے ہو کے باب علم کہلائے ۔۔۔ وہ رازِ عشق ہم کو بھی بتادو یا رسولؐ اللہ
حسین ابن علی کے صبر نے جس کے مزے لوٹے ۔۔۔ ہمیں بھی اس بلا کا حوصلا دو یا رسولؐ اللہ
رہے حسرت نہ حسرت کو لقائے غوث الاعظم کی ۔۔۔ اسے بغداد کا رستا دکھادو یا رسولؐ اللہ

6 نومبر 1923، یرودا جیل پونا

دشمن شیوۂ وفا شدہ ایں چہا کردۂ چرا شدۂ
کشتنم سہل گیر و عذر مخواہ کہ سزاوار مرحبا شدۂ
عشق اے شاہد عزیز مراد کہ بظاہر پئے جفا شدۂ
بہر بیماری ہوس مارا (ق) چارۂ در ولا دوا شدۂ
عاشقی پیشہ کردۂ حسرت شاہ درکسوت گدا شدۂ

ردیف "ی"

2 مئی 1918، میرٹھ جیل

حسرت کشانِ درد ہیں لب تشنگانِ عاشقی   سیراب غم کردے کہیں پیرِ مغانِ عاشقی
مطلوب آہِ سرد ہیں محبوب رنگِ زرد ہیں   معشوق اہل درد ہیں ہم عاشقانِ عاشقی
پہلو عیاں ہیں پیار کے تسکین جان زار کے   آنسو ہیں چشم یار کے روحِ روانِ عاشقی
راحت سے دل گھبرائے گا رورو کے غم یاد آئے گا   کیونکر بھلایا جائے گا عیشِ زمانِ عاشقی
سب رازِ حق افشا کیا حسرت یہ تو نے کیا کیا   ہم کو نہ کیوں سمجھا کیا ناقدردانِ عاشقی

24 مئی 1918، کٹھور ضلع میرٹھ

برکتیں سب ہیں عیاں دولت روحانی کی   واہ کیا بات ہے اس چہرۂ نورانی کی
شوق دیکھے تجھے کس آنکھ سے اے مہر جمال   کچھ نہایت ہی نہیں تیری درخشانی کی
مجھ سے وہ سگ بھی ہے افضل جسے عزت ہو نصیب   آستانِ حرم یار پہ دربانی کی
وہ تبسم بھی قیامت ہے ترا بعد جفا   تو نے دی ہو جسے خدمت نمک افشانی کی
رشکِ شاہی ہو نہ کیوں اپنی فقیری حسرت   کب سے کرتے ہیں غلامی شہ جیلانی کی

15 جون 1918، کٹھور ضلع میرٹھ

عقل سے حاصل ہوئی کیا کیا پشیمانی مجھے   عشق جب دینے لگا تعلیم نادانی مجھے
میری جانب ہے مخاطب خاص کر وہ چشم ناز   اب تو کرنی ہی پڑے گی دل کی قربانی مجھے

دیکھ لے اب بھی کہیں آ کر جو وہ غفلت شعار
کس قدر ہو جائے مرجانے میں آسانی مجھے

عیش کی یارب مبارک ہو فراوانی انھیں
درد کی لذت رہے البتہ ارزانی مجھے

سیکڑوں آزادیاں اس قید پر حسرت نثار
جس کے باعث کہتے ہیں سب ان کا زندانی مجھے

10 دسمبر 1918، موہان

اور بھی ہو گئے بیگانہ وہ غفلت کر کے
آزمایا جو انھیں ترک محبت کر کے

پستیِ حوصلۂ شوق کی اب ہے یہ صلاح
بیٹھ رہیے غمِ ہجراں پہ قناعت کر کے

دل نے پایا ہے محبت کا یہ عالی رتبہ
آپ کے درد دوا کار کی خدمت کر کے

روح نے پائی ہے تکلیف جدائی سے نجات
آپ کی یاد کو سرمایۂ راحت کر کے

چھیڑ سے اب وہ کہتے ہیں کہ سنبھلو حسرت
صبر و تاب دل بیتاب کو غارت کر کے

گھبرا کے تغافل سے تمنا ہے ستم کی
حالت کوئی دیکھے ترے مجبور الم کی

لاریب ترے شوق کا انجام فنا ہے
پیوستہ اسی راہ سے ہے راہ عدم کی

مخمور طرب ہے رہ الفت میں تمنا
لوٹی ہیں بہاریں جو ترے نقش قدم کی

باطن میں تو راضی ہیں مگر خط میں بظاہر
اب ہے جو لڑائی وہ لڑائی ہے قلم کی

بے وجہ نہیں عشق میں خاموشی حسرت
منظور حفاظت ہے کسی راز اہم کی

30 جنوری 1919، منماڑ، اثناء راہ بمبئی

مقرر کچھ نہ کچھ اس میں رقیبوں کی بھی سازش ہے
وہ بے پروا الٰہی آج کیوں گرم نوازش ہے

پئے مشقِ تغافل آپ نے مخصوص ٹھہرایا
ہمیں یہ بات بھی منجملہ اسباب نازش ہے

کہاں ممکن کسی کو باریابی ان کی محفل میں
نہ اطمینانِ کوشش ہے نہ امیدِ سفارش ہے

کیا تھا ایک دن دل نے جو دعوائے شکیبائی
سو اب تک ان کے نازِ دلبری کو ہم سے کاوش ہے

ہجوم یاس نے بے دل کیا ایسا کہ حسرت کو
ترے آنے کی اب امید باقی ہے نہ خواہش ہے

15 اپریل 1919

وہ جب یہ کہتے ہیں تجھ سے خطا ضرور ہوئی   میں بے قصور بھی کہہ دوں کہ ہاں حضور ہوئی
نظر کو تاب تماشائے حسن یار کہاں   یہ اس غریب کو تنبیہ بے قصور ہوئی
طفیل عشق ہے حسرت یہ سب مرے نزدیک   ترے کمال کی شہرت جو دور دور ہوئی

جولائی 1919، علی گڑھ

خو سمجھ میں نہیں آتی ترے دیوانوں کی   دامنوں کی نہ خبر ہے نہ گریبانوں کی
جلوۂ ساغر و مینا ہے جو ہمرنگِ بہار   رونقیں طرفہ ترقی پہ ہیں میخانوں کی
ہر طرف بے خودی و بے خبری کی ہے نمود   قابلِ دید ہے دنیا ترے حیرانوں کی
آنکھ والے تری صورت پہ مٹے جاتے ہیں   شمع محفل کی طرف بھیڑ ہے پروانوں کی
اے جفا کار ترے عہد سے پہلے تو نہ تھی   کثرت اس درجہ محبت کے پشیمانوں کی
فیضِ ساقی کی عجب دھوم ہے میخانوں میں   ہر طرف مے کی طلب مانگ ہے پیمانوں کی
یاد پھر تازہ ہوئی حال سے تیرے حسرت   قیس و فرہاد کے گزرے ہوئے افسانوں کی

جون 1919، علی گڑھ

مہیائے ترکِ تمنا نہیں ہے   دلِ زار ابھی تجھ کو سمجھا نہیں ہے
قصورِ نظر ہے جو دیکھے نہ کوئی   کہاں ورنہ تو جلوہ آرا نہیں ہے
دلِ محوِ حیرت نے اب تک نہ جانا   کہ کیا ہے تری آرزو کیا نہیں ہے
ترا مجھ پہ یوں خود بخود لطف کرنا   عجب ماجرا ہے جو دھوکا نہیں ہے
بصر کو کہاں تابِ دیدار حسرت   تجلی ہے ان کی تماشا نہیں ہے

جنوری 1922، کانپور

حالِ مجبوری دل کی نگراں ٹھہری ہے   دیکھنا وہ نگہ ناز کہاں ٹھہری ہے
ہجر ساقی میں یہ حالت ہے کہ اب جائے سرور   بوئے مے وجہ غم بادہ کشاں ٹھہری ہے

کیوں نہ معمورِ غمِ عشق ہو دنیائے خیال　　شکلِ یار آفتِ ہر پیر و جواں ٹھہری ہے
جس طبیعت پہ ہمیں ناز خود آگاہی تھا　　اب وہی شیفتۂ حسنِ بتاں ٹھہری ہے
یار بے نام و نشاں تھا سو اسی نسبت سے　　لذتِ عشق بھی بے نام و نشاں ٹھہری ہے
خیر گزری کہ نہ پہنچی ترے در تک ورنہ　　آہ نے آگ لگادی ہے جہاں ٹھہری ہے
دشمنِ شوق کہے اور تجھے سو بار کہے　　اس میں ٹھہرے گی نہ حسرت کی زباں ٹھہری ہے

10 اگست 1922، سابرمتی جیل احمد آباد

ہوتی ہے روز بارشِ عرفاں مرے لیے　　گویا بہشتِ عشق ہے زنداں مرے لیے
ناکامیٔ طلب میں کہ ہے جانِ عاشقی　　گنجینۂ مراد ہے پنہاں مرے لیے
رہتی ہے روز اک ستمِ تازہ کی تلاش　　بے چین ہے وہ فتنۂ دوراں مرے لیے
نزدیک ہے کہ شوق سنے وعدۂ وصال　　لب ہائے نازِ یار ہیں لرزاں مرے لیے
حسرت کوئی مدد نہ کرے کیا مضائقہ　　کافی ہے غوثِ اعظمِ جیلاں مرے لیے

26 جون 1922، سابرمتی جیل احمد آباد

جنوں نے دل سے وہ حس بھی مٹادی　　کرے جو امتیازِ رنج و شادی
نیا جب اس نے کوئی شر اٹھایا　　مری ایذا پسندی نے دعا دی
شبِ معراجِ مردانِ خدا ہے　　بقولِ شیخ روزِ نامرادی
مجازی عشق بھی اک شے ہے لیکن　　ہم اس نعمت کے منکر ہیں نہ عادی
کبھی تھی جاں نثاری کی جو حسرت　　وہ بارے کرکے بھی ہم نے دکھادی

11 جون 1922، سابرمتی جیل احمد آباد

کیا کام انھیں پرسشِ اربابِ وفا سے　　مرتا ہے تو مرجائے کوئی ان کی بلا سے
مجھ سے بھی خفا ہو مری آہوں سے بھی برہم　　تم بھی ہو عجب چیز کہ لڑتے ہو ہوا سے
دامن کو بچاتا ہے وہ کافر کہ مبادا　　چھو جائے کہیں پاکیٔ خونِ شہدا سے
دیوانہ کیا ساقیٔ محفل نے سبھی کو　　کوئی نہ بچا اس نگہِ ہوشربا سے
اک یہ بھی حقیقت میں ہے شانِ کرم ان کی　　ظاہر میں جو رہتے ہیں وہ ہر وقت خفا سے

آگاہ غمِ عشق نہیں وہ شہِ خوباں   اور یہ بھی جو ہو جائے فقیروں کی دعا سے
قائل ہوئے رندانِ خرابات کے حسرت   جب کچھ نہ ملا ہم کو گروہِ عرفا سے

10 اگست 1922، سابرمتی جیل احمد آباد

چلی سابرمتی میں آج کیا ہی   نسیمِ رحمت و لطفِ الٰہی
جمالِ التفاتِ شاہ جیلاں   ہوا پیدا بشانِ کج کلاہی
بیک دم دے دیا دینا تھا جو کچھ   دکھا دی شانِ حسنِ کم نگاہی
شہ عبد الصمد [1] کا واسطہ تھا   نہ کیونکر سرِ حق کھلتا کماہی
دلِ حسرت ہوا معمورِ انوار   شہ رزاق [2] دیتے ہیں گواہی

4 مئی 1922، سابرمتی جیل احمد آباد

ہجر میں یادِ یار آتی ہے   راحتِ غم شکار آتی ہے
بالشِ آرزو سے آج تلک   شوق کو بوئے یار آتی ہے
کوئے جاناں سے روحِ اہلِ غرور   بن کے طاعت گزار آتی ہے
چمنِ جاں میں پھر بقیدِ فرنگ   عاشقی کی بہار آتی ہے
ان کی محفل سے آرزو حسرت   ہو کے یکسر نگار آتی ہے

7 مارچ 1923، یرودا جیل پونا

ہے عشق میں حال کی خرابی   عاشق کو نوید کامیابی
صبح شبِ وصل تھام ہم کو   اے مائلِ ناز و نیم خوابی
حیرانِ جمالِ یار ہے عقل   سرمستِ شراب ہے شرابی
پنہاں ہے عبائیوں میں اپنی   وہ زیرِ حجاب بے حجابی
حسرت بہ رباعیاتِ موزوں   خیام سے کم نہیں سحابی

---

1 حضرت سید شاہ عبد الصمد صفا احمد آبادی   2 حضرت شاہ عبد الرزاق لکھنوی فرنگی محل

7مارچ1923، یرودا جیل پونا

بجا ہے دل زار کی ناصبوری — کہاں تک اٹھائے کوئی رنج دوری
رعایت جو اس شوخ کی تھی ضروری — خطا بن گئی خود مری بے قصوری
وہ تمہید ہی سے اڑالیں گے مطلب — کہیں شوق نے کی نہ ہو بات پوری
محبت نے کی دل میں وہ آگ روشن — کہ ہم ہوگئے جسمِ خاکی سے نوری
بہرحال گرویدۂ حسن ہیں ہم — جمالِ بشر معنوی ہو کہ صوری
تمنا نے کی خوب نظارہ بازی — مزا دے گئی حسن کی بے شعوری
نہ چھوٹا نہ چھوٹے دو یار حسرت — بہت ہم نے چاہا بنیں کانپوری

22مارچ1923، یرودا جیل پونا

آسان حقیقی ہے نہ کچھ سہل مجازی — معلوم ہوئی راہِ محبت کی درازی
کچھ لطف و نظر لازم و ملزوم نہیں ہیں — اک یہ بھی تمنا کی نہ ہو شعبدہ بازی
دل خوب سمجھتا ہے ترے حرفِ کرم کو — ہر چند وہ اردو ہے نہ ترکی ہے نہ تازی
قائم ہے نہ وہ حسن رخ یار کا عالم — باقی ہے نہ وہ شوق کی ہنگامہ نوازی
اے عشق تری فتح بہرحال ہے ثابت — مرکر بھی شہیدانِ محبت ہوئے غازی
کرجلد کہیں ختم ہمیں اے غم جاناں — کام آئے گی کس روز تری سینہ گدازی
معلوم ہے دنیا کو یہ حسرت کی حقیقت — خلوت میں وہ میخوار ہے جلوت میں نمازی

17 جنوری1923، یرودا جیل پونا

مرا ایماں عجب کیا ہے جو ایمانِ تصوف ہے — تصوف جانِ مذہب عاشقی جانِ تصوف ہے
گناہ اپنا نہیں ثابت خطا کے پھر بھی ہیں قائل — ادب کا ہے یہی شیوہ یہی شانِ تصوف ہے
ادب اک دوسرا ہے نام عشق روح پرور کا — جو رامِ عشق ہے جو زیرِ فرمانِ تصوف ہے
تعلق حسن وحق میں بھی ہے العشق ہو اللہ کا — یہی تو اصل دین و رمزِ پنہانِ تصوف ہے
گزر کر راہ پیچا پیچ قدر و جبر سے حسرت — یقین اپنا مقیم شہر عرفانِ تصوف ہے

15 مارچ 1923، یرودا جیل پونا

اگر شوق کی رہنمائی نہ ہوگی — تو ان تک ہوئی ہے رسائی نہ ہوگی
شبِ ہجر کیونکر کٹے گی جو یارب — تصور کی راحت فزائی نہ ہوگی
بغیر ان کے دم بھر نہیں چین دل کو — کبھی ان سے گویا جدائی نہ ہوگی
پڑے گی نظر تیری کاہے کو ہم پر — اگر برسرِ دلربائی نہ ہوگی
خرد کے لیے مایۂ فخر ہوگا — دیارِ جنوں کی گدائی نہ ہوگی
رہے عشق سے روح مانوس ہوکر — اب اس دامِ غم سے رہائی نہ ہوگی
ترا وہم ہوگا، سرِ بزم ہم نے — کبھی آنکھ تجھ سے لڑائی نہ ہوگی
وہ بگڑے ہیں تو من بھی جائیں گے آخر — لڑائی ہوئی ہے صفائی نہ ہوگی؟
ستم کرکے ناحق وہ نادم ہیں حسرت — کہ ہم سے کبھی بے وفائی نہ ہوگی

11 دسمبر 1922، یرودا جیل پونا

ہیں وہ باوصف شانِ خودکامی — جانِ محبوبی و دلارامی
کامیاب کمالِ عشق ہے دل — باوجودِ حصول ناکامی
عاشقی میں ہے زیبِ فرقِ جنوں — طرۂ افتخارِ بدنامی
ہم نے بیباک ان کو روک لیا — پختہ کاری سے بڑھ گئی خامی
بن گیا ہے فراقِ یار میں شوق — خلشِ انتظار کا حامی
پڑکے اک بار چھوٹتی ہے کہاں — عادتِ مستی و مے آشامی
حسرت اردو میں ہے غزل تیری — پرتوِ نقشِ سعدی و جامی

18 مارچ 1923، یرودا جیل پونا

ترے درد سے جس کو نسبت نہیں ہے — وہ راحت مصیبت ہے راحت نہیں ہے
جنونِ محبت کا دیوانہ ہوں میں — مرے سر میں سودائے حکمت نہیں ہے
ترے غم کی دنیا میں اے جانِ عالم — کوئی روح محرومِ راحت نہیں ہے
مجھے گرمِ نظارہ دیکھا تو ہنس کر — وہ بولے کہ اس کی اجازت نہیں ہے

جھکی ہے ترے بارِ عرفاں سے گردن ہمیں سر اٹھانے کی فرصت نہیں ہے
یہ اس روئے رنگیں کا ہے ایک پرتو بہار طلسم لطافت نہیں ہے
ترے سرفروشوں میں ہے کون ایسا جسے دل سے شوق شہادت نہیں ہے
تغافل کا شکوہ کروں ان سے کیونکر وہ کہہ دیں کے تو بے مروت نہیں ہے؟
وہ کہتے ہیں شوخی سے ہم دلربا ہیں ہمیں دلنوازی کی عادت نہیں ہے
شہیدانِ غم ہیں سبک روح کیا کیا کہ اس دل پہ بار ندامت نہیں ہے
نمونہ ہے تکمیل حسن سخن کا گہر باریٔ طبع حسرت نہیں ہے

20 مارچ 1923، یرودا جیل پونا

روشن جمالِ یار سے دنیائے عشق ہے گویا شراب حسن بہ مینائے عشق ہے
اہل ہوس کو بھی سر و سودائے عشق ہے یہ کفر ہے یہ دعویٔ بیجائے عشق ہے
محمل نشین درد جو لیلائے عشق ہے سوز و گداز مذہب دنیائے عشق ہے
اے ترک حسن ادھر بھی کہیں جلد کر گزار غارت کے انتظار میں کالائے عشق ہے
کہتی ہے عقل دین بھی دنیا بھی کر طلب ان سب سے منہ کو موڑ ایہ ایمائے عشق ہے
پہنچا ہے جذب دل کا کہاں سے کہاں اثر اربابِ حسن کو بھی تمنائے عشق ہے
مستی ہے اصطلاحِ محبت میں آگہی بیگانۂ خرد ہے جو دانائے عشق ہے
میں کیا ہوں ایک ذرہ صحرائے اشتیاق دل کیا ہے اک قطرۂ دریائے عشق ہے
ظاہر ہے بے قراریٔ پیہم سے حال دل بیکار ہم کو دعویٔ اخفائے عشق ہے
مدت کے بعد پھر وہ ہوئے مائل کرم یہ بھی تو اک طریقۂ احیائے عشق ہے
حسرت کو پائے بندیٔ ایماں سے کیا غرض وہ کافر جمال ہے ترسائے عشق ہے

30 جنوری 1923، یرودا جیل پونا

اک ان کے سوا جب نہ تھے ہم کسی کے الٰہی وہ دن کیا ہوئے عاشقی کے
سر شام وہ چائے نوشی کی صحبت وہ موقعے نظر بازی و شاعری کے
وہ رنگینی بزم احباب شوکت وہ سامان ثاقب کی دل

وہ برق و تجلی کی ہنگامہ کوشی　　وہ اظہار بے فکری و بے غمی کے
وہ حسرت علی گڑھ کا عہد فراغت　　وہ راتیں نمائش کی دن فروری کے

17 جون 1923، یرودا جیل پونا

وہ چپ ہوگئے مجھ سے کیا کہتے کہتے　　کہ دل رہ گیا مدعا کہتے کہتے
مرا عشق بھی خود غرض ہوچلا ہے　　ترے حسن کو بے وفا کہتے کہتے
شب غم کس آرام سے سوگئے ہم　　فسانہ تری یاد کا کہتے کہتے
یہ کیا پڑگئی خوئے دشنام تم کو　　مجھے ناسزا برملا کہتے کہتے
خبر ان کو اب تک نہیں مرمٹے ہم　　دل زار کا ماجرا کہتے کہتے
عجب کیا جو ہے بدگماں سب سے واعظ　　برا سنتے سنتے برا کہتے کہتے
وہ آئے مگر آئے کس وقت حسرت　　کہ ہم چل بسے مرحبا کہتے کہتے

15 جولائی 1923، یرودا جیل پونا

آہ دل عشاق نواساز نہیں ہے　　اس نغمۂ جاں سوز میں آواز نہیں ہے
زنہار اگر لطف ملے سیر چمن کا　　ساتھ اپنے جو وہ سرو سرافراز نہیں ہے
مجموعۂ خوبی ہوئی عشاق کی سیرت　　یہ کیا ہے اگر حسن کا اعجاز نہیں ہے
گرویدگی شوق ہوئی اپنی مسلم　　یوں ہے کہ اب ان کو بھی سر ناز نہیں ہے
منظور غم ہجر ترقی ہے طلب کی　　تقدیر عبث تفرقہ پرداز نہیں ہے
محسود ہے کون آج گروہ شہدا کا　　حسرت کو وہ کہتے تھے کہ جانباز نہیں ہے

18 جولائی 1923، یرودا جیل پونا

پہلے کہیں خدا اسے شوق شکار دے　　پھر یہ کہ وہ ہمیں کو نشانہ قرار دے
کاہے کو مٹنے پائیں تمنا کی شورشیں　　ہم کو جو بیش و کم پہ خدا اختیار دے
ساقی کو شوق ہے کرم بے حساب کا　　ساغر عجب نہیں جو ہمیں بے شمار دے
کیا کیا نہ یاد یار سے ہوں شرمسار ہم　　فرصت کبھی جو کشمکش روزگار دے
سب اس کے آگے ہیچ ہیں دنیا کی راحتیں　　پروردگار دے تو غم عشق یار دے

عاشق کے رنگِ زرد پہ خوں باریٔ فراق　　دیکھیں کبھی وہ آ کے تو کیا کیا بہار دے
حسرت سے کہتے ہیں وہ بتا اپنی آرزو　　اب کیا انھیں جواب یہ ناکردہ کار دے

25 جولائی 1923، یرودا جیل پونا

مرید آپ کے اہلِ صفا کے پیر ہوئے　　جو تھے فقیر امیروں کے وہ امیر ہوئے
ضیائے روح کا ان روشنوں کے کیا کہنا　　سراج نورِ نبوت سے جو منیر ہوئے
جبھی میں ہو نہ سکا فتنۂ جفائے عدو　　وہ کہہ چکے تھے کہ ہم تیرے دستگیر ہوئے
غرض انھوں نے بہرحال کی خبر گیری　　کبھی معیں رہے وہ کبھی نصیر ہوئے
تمام جھگڑوں بکھیڑوں سے ہو گئے آزاد　　حضور آپ کے جس دن سے ہم اسیر ہوئے
ہماری دھوم بھی دنیا سے عاشقی میں ہوئی　　وہ جب سے عالمِ خوبی میں بے نظیر ہوئے
غلام حضرت رزاق[1] کیا ہوئے حسرت　　کہ آپ نامِ خدا عاشقوں کے میر ہوئے

25 جولائی 1923، یرودا جیل پونا

ہم پر جنوں کی تہمت بیجا ابھی سے ہے　　ہنگامۂ بہار کا غوغا ابھی سے ہے
وعدے کی شب ہجومِ تمنا ابھی سے ہے　　سرگرمِ کار خاطرِ شیدا ابھی سے ہے
حالانکہ ابتدا بھی نہیں ہے شباب کی　　ان کو کمالِ حسن کا دعویٰ ابھی سے ہے
آنے میں ان کے دیر ہے لیکن شبِ وصال　　پیشِ نظر وہ چہرۂ زیبا ابھی سے ہے
اے عشق تازہ کار تری ابتدا کو ہم　　جب سوچتے ہیں کہتے ہیں گویا ابھی سے ہے
برسے گا من بہار میں اے پیر مے فروش　　تیری دکانِ بادہ کا چرچا ابھی سے ہے
دیکھیں ہوس پہ دوریٔ منزل سے کیا بنے　　جس کا خیال حوصلہ فرسا ابھی سے ہے
اہلِ نظر کا قول یہی ہے کہ بے مثال　　تیرا جمال اے گلِ رعنا ابھی سے ہے
حسرت کو شامِ وصل ہے پاسِ حیائے یار　　گو شوقِ پابوس کا ایما ابھی سے ہے

1 پیشوائے صوفیاں حضرت شاہ عبدالرزاق لکھنوی فرنگی محل

26 جولائی 1923، یرودا جیل پونا

عاشق کو ہوئی فنائے فانی   پیغام حیات جاودانی
ہے کثرتِ شوق کا نتیجہ   آنکھوں کی یہ آرزو فشانی
تھی ان کی نگاہِ بے نگاہی   اک طرفہ ادائے دلستانی
پھر آج وہ برسرکرم ہیں (ق) از   راہِ کمال مہربانی
پھر گلشن آرزو میں گویا   آئی ہے بہار کامرانی
بیٹھے ہیں وہ روٹھ کر جو مجھ سے   چمکا ہے جمال سرگرانی
کچھ ایسے جدا ہوئے کہ ہم سے   پھر مل نہ سکا وہ یار جانی
کچھ داغ فراق کے علاوہ   تم اور نہ دے چلے نشانی
اردو میں کہاں ہے اور حسرت   یہ طرز نظیری و فغانی

3 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

علی کے لال زہرا کے دلارے   رسولؐ اللہ کی آنکھوں کے تارے
نمونے شیوۂ خلق حسن کے   نمایاں ہیں تیری سیرت میں سارے
حسین ابن علی کی شان تسلیم   تری جانب کو کرتی ہے اشارے
کبھی اے پادشاہ اہل عرفاں   نظر ہم پر بھی اک ہوجائے بارے
کسی کی اور کیا پروا ہو ان کو   جنھیں کافی ہوئے تیرے سہارے
بھلا ساقی کوئی دن فصل گل کے   جدائی میں تری کیونکر گزارے
کرو حسرت حضور میر بغداد   جمال نور مطلق کے نظارے

14 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

گمرہوں کی رہنمائی کیجیے   یا علی مشکل کشائی کیجیے
کچھ ہمیں بھی اے امیر اولیا   دیجیے پاس گدائی کیجیے

خواہش ظاہر سے باطن کی طرف اہل دل کی دلربائی کیجیے
باعطائے دولت قرب و قبول چارۂ درد جدائی کیجیے
جانِ حسرت ہے گرفتار مجاز حکم انعام رہائی کیجیے

ترک شان کج ادائی کیجیے آیئے ہم سے صفائی کیجیے
سرخ رو کرکے ہمیں عشاق میں شہرۂ کلفوں قبائی کیجیے
ان سے کرکے شکوۂ جور و جفا مرتے دم کیا بے وفائی کیجیے
بدمزاج اے پاسبان کوئے دوست تجھ سے کیونکر آشنائی کیجیے
ہم کو حسرت ہے یقین قرب دوست آپ خوف نارسائی کیجیے

20 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

کیا کیا نہ ہجر میں ترے ناشاد کرچکے اب یہ سمجھ کہ چپ ہیں کہ وہ یاد کرچکے
کہتے ہیں اب وہ تیری گزارش ہے نا قبول اک بار کرچکے جو ہم ارشاد کرچکے
نادم وہی تو آج ہیں کل بر بنائے ناز خاکِ شہید عشق جو برباد کرچکے
رنگیں طرازیاں ہیں غضب اشک سرخ کی جو دامنِ جنوں پہ ہم ایجاد کرچکے
حسرت وہ اب ہوئے بھی تو کیا مائل کرم جب ختم ساری سختی بیداد کرچکے

12 ستمبر 1923، یرودا جیل پونا

تیری جفا بھی ہے وفا اے بکمال دلبری تیرے ستم سے دیتے ہیں لوگ مثال دلبری
بات ہے تیری حیلہ جو صرف بناز گفتگو چال ہے تیری فتنہ خو مست بحال دلبری
اہل کمال کی نظر محو ثنا ہے دیکھ کر چہرۂ حسن یار پہ ندرت خال دلبری
مہر سپہر حسن ہو باخط و خالِ گل رخی ماہِ تمام ناز ہو بامن و سال دلبری
اس کے سوا کہ ہے یہ خو وصف بتانِ ماہرو کچھ بھی جو جانتا ہو تو کیا ہے مآل دلبری
ذات پہ جن کی ختم تھا شیوۂ جور برملا آج ہیں برسر وفا پھر یہ خیال دلبری
حسرت پاکباز کے گریۂ شوق سے رہے تازہ یوں ہی خدا کرے تیرا نہال دلبری

17 اکتوبر 1923، یرودا جیل پونا

کس قدر دشوار تھی ہم پر جدائی آپ کی
بارے پھر اللہ نے صورت دکھائی آپ کی

شوق پر اب تک نہیں ثابت رکھائی آپ کی
کس قدر چالاک ہے بے اعتنائی آپ کی

رہ گئی اہل ہوس میں یادگار حسن و عشق
ناز برداری ہماری دلربائی آپ کی

بدگماں کا ہے کو ہوتا آپ کا حسن غیور
ہم نے کیوں تصویر آنکھوں سے لگائی آپ کی

مجھ سے یہ اکثر کہا کرتا ہے وہ مخمور ناز
دیکھیے نبھتی ہے کب تک پارسائی آپ کی

آپ کو آتا رہا میرے ستانے کا خیال
صلح سے اچھی رہی مجھ کو لڑائی آپ کی

عرض کر کے حال دل کس درجہ ہیں محجوب ہم
دیکھ کر غصے میں صورت تمتمائی آپ کی

مجھ کو جو آتی ہے وہ لاریب ہے خوشبوئے حسن
ورنہ پوشش عطر میں کس نے بسائی آپ کی

گلشن امید میں چلنے لگی باد بہار
یا سواری میرے دروازے پہ آئی آپ کی

بھول بیٹھے تھے الٰہی کیا کریں اس دل کو ہم
ہجر میں پھر یاد جس دل نے دلائی آپ کی

فرق اور فرق زمین و آسماں آیا نظر
شکل جب تصویر یوسف سے ملائی آپ کی

نے نواز عاشقی نے نغمہ ہائے حسن میں
بارہا آواز کانوں کو سنائی آپ کی

رہا جب دیکھا کہ غیروں سے بڑھایا آپ نے
رفتہ رفتہ ہم نے بھی چاہت گھٹائی آپ کی

دل کہ مالا مال غم تھا کتنی بیدردی کے ساتھ
ہم نے رو رو کر وہ سب دولت لٹائی آپ کی

آپ کے وعدے کی شب کھا کر فریب آرزو
سیج کس کس شوق سے ہم نے سجائی آپ کی

جس سے حسرت ہوگئی زیر و زبر بزم سماع
کس قیامت کی غزل مطرب نے گائی آپ کی

18 اکتوبر 1923، یرودا جیل پونا

عقدہ وصال یار کا حل ہو تو چاہیے
خوف و خلوص و علم و عمل ہو تو چاہیے

تمکیں و قہر یار میں مشکل ہے امتیاز
غصے سے ابروؤں پہ جو بل ہو تو چاہیے

کیونکر کھلے، ہوئے ہیں وہ کس بات پر خفا
کچھ بھی جو بے رخی کا محل ہو تو چاہیے

رہتی ہے یوں تو غیر سے روز ان کی چھیڑ چھاڑ
کچھ واقعی بھی رد و بدل ہو تو چاہیے

حسرت یہ رنج ہجر یہ قید اور یہ جور غیر
اس کشمکش میں آج غزل ہو تو چاہیے

15 اکتوبر 1923، یرودا جیل پونا

تراوش کرتی ہیں رنگینیاں کب اپنے مضموں سے
عبارت ہے یہ اس جانِ جہاں کے شوقِ موزوں سے

بلائے کثرتِ عشاق سے ناحق ہے بیزاری
شکایت کیجیے اپنے جمالِ روز افزوں سے

غرور اپنا نہیں بیجا کہ نسبت ہے برابر کی
تمھاری زلفِ ابتر کو ہمارے بختِ واژوں سے

اثر دیکھے تو کوئی حسنِ لیلائے تصور کا
تقاضہ شوق کا ملنے لگا تصویرِ مجنوں سے

چمن میں جوشِ گل کی کھنچ گئی تصویر جب حسرت
ملی ساغر کی سبزی سرخیٔ صہبائے گلگوں سے

20 نومبر 1923، یرودا جیل پونا

خبر کیا تھی ترے عزمِ سفر کی
روانی رک چلی اب چشمِ تر کی

وہ عاشق مجھ سے پہلے تھے کہ ان کو
خبر تھی میرے شوقِ بے خبر کی

مری محرومیوں کا حال سن کر
انھیں اب فکر ہے رد اثر کی

بھلا حوروں کی زینت میں یہ مستی
کہاں سے آئے گی حسنِ بشر کی

وہ ہیں مجبورِ نازِ دلربائی
کہے دیتی ہے بیباکی نظر کی

دلِ آگاہ کو اے حسنِ رسوا
تری خواہش نہ کرنی تھی مگر کی

خیالِ یار میں حسرت شبِ ہجر
عجب آرام سے ہم نے بسر کی

8 دسمبر 1923، یرودا جیل پونا

گلشن میں نہ دل بلبلِ ناکام لگائے
پنہاں یہیں صیاد بھی ہے دام لگائے

یہ بات عجب عادتِ انساں میں ہے داخل
تقدیر کا، خود کرکے خطا، نام لگائے

مسجد میں کہیں محوِ عبادات ہیں زاہد
جنت کی دلوں کو طمعِ خام لگائے

بیٹھا ہے کہیں راہِ خراباتِ مغاں میں
دکانِ ہوس کوئی ہے آشام لگائے

ہر حال میں راضی برضا ہم ہیں کہ حسرت
کیا دخل جو ان پر کوئی الزام لگائے

18 دسمبر 1923، یرودا جیل پونا

کوششِ وصالِ یار کی معذور ہو چکی　　اب ہم سے خدمتِ دلِ رنجور ہو چکی
لے کر چلی ہے مغفرتِ حق ہمیں . . .　　جنت میں ہم سے عاشقیِ حور ہو چکی
دستور کے اصول مسلّم ٹھہر چکے　　شاہی بھی رامِ غلبۂ جمہور ہو چکی
سرمایہ دار خوف سے لرزاں ہیں کیوں نہ ہوں　　معلوم سب کو قوتِ مزدور ہو چکی
اور آپ اس سے چاہتے کیا ہیں سوائے سوز　　حسرت یہ نارِ عشق ہے یہ نور ہو چکی

28 دسمبر 1923، یرودا جیل پونا

مختصر وقتِ مقرر پہ ملاقات ہوئی　　آج یہ آپ کی جانب سے نئی بات ہوئی
دلِ مشتاق میں اک شوق کا طوفان اٹھا　　وعدۂ وصل کا دن ختم ہوا رات ہوئی
مذہبِ عشق میں ناکامیِ جاوید کی خو　　فرض منجملۂ احکامِ عبادات ہوئی
حسن کی نیم نگاہی بھی تمنا کے لیے　　موجبِ فخر ہوئی وجہِ مباہات ہوئی
دمِ آخر وہ ملے بھی تو ملے کیا حسرت　　کھیت جب سوکھ چکے اپنے تو برسات ہوئی

21 دسمبر 1923، یرودا جیل پونا

شوق کہاں آرزوئے شوق ہے　　جس سے جہاں مست ئے ذوق ہے
درجہ ترے عشقِ فسوں کار کا　　حسن کے رتبے سے بھی مافوق ہے
گردنِ حسرت میں پئے امتیاز　　خوبِ غلامی کا ترے طوق ہے

16 جنوری 1924، یرودا جیل پونا

آنکھ تیری بھی تا سحر نہ لگے　　عاشقوں کی کہیں نظر نہ لگے
وہ بھی کورنش ہے کوئی جس کے لیے　　ان کے قدموں سے جھک کے سر نہ لگے
یہ بھی ہے ماننے کی بات کوئی　　مر مٹیں ہم تمھیں خبر نہ لگے
ہمت اتنی دلِ ہوس میں کہاں　　کہ اسے تیری ضد سے ڈر نہ لگے
شجرِ شوق ہے ترا وہ شجر　　جس میں حسرت کبھی ثمر نہ لگے

24 جنوری 1924، یرودا جیل پونا

ہر دم رضائے یار سے نزدیک ہم رہے — امیدوار وعدۂ عطیک ہم رہے
تحریک حریت کو جو پایا قرین حق — ہر عہد میں معاون تحریک ہم رہے
خلق خدا کو مال کے شرکت کا مستحق — درباب ملک منکر تملیک ہم رہے
دشوار تھا بغیر یقیں روح کا سکوں — اچھا ہوا کہ دشمن تشکیک ہم رہے
ہر حال ہر خیال میں ہر اعتبار سے — حسرت مطیع عشق رہے ٹھیک ہم رہے

23 مارچ 1924، یرودا جیل پونا

باقی ہے جو کچھ کچھ خلش درد کبھو کی — اب تک یہ مرے دل میں امانت ہے کسو کی
مقصد ہے جلانا کبھی اس کو کبھی مجھ کو — خاطر تجھے منظور ہے میری نہ عدو کی
ارزانیٔ مے سن کے ترے دور میں ساقی — ہر دل میں ہوس عام ہوئی جام و سبو کی
قائم ہے بیک حال مرے درد جگر میں — قدرت نہ فنا کی ہے نہ قوت ہے نمو کی
بیزار ہوں میں زخم دل زار سے حسرت — اب تک اسے کیوں یعنی تمنا ہے رفو کی

15 فروری 1924، تخمیس شعر عراقی

نہ کسی سے دشمنی ہے نہ کسی سے آشنائی — دو جہاں سے منہ کو موڑا تری یاد کیا لگائی
مجھے صوم سے ملا کچھ نہ نماز راس آئی — ستمارہ قلندر سز دار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

21 دسمبر 1923 رباعی در وصف توفیق الٰہی

ہو کر ہی رہا ہمیشہ میرا چاہا — جب، جو، میرے دل نے تجھ سے چاہا چاہا
توفیق اسے کہتے ہیں کہ چاہا بھی وہی — میں نے جو کچھ اس نے مجھ کو دینا چاہا

رباعی دیگر

بیباک رہیں فکر اسیری نہ کریں — یوں فاقہ و فقر میں امیری نہ کریں
ہم کیا ہیں بساط کیا ہماری حسرت — غوث الاعظم جو دستگیری نہ کریں

تازہ غزلیات حسرت موہانی

یونہیں مائل ہے سر اس در کی جبیں سائی کا — شوق محتاج نہیں حوصلہ افزائی کا
آج کل حسن رخ یار کی بیتابی کو — ضد یہ ہے نام نہ دے کوئی شکیبائی کا
یہ بھی احسان ہے ان کا کہ مجھے کر کے تباہ — دیکھنے آئے تماشا میری رسوائی کا
رنج دوری سے ہوا عیش تصور جو بہم — ہوگیا اور ہی عالم شب تنہائی کا
ان سے ارباب نظر کی ہے یہ خواہش حسرت — اٹھ رہے کوئی دقیقہ نہ خود آرائی کا

28 اگست 1928، برسانہ

عرفان عشق نام ہے میرے مقام کا — حامل ہوں کس کے نغمۂ نے کے پیام کا
متھرا سے اہل دل کو وہ آتی ہے بوئے انس — دنیائے جاں میں شور ہے جس کے دوام کا
مخلوق اک نگاہ کرم کی امید وار — مستانہ کر رہی ہے بھجن رادھے شام کا
محبوب کی تلاش ہوئی رہبر محبت — برسانے سے جو قصد کیا نند گام کا
گوکل کی سرزمین بھی عزیز جہاں بنی — کلمہ پڑھا جو ان کی محبت کے نام کا
بندرا کا بن بھی روکش جنت بنا، کہ تھا — پامال ناز انہیں کی بہار خرام کا
لبریز نور ہے دل حسرت زہے نصیب — اک حسن مشک فام کے شوق تمام کا

1930 قطعہ مسلسل، اردوئے معلی کانپور دسمبر

وہ کہتے ہیں پھر تجھ کو آنا پڑے گا — ہمیں کو پھر الٹے منانا پڑے گا
نہ جب تجھ سے مطلب رہا کچھ تو دل سے — تری یاد کو بھی بھلانا پڑے گا
تری یاد بھی چھوٹ جائے گی لیکن — بہت دل کو صدما اٹھانا پڑے گا
کہاں جائے گی عشق بازی کی عادت — کہیں اور ہی دل لگانا پڑے گا
تجھے بزم خوباں میں درخور کا اپنے — بلا کر نمونا دکھانا پڑے گا
دکھا کر تماشائے واسوخت آخر — تجھے پھر سے اپنا بنانا پڑے گا
ارادے غرض ہیں بہت کچھ، پہ حسرت — وہ کہتے ہیں پھر تجھ کو آنا پڑے گا

بیانِ عرب کا زبانِ عجم سے

8رجب1350 ھ اجمیر شریف

ترے غم سے مدد جب دل نے چاہی   مٹی سب ظلم عصیاں کی سیاہی
ہوئی ہے رہنمائے منزلِ حق   جنونِ شوق کی گم کردہ راہی
ترے مستوں کی اے سلطانِ مستاں   گنہگاری ہے عین بے گناہی
متاعِ عقل ہے مشتاقِ غارت   ادھر بھی ایک ایمائے تباہی
غلام خواجہ اجمیر حسرت   بجا ہے گر کریں دعوائے شاہی

مقام پانی پت12 رمضان1350ھ

طلب عادت نہیں اہلِ رضا کی   یہ لغزش تھی زبانِ مدعا کی
عبارت ہے مرے ذوقِ فنا سے   اشارت اس نگاہِ آشنا کی
کرم اس جانِ اربابِ وفا کا   مرے حق میں ہے پیغام بلا کی
بقدرِ شوق اربابِ نظر ہے   ترقی ان کے حسنِ خود نما کی
عبارت بن گئی ہے عاشقوں کو   حکایت اس جمالِ دلربا کی
اب ان آنکھوں میں ہے صبحِ شبِ وصل   نہ شوخی کی نہ گنجائش حیا کی
سبب حسرت ہوئی فیضانِ حق کا   نظر لطفِ کبیر الاولیا [1] کی

یاد شہر و کوئے یار آنے لگی   آرزو کو بوئے یار آنے لگی
زلفِ یار اندر ہوائے حسنِ یار   تا رُخِ نیکوئے یار آنے لگی
شوق مخمور ہوس ہونے لگا   نکہتِ گیسوئے یار آنے لگی
حسن کی نذر عقیدت بے شمار   ہر طرف سے سوئے یار آنے لگی

---

1. حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی

انتخاب

دیوان شیفتہ

کچھ انتظار مجھ کو نہ مے کا نہ ساز کا — لاچار ہوں کہ حکم نہیں کشفِ راز کا
ایمن ہیں اہل جذبہ کہ رہبر ہے ان کے ساتھ — سالک کو ہے خیال نشیب و فراز کا
ساقی کے ہیں اگر یہی الطاف کیا عجب — ارض و سما میں ہوش نہ ہو امتیاز کا
پانی وضو کو لاؤ رخ شمع زرد ہے — مینا اٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا
جور اجل کو شوخی بیجا کہا کیا — تھا محو شیفتہ جو کسی مست ناز کا

ہائے اس برق جہاں سوز پہ آنا دل کا — سمجھے جو گرمیٔ ہنگامہ جلانا دل کا
ہم سے پوچھیں کہ اسی کھیل میں کھوئی ہے عمر — کھیل جو لوگ سمجھتے ہیں لگانا دل کا
شیفتہ صبر کرو ایسی بھی کیا بیتابی — جو کوئی ہو تمھیں احوال سنانا دل کا

سب حوصلہ جو صرف ہوا جور یار کا — مجھ پر گلہ رہا ستم روزگار کا
جور و جفا بھی غیر پر اے یار دل شکن — کچھ بھی خیال ہے دل امیدوار کا
ہر کوچہ میں کھلی ہے جو دکان مے فروش — کیا فصل ہے شراب کی موسم بہار کا
گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے — دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا
آزاد ہے عذاب دو عالم سے شیفتہ — جو ہے اسیر سلسلہ تابدار کا

اس بزم میں ہر چیز سے کمتر نظر آیا — وہ حسن کہ خورشید کے عہدے سے برآیا
کچھ دور نہیں ان سے کہ نیرنج بتا دیں — کیا فائدہ گر آنکھ سے لخت جگر آیا
گو کچھ نہ کہا پر ہوئے دل میں متاثر — شکوہ جو زباں پر میرے آشفتہ تر آیا
بے قدر ہے مفلس شجر خشک کی مانند — یہاں درہم و دینار میں برگ و ثمر آیا
روداد میں ہیں شیفتہ کے مختلف اقوال — پوچھیں گے وہاں سے جو کوئی معتبر آیا

اس سے میں شکوہ کی جا شکر ستم کر آیا — کیا کروں تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا
مجھ سے وہ صلح کو اس شان سے آئے گویا — جنگ کے واسطے دارا سے سکندر آیا
اڑ گئے ہوش کہ پیغام اجل ہے یہ جواب — کوچۂ یار سے زخمی جو کبوتر آیا
نہ دیا ہائے مجھے لذت آزار نے چین — دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا
آپ مرتے تو ہیں پر جیتے ہی بن آئے گی — شیفتہ ضد پہ جو اپنے وہ ستمگر آیا

یار کو محرم تماشا کیا — مرگ مفاجات نے یہ کیا کیا
غرض تمنا سے رہا بے قرار — شب وہ مجھے میں اسے چھیڑا کیا
ان کو محبت ہی میں شک پڑ گیا — ڈر سے جو شکوہ نہ عدو کا کیا
دیکھیے اب کون ملے خاک میں — یار نے گردوں سے کچھ ایسا کیا
غیر ہی کو چاہیں گے اب شیفتہ — کچھ تو ہے جو یار نے ایسا کیا

اس جنبش ابرو کا گلہ ہو نہیں سکتا　　دل گوشت ہے ناخن سے جدا ہو نہیں سکتا
یہ رازِ محبت ہے نہ افسانۂ بلبل　　محرم ہو مری بادِ صبا ہو نہیں سکتا
وہ مجھ سے خفا ہے تو اسے یہ بھی ہے زیبا　　پر شیفتہ میں اس سے خفا ہو نہیں سکتا

آج ہی کیا آگ ہے سرگرم کیں تو کب نہ تھا　　شمع ساں مجبور خوئے آتشیں تو کب نہ تھا
آج ہی تیری جگہ کچھ سینہ و دل میں نہیں　　مثلِ تیرِ غمزۂ ظالم دلنشیں تو کب نہ تھا
آج ہی کیا ہے فلک پر شکوۂ فریادِ خلق　　اے ستمگر آفتِ روئے زمیں تو کب نہ تھا
آج ہی باتیں بنائی یہاں کے آنے میں نہیں　　حیلہ گر تو کب نہ تھا عذر آفریں تو کب نہ تھا
آج ہی اٹھ کر یہاں سے کیا عدو کے گھر گیا　　مہر وش شب کو کہیں دن کو کہیں تو کب نہ تھا
جستجو میں سرمۂ تسخیر کی ہم کب نہ تھے　　چشم افسوں ساز سے سحر آفریں تو کب نہ تھا
تیری ان باتوں پہ ہم طعنے اٹھاتے کب نہ تھے　　اے ستمگر شیفتہ کا ہم نشیں تو کب نہ تھا

بسکہ آغازِ محبت میں ہوا کام اپنا　　پوچھتے ہیں ملک الموت سے انجام اپنا
عمر کٹتی ہے تصور میں رخ و کاکل کے　　رات دن اور ہے اے گردشِ ایام اپنا
وہاں یہ قدغن کہ نہ آوازِ فغاں بھی پہنچے　　یہاں یہ شورش کہ گزارا ہو لبِ بام اپنا
طپشِ دل کے سبب سے مجھے خواہشِ مرگ　　کون ہے جس کو نہ منظور ہو آرام اپنا
تابِ بوسہ کی کسی شیفتہ وہ دیں بھی اگر　　کر چکے کام یہاں لذتِ دشنام اپنا

پلا جام ساقی سے گلاب کا　　کہ کچھ حظ اٹھے سیرِ مہتاب کا
نہ کچھ غل اے خوشنوایانِ صبح　　یہ ہے وقت ان کی شکر خواب کا
محبت نہ ہرگز جتائی گئی　　رہا ذکر کل اور ہر باب کا

پڑے صبر آرام کی جان پر — میری جان ہے صبر و بیتاب کا
نہ کرنا خطا پر نظر شیفتہ — کہ اغماض شیوہ ہے احباب کا

اپنی جوار میں ہمیں مسکن بنادیا — دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا
مشاطہ نے مگر عمل سیمیا کیا — گلبرگ کو جو غنچہ سوسن بنا دیا
دامن تک اس کے ہائے نہ پہنچا کبھی وہ ہاتھ — جس ہاتھ نے کہ جیب کو دامن بنا دیا
دیکھا نہ ہوگا خواب میں بھی یہ فروغ حسن — پردے کو اس کے جلوہ نے چلمن بنا دیا
تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار — شب موم کرلیا سحر آہن بنا دیا
صحرا بنا رہا ہے وہ افسوس شہر کو — صحرا کو جس کے جلوہ نے گلشن بنا دیا
اظہار عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ — یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

تھا غیر کا جو رنج جدائی تمام شب — نیند ان کو میرے ساتھ نہ آئی تمام شب
یہ ڈر رہا کہ سوتے نہ پائیں کہیں مجھے — وعدے کی رات نیند نہ آئی تمام شب
تھوڑا سا میرے حال پر فرما کر التفات — کرتے رہے وہ اپنی بڑائی تمام شب
وہ صبح جلوہ جلوہ گر باغ تھا جو رات — مرغ سحر نے دھوم مچائی تمام شب
افسانے سے بگاڑ ہے ان بن ہے خواب سے — ہے فکر وصل و ذکر جدائی تمام شب
جس کے شمیم زلف پہ میں غش ہوں شیفتہ — اس نے شمیم زلف سنگھائی تمام شب

کیا اٹھ گیا ہے دیدۂ اغیار سے حجاب — ٹپکا پڑے کیوں نگہ یار سے حجاب
لاؤ نعم نہیں جو تمنائے وصل پر — انکار سے حجاب ہے اقرار سے حجاب
روز وشب وصال مبارک ہو شیفتہ — جور فلک کو ہے ستم یار سے حجاب

روزِ غم میں کیا قیامت ہے شبِ عشرت کی یاد — اشک خوں سے آ گئیں رنگینیاں صحبت کی یاد
میں ہوں بے کس اور بے کس پر ترحم ہے ضرور — حسن روز افزوں دلا دینا مری حالت کی یاد
طاقتِ جنبش نہیں اس حال پر قصدِ عدم — مر گئے پر بھی رہے گی اپنی اس ہمت کی یاد
غالباً ایامِ حرماں بے خودی میں کٹ گئی — آتی ہے پھر آرزو بھولی ہوئی مدت کی یاد
دل لگانے کا ارادہ پھر ہے شاید شیفتہ — ایک حسرت سے جو ہے گزری ہوئی الفت کی یاد

شیفتہ آیا ہوں میں کس کا تماشا دیکھ کر — رہ گئے حیران مجھ کو سب خود آرا دیکھ کر
خیر جو گزری سو گزری پر یہی اچھا ہوا — خط دیا تھا نامہ بر نے اس کو تنہا دیکھ کر
سائلِ مبرم کی پھبتی مجھ پر فرمانے لگے — آرزوئے شوق کو گرمِ تقاضا دیکھ کر
یار پہلو میں نہیں ہے جام و مینا میں نہیں — تم ہوئے حیران مجھ کو ناشکیبا دیکھ کر
ناگہاں بادِ موافق شیفتہ چلنے لگے — جان پر کل بن رہی تھی شورِ دریا دیکھ کر

ہند کی وہ زمیں ہے عشرت خیز — کہ نہ زاہد جہاں کریں پرہیز
بند کیا یاں تو شاہد و مے سے — پارسا کو نہیں گزیر و گریز
سخت مشکل ہے ایسی عشرت میں — خطرِ حشر و بیم رستا خیز
ہے غریبوں کو جراتِ فرہاد — ہے فقیروں کو عشرتِ پرویز
عیش نے یاں بٹھا دیا ناقہ — غم نے کی یہاں سے رخش کو مہمیز
کوئی یہاں غم کو جانتا ہی نہیں — جز غمِ عشق سو ہے عیش آمیز
بادِ صرصر یہاں نسیمِ چمن — نارِ عنصر سے آتشِ گل تیز
بوستاں کی طرح یہاں صحرا — دل کشا دل پذیر دل آویز
شیفتہ تھام لو عنانِ قلم — یہ زمیں گرچہ ہے ہوس انگیز

اٹھے نہ چھوڑ کے ہم آستان بادہ فروش
طلسم ہوشربا ہے دکان بادہ فروش
کھلا جو پردۂ روئے حقائق اشیا
کھلی حقیقت راز نہان بادہ فروش
یقین ہے کہ مئے ناب مفت ہاتھ آئے
یہ جس میں ہے کہ بنوں مہمان بادہ فروش
قدح سے دل ہے مرادادرئے سے عشق غرض
میں وہ نہیں کہ نہ سمجھوں زبان بادہ فروش
عبث ہے شیفتہ ہر اک سے پوچھتا پھرنا
ملے گا بادہ کشوں سے نشان بادہ فروش

رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آ کے لب تلک
ہے ارزوئے بوسہ بہ پیغام اب تلک
کہتے ہیں بے وفا مجھے میں نے جو یہ کہا
مرتے رہیں گے آپ پہ جیتے ہیں جب تلک
وہ چشم التفات کہاں اب جو اس طرف
دیکھیں کہ ہے دریغ نگاہ عقب تلک
یہاں عجز بے ریا ہے نہ وہاں ناز دلفریب
شکر بجا رہا گلۂ بے سبب تلک
ایسی ہی بے قراری رہی متصل اگر
اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تلک

گہ ہم سے خفا وہ ہیں گہ ان سے خفا ہم
مدت سے اسی طرح نبھی جاتی ہے باہم
کرتے ہیں غلط یار سے اظہار وفا ہم
ثابت جو ہوا عشق کہا یار کہا ہم
کچھ نشۂ مے سے نہیں کم نشۂ نخوت
تقویٰ میں بھی صہبا کے اٹھاتے ہیں مزا ہم
نے طبع پریشاں تھی نہ خاطر متفرق
وہ دن بھی عجب تھے کہ ہم اور آپ تھے باہم
یہ طرز ترنم کہیں زنہار نہ ڈھونڈھو
اے شیفتہ یا مرغ چمن رکھتے ہیں یا ہم

مر گئے ہیں جو ہجر یار میں ہم
سخت بیتاب ہیں مزار میں ہم
آمد آمد میں اس قدر شورش
دیکھیے کیا کریں بہار میں ہم
وہ تو سو بار اختیار میں آئے
پر نہیں اپنے اختیار میں ہم
کوئے دشمن میں ہوگئے پامال
آمد و رفت بار بار میں ہم
گر نہیں شیفتہ خیال فراق
کیوں تڑپتے ہیں وصل '

بچتے ہیں اس قدر جو ادھر کی ہوا سے ہم — واقف ہیں شیوۂ دلِ شورش ادا سے ہم
ہر بات پر نگاہ ہماری ہے اصل پر — لیتے ہیں مشک زخم کو زلفِ دوتا سے ہم
بلبل یہ کہہ رہی ہے سرِ شاخسار پر — بدمست ہو رہے ہیں چمن کی ہوا سے ہم

کم فہم ہیں تو کم ہیں پریشانیوں میں ہم — دانائیوں سے اچھے ہیں نادانیوں میں ہم
غیروں کے ساتھ آپ بھی اٹھتے ہیں بزم سے — لو میزبان بن گئے مہمانیوں میں ہم
دیکھا جو زلفِ یار کو تسکین ہو گئی — یک چند مضطرب تھے پریشانیوں میں ہم
جو جان کھو کہ پائیں تو فوزِ عظیم ہے — وہ چیز ڈھونڈتے ہیں تن آسانیوں میں ہم
پیرِ مغاں کی فیض توجہ سے شیفتہ — اکثر شراب پیتے ہیں رومانیوں میں ہم

کچھ درد ہے مطربوں کی لے میں — کچھ آگ بھری ہوئی ہے نے میں
کچھ زہر اگل رہی ہے بلبل — کچھ زہر ملا ہوا ہے مے میں
بدمست جہان ہو رہا ہے — ہے یار کی بو ہر ایک شے میں
ہے مستی نیم خام کا ڈر — اصرار ہے جام پے بہ پے میں
کچھ شیفتہ یہ غزل ہے آفت — کچھ درد ہے مطربوں کی لے میں

سرفروش آتے ہیں اے یار ترے کوچے میں — گرم ہے موت کا بازار ترے کوچے میں
ملک الموت کے گھر کا تھا ارادہ اپنا — لے گیا شوق غلط کار ترے کوچے میں
تو ہے اور غیر کے گھر جلوہ طرازی کی ہوس — ہم ہیں اور حسرتِ دیدار ترے کوچے میں
کس تجاہل سے یہ کہتا ہے کہاں رہتے ہو — تیرے کوچے میں ستمگار ترے کوچے میں
شیفتہ ایک نہ آیا تو نہ آیا کیا ہے — روز آ رہتے ہیں دو چار ترے کوچے میں

شکوہ جفا کا کیجے تو کہتے ہیں کیا کروں — تم سے وفا کروں کہ عدو سے وفا کروں
مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال — کیا شرح حالتِ دل ورد آشنا کروں
اے چارہ ساز لطف کہ تو چارہ گر نہیں — بس اے طبیب رحم کہ دل کی دوا کروں
یا اپنے جوش عشوۂ بیہم کو تھامئے — یا کیجیے میں بھی نالۂ شورش فزا کروں
ڈر ہے کہ ہو نہ شوق مزامیر شیفتہ — ورنہ کبھی سماع بجردسنا کروں

گلگشت باغ کس چمن آرانے کی کہ آج — موج بہار مدعی رنگ و بو نہیں
واں بار ہوگیا ہے نزاکت سے ناز بھی — یہاں ضعف سے دماغ و دل آرزو نہیں
ابر سرشک و گلشن داغ و نسیم آہ — سامان عیش سب ہے پر افسوس تو نہیں
محفل میں لحظہ لحظہ وہ چشم ستیزہ خو — لڑتی ہے کیوں اگر سر صلح عدو نہیں
کیا ہوسکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ — اس گل پہ غش ہیں جس میں محبت کی بو نہیں

گرم جوشی ہے مگر فرق شرارت میں نہیں — چھیڑ کس بات میں طعنہ کس اشارت میں نہیں
ہم کو مقصد سے زیادہ ہے ادب میں کوشش — ورنہ کچھ غیر سوا ہم سے جسارت میں نہیں
اہل دانش کے فوائد کی تو کیا بات مگر — غور سے دیکھو تو عاشق بھی خسارت میں نہیں
قتل و غارت کہ سمجھتے ہو جسے امر عظیم — یہ تو داخل بھی وہاں نازو شرارت میں نہیں
دل کے بدلے میں طلبگار نہیں کچھ تم سے — شیفتہ زمرۂ اصحاب تجارت میں نہیں

اثر آہ دلِ زار کی افواہیں ہیں — یعنی مجھ پر کرم یار کی افواہیں ہیں
کب کیا دل میں میرے پند و نصیحت نے اثر — ناصح بیہدہ گفتار کی افواہیں ہیں
کس توقع پہ جئیں شیفتہ مایوس کرم — غیر پر بھی ستم یار کی افواہیں ہیں

شوخی نے تیری لطف نہ رکھا حجاب میں ۔۔۔ جلوے نے تیرے آگ لگا دی نقاب میں
وہ قطرہ ہوں کہ موجۂ دریا میں گم ہوا ۔۔۔ وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں
اس صورت جان نواز کا ثانی بنا نہیں ۔۔۔ کیا ڈھونڈتے ہو بربط و عود و رباب میں
اے وائے روز حشر اگر ہم سے ہو سوال ۔۔۔ جو کچھ کیا ہے ہم نے شب ماہتاب میں
لڑتی نہ جائے آنکھ جو ساقی سے شیفتہ ۔۔۔ ہم کو تو خاک لطف نہ آئے شراب میں

ناچار میں خموش وہ ناحق عتاب میں ۔۔۔ طاقت تھی جتنی صرف ہوئی اضطراب میں
بوسے کئی قبول تو گنتی بھی چھوڑ دو ۔۔۔ ایسا نہ ہو کہیں پڑے جھگڑا حساب میں
آخر جہاں میں شب تاریک بھی تو ہے ۔۔۔ اچھا نہ آئیں آپ شب ماہتاب میں
اے آفتِ زمانہ تیری دور میں شکیب ۔۔۔ بلبل کو باغ میں ہی نہ ماہی کو آب میں
ہوتا ہے اژدہام تمنا اسی قدر ۔۔۔ ہوتی ہے جتنی دیر کشاد نقاب میں

گر کچھ خلل نہ آئے تمھاری فراغ میں ۔۔۔ حسرت کا ہے ہجوم دل داغ داغ میں
جور ادیب و شوق حبیب و غم نشوز ۔۔۔ اپنا کوئی زمانہ نہ گزرا فراغ میں
اس نوبہار حسن کو بدنام مت کرو ۔۔۔ تھی شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

ہے گو نہ گو نہ شک ابھی عفو گناہ میں ۔۔۔ جو ہے زبان پر وہ نہیں ہے نگاہ میں
ہر خار و خس ہے وجد میں ہر سنگ و خشت مست ۔۔۔ کیا مے کشوں نے آ کے کہا خانقاہ میں
ہے مجھ میں اور غیر میں نسبت وہی جو ہے ۔۔۔ اندیشۂ درست و خیال تباہ میں
ہر شیوہ اس کا اپنی جگہ میں تمام ہے ۔۔۔ اعجاز بات میں ہے تو جادو نگاہ میں
افسردہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ ۔۔۔ طاعت میں کچھ مزا ہے نہ لذت گناہ میں

اضطراب جرس ہے کیوں دل کو   کہیں جنبش ہوئی ہے محمل کو
غم زدہ تیرے چشم کافر کا   سمجھے اعجاز سحر بابل کو
ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی   تھام لینا وہ تیرے محمل کو

اے دل جو ہو سو ہونے دے گرم فغاں نہ ہو   یہ جور یار ہے ستم آسماں نہ ہو
کیا کیا بیان کرتے ہیں نادر نکات ہم   لیکن جب انجمن میں کوئی نکتہ داں نہ ہو
صورت حزیں سے کچھ ہو نہ شکل جمیل سے   گر صاحب معاملہ آزردہ جاں نہ ہو
فعل حکیم عین صلاح و صواب ہے   ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہ ہو
ہم بوئے دوست تجکو سنگھائیں گے شیفتہ   محو شمیم طرۂ عنبر فشاں نہ ہو

نفس سرکش کی کسی ڈھب سے رعونت کم ہو   چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو
کیا عجب دور ہو آتش سے حرارت لیکن   ہے عجب ان کے اگر دل سے شرارت کم ہو
شمع رویوں سے بڑھا ربط بڑھی ظلمت دل   ورنہ جتنا کہ سوا نور ہو ظلمت کم ہو
نغمہ پر درد ہے شورش سے افاقت معلوم   بادہ پرزور ہے کیا نشہ کی شدت کم ہو
شیفتہ کیسے ہی معنی ہوں مگر نامقبول   اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو

اٹھ صبح ہوئی مرغ چمن نغمہ سرا دیکھ   نور سحر و حسن گل و لطف ہوا دیکھ
دو چار فرشتوں پہ بلا آئے گی ناحق   اے غیرت ناہید نہ ہو نغمہ سرا دیکھ
گر بوالہوسی یوں تجھے باور نہیں آتی   ایک مرتبہ اغیار کے قابو میں تو آ دیکھ
اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت   دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

اور الفت بڑھ گئی اب اس ستم ایجاد سے　　اک نئی لذت جو پائی دل نے ہر بیداد سے
غیر کو اندوہ فرقت اب مبارک ہو کہ یہاں　　دھیان جاتا ہی نہیں اس کا دل ناشاد سے
چھیڑتے کیوں ہو مجھے جانے دوان باتوں کو بس　　تم بھلا جاتے رہو گے شیفتہ کی یاد سے

کیونکر مجھے خط رقم کریں گے　　کیا غیر کا سر قلم کریں گے
اتنی بھی بری ہے بے قراری　　اب آپ سے انس کم کریں گے
نوبت ہے تو سب امور میں ہو　　اب غیر پہ وہ ستم کریں گے
مرنے کا نہ میرے ذکر کرنا　　قاصد وہ بہت الم کریں گے
دلی میں تو شیفتہ ہے استاد　　ہم قصد سوئے عجم کریں گے

ملنے کا میرے اور تیرے چرچا نہ کریں گے　　گر دوست ہیں اغیار تو رسوا نہ کریں گے
بے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھ کر　　یہ اہل مروت ہیں تقاضا نہ کریں گے
مسجد میں بھی آتا ہے خیال خم ابرو　　ہم راست بیانی میں محابا نہ کریں گے

کیا ذکر اس کے آگے میری آہ کا چلے　　جس گل کی شمع بزم سے بچ کر صبا چلے
ناصح تیری زبان تیرے بس میں جب نہ ہو　　انصاف کر کہ دل پہ میرا زور کیا چلے
کیوں روکتا ہے اس میں ضرر کیا ہے ساربان　　دیوانہ ایک گر پس محمل لگا چلے
تھی کب سے مرگ و حسرت دیدار میں نزاع　　وہ آکے ایک لمحہ میں جھگڑا مٹا چلے
کس کس سے اس میں بگڑے گی کچھ یہ بھی دھیان تھا　　باتیں تو آپ شیفتہ ان سے بنا چلے

ظالم کبھی تو داد دل و چشم تر ملے　　سینہ سے سینہ اور نظر سے نظر ملے
کیا پوچھتے ہو لطف کروں تجھ پہ کس قدر　　اذن غرور و ناز تمھیں جس قدر ملے

ہم خوب جانتے ہیں تمھاری نگاہ کو غیروں سے لڑ کے ہم سے بھی تم بیشتر ملے
ظالم تسنیم تمکیں میں نہ کر دریغ آخر ذرا تو لذت زخم جگر ملے
وہ شیفتہ کہ دھوم ہے حضرت کے زہد کی میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

شراب عشق ہے کیا دہشت خمار مجھے جنوں کا شوق ہے کیا حاجت بہار مجھے
عجیب عشق میں تہذیب نفس ہوتی ہے نہ شوق باغ رہا نے سر شکار مجھے
وہی رقیب سے صحبت وہی قدح خواری کیا ہے آپ نے ناحق امیدوار مجھے
جفا کو ترک کرو تم وفا کو میں چھوڑوں کچھ اشتہار تمھیں و کچھ اشتہار مجھے
تمام شورش و سرتا قدم شکایت ہوں نعوذ باللہ اگر وہاں ملے گزار مجھے
بڑے فساد اٹھیں شیفتہ خدا نہ کرے کہ ان کی بزم میں ہو دخل و اختیار مجھے

ضمیمہ یعنی انتخاب از دیوان حسرتی

مستم ز شوق بادہ مدہ بیشتر مرا ترسم ز وصل و ہجر نماند خبر مرا
خیزم برائے طاعت داغم بپائے غم دل تیرہ میشود ز فروغ سحر مرا
آزاد آستانہ نشیناں نخواستند بردند در حریم ز راہ دگر مرا

چیزے بجز از نور خدا جلوہ نما نیست آن نور چگویم کہ کجا ہست و کجا نیست
این کار ہوائیست کہ خیزد زتہ دل آشفتگی طرۂ او کار صبا نیست
از حسرتی و حوصلہ او چہ سرائیم شوریدہ دلے دارد و آشفتہ نوا نیست

برائے ولولہ کردن بہانہ می خواہند معاشران سخن عاشقانہ می خواہند
مرید پیر مغانم کہ بادشاہ و گدا مراد خویش ازیں آستانہ می خواہند
بصلح حسرتی دیار ہر دو را میل ست زشرم واسطہ درمیانہ می خواہند

درخرابات کسے نیست کہ رسوا نبود   بلبلے نیست بگلزار کہ شیدا نبود
من بدیدن گرد واو بنمایش مائل   آہ ازاں دم کہ مراتاب تماشا نبود
حسرتی نازش ہندست بشیریں سخنی   ایں چنیں طوطی خوش لہجہ بہرجا نبود

دراول دید آنکہ رخت مہرنشاں دید   چوں دید باسحان نظر خوشترازاں دید
درصومعہ گرپیر شوی نیز نہ بینی   دل آنچہ در اول نظر پیر مغاں دید
آرام طلب بود سوئے کعبہ سفر کرد   چوں حسرتی آشوب دراوصناع جہاں دید

ہر روز غم زرد زدگر جانگدازتر   ہر شام میشود شب ہجراں دراز تر
ازداسن بلند تو ہردست کوتہ است   یارب نہال قامت تو سرفراز تر
گلزار گرچہ پر ز ہزار ست حسرتی   ازمن کیے نہ کردہ ترنم بساز تر

بالباس گل لباس خویش راہمرنگ ساز   بادۂ دیگر قبائے ناز خودرا تنگ ساز

دیدار خویش را چہ بفردا نہادۂ   امروز ازچہ شوق بدلہا نہادۂ
بخشندگی طریقہ تو عفو خوئے تو   شوق گناہ درتہ دلہا نہادۂ
اے حسرتی زفکرت نقاد خود بہ نظم   رسے جدا ز طرز ادبا نہادۂ

انتخاب

دیوان اشرف کسمنڈوی شاگرد مرزا نسیم دہلوی

جب لفظ جدائی نہ رہا تو نظر آیا
کونین کا جھگڑا مجھے یکسو نظر آیا

کیا کام ہوا ہے جگر و دل کا برابر
تیر نگہ یار ترازو نظر آیا

بیکار تھے سب ضبط محبت کے ارادے
قابو نہ رہا جب وہ پری رو نظر آیا

کام ایک ہی جنبش میں ہوا دونوں جہاں کا
شمشیر اجل وہ خم ابرو نظر آیا

اشرف شرف طبع سخنور میں کہوں کیا
ہر طرز سخن عالم جادو نظر آیا

دل اشتیاق وصل بت حیلہ جو میں تھا
کیا گل چراغ عقل شب آرزو میں تھا

یہ حال ضعف ہجر بت ماہ رو میں تھا
سوسن کا طوق طوق گریباں گلو میں تھا

سرگوشیاں رقیب کی تاثیر کر گئیں
پہلو کچھ اور آج تیری گفتگو میں تھا

ہاتھ اس کا ٹوٹے توڑے ہیں جس نے ظروف مے
سرمایہ میری زیست کا دست سبو میں تھا

سر شمع کا کٹا تو بڑھی اور روشنی
پنہاں فروغ زیست جفائے عدو میں تھا

سنتے ہی میرا حال انھیں رحم آ گیا   حرفِ فسوں کوئے سخن آرزو میں تھا
اشرف کرو جلاوطنی اختیار اب   جب تک کہ سلطنت تھی مزا لکھنؤ میں تھا

مرگ کی نیندوں کا جھونکا جب مزا دینے لگا   زخمِ تن ہنس ہنس کے قاتل کو دعا دینے لگا
کاوشِ دستِ جنوں سے فارغ البالی ہوئی   لطفِ شادی خندۂ چاکِ قبا دینے لگا
فصلِ گل میں دشت پیمائی کے یاد آئے مزے   لذتیں کیا کیا خراشِ خار پا دینے لگا
عشق کی تکلیف بھی راحت ہے عاشق کے لیے   ہجر کی شب اضطرابِ دل مزا دینے لگا
لو مبارک ہم صفیران چمن آئی بہار   داغِ دل کیفیت نشو و نما دینے لگا
بسکہ تھا دل میں تصور اس دہانِ تنگ کا   غنچۂ تصویر بوئے مدعا دینے لگا
دل ہی دشمن ہے تو کیونکر طے ہو اشرف راہِ عشق   سیکڑوں دھوکے یہ خضرِ رہنما دینے لگا

مانا اگر وصال کی صورت ہوئی تو کیا   منہ دیکھے کی حضور محبت ہوئی تو کیا
اتنا کرو نہ ظلم کہ لب ہوں فغاں پرست   خاطر نیاز مند شکایت ہوئی تو کیا
ہے بعد مرگ حشر کا کھٹکا لگا ہوا   دنیا کے مخمصوں سے فراغت ہوئی تو کیا
یہ کیا کہا کہ جان گئے درد ہم ترا   عیسیٰ نفس ہو اتنی کرامت ہوئی تو کیا
آئے بھی وہ تو صلح کی نکلی نہ کوئی راہ   اشرف دعا رہینِ اجابت ہوئی تو کیا

ابھی کیوں ذبح کرتے ہو نہیں دن عیدِ قرباں کا   ہوا مدِ نظر شاید تماشا چشمِ حیراں کا
بہار آتے ہی ظاہر کی کرامت دستِ وحشت نے   تبرک کی طرح گھر گھر گیا ٹکڑا گریباں کا
فسون بے اثر سے خاک ہو تسکین بلبل کو   قفس پر دم کیا صیاد نے فقرہ گلستاں کا
ہوئی فرقت کی رات آخر فروغِ نالۂ دل سے   شبِ غم نے ملا منہ پر سپیدہ صبحِ احساں کا
چمن میں ہر طرف بوئے محبت مجھ کو آتی ہے   گلوں پر پڑ گیا شاید پسینہ روئے جاناں کا
غزل میں بندشِ مضمون رنگیں چاہیے اشرف   ترا دیوان گلدستہ بنے بزمِ سخنداں کا

بے ترے تکلیف ہے او دلبر مستانہ آج　　باعث دوران سر ہے گردش پیمانہ آج
عشق کافر نے دیا صورت پرستی کو رواج　　سجدہ گاہِ خلق ہے سنگ درِ بتخانہ آج
اپنی جانب کھینچ لے مٹ جائے نقشِ کفر و دیں　　قید مذہب سے نکل جائے ترا دیوانہ آج
وہ گلِ خلوت نشیں آئے گا پھر گلگشت کو　　باغ میں رہنے نہ پائے سبزۂ بیگانہ آج
بار بار اظہار مطلب یار سے اچھا نہیں　　گفتگو اشرف بہت کی تم نے گستاخانہ آج

بلبل نہ کس طرح سے ہو پروانۂ بہار　　روشن چراغ گل سے ہے کاشانۂ بہار
ساقی نہ فصل گل میں ہو موقوف مے کشی　　ہے آفتاب جلوہ دو خانۂ بہار
آتے ہی اس کے ہو گئے داغ جگر ہرے　　واجب ہمیں ہے سجدۂ شکرانہ بہار
مستی میں پھول پھول کے ہنستی ہیں بلبلیں　　پر ہے مے نشاط سے پیمانۂ بہار
اشرف ہے تو بھی بلبل باغ سخنوری　　اوراق گل پہ کر رقم افسانۂ بہار

تنگ آ گئے ہیں ضبط غم بے نشاں سے ہم　　رونق شب فراق کو دیں گے فغاں سے ہم
پھیلا کے پاؤں سوتے ہیں کیا کیا مزار ہیں　　راحت نصیب ہیں ستم آسماں سے ہم
وہ بات چاہتے ہیں کہ بڑھ جائے گفتگو　　کھولیں ترے دہن کا معما زباں سے ہم
یہ عشق فتنہ گر کی ہیں نیرنگ سازیاں　　دل ہم سے تنگ ہے دل نامہرباں سے ہم
اشرف ہمیں بھی فیض سخن ہے نسیم سے　　ہیں یادگار بلبل ہندوستاں سے ہم

سرگوشیاں غیروں سے ہوئیں جان گئے ہم　　بدلے ہوئے تیور ترے پہچان گئے ہم
وہ رند ہیں تعظیم کو جھکنے لگے شیشے　　کل محفل ساقی میں جو مہمان گئے ہم
وہ نزع میں دم بھر بھی عیادت کو نہ آئے　　احباب کی نظروں سے پشیمان گئے ہم

اے یار کیا کام تری ایک نگہ نے — تھی راہ عدم سخت پہ آسان گئے ہم
بیتاب مجھے دیکھ کے کہتے ہیں وہ اشرف — کچھ اور ارادہ ہے ترا جان گئے ہم

لازم نہیں تکرار تمھیں وصل کی شب میں — بیتابی دل نے مجھے ڈالا ہے غضب میں
ساکت بے زباں اشک چلے آتے ہیں پیہم — جانبازیٔ پروانہ سے ہے شمع عجب میں
ایذائے شب ہجر سے ہوا اس کو خبر کیا — ہے دامن فریاد و فغاں دست ادب میں

سچ تو یہ ہے کہ وہ مزاج نہیں — کل جو تیری نظر تھی آج نہیں
تم جو آجاؤ جان آجائے — مرض ہجر لا علاج نہیں
جلوۂ داغ دل مزار میں ہے — روشنی کی کچھ احتیاج نہیں

ہم نہیں وہ فرق ہو کیونکر نہ ہر دستور میں — خود غلط ہیں اشتیاق دلبر مغرور میں
رات بھر مجھ کو رہی کس کے رخ روشن کی یاد — صبح عشرت کا ہوا عالم شب دیجور میں
دیکھ کر نور تجلی اڑ گئے موسیٰ کے ہوش — جائے روغن تھی مئے غفلت چراغ طور میں
دل کھنچا جاتا ہے ازخود دیکھ لطف ماہتاب — ہے کوئی خلوت نشیں شاید حجاب نور میں
بعد مردن بھی نہ تاثیر سینہ بختی گئی — تیرگی ہے کس قیامت کی سواد گور میں
وقت فکر شعر اشرف رکھ زوائد کا خیال — آنجائے فرق طرز مومن مغفور میں

روئے روشن زیب آغوش نقاب اچھا نہیں — طالب دیدار مرتے ہیں حجاب اچھا نہیں
دیکھ لے گر دیکھنا ہے جلوۂ نور خدا — اس قدر زاہد بتوں سے اجتناب اچھا نہیں
اور کوئی جام دے ساقی خدا کے واسطے — دامن لب خشک ہے تکلیف شراب اچھا نہیں
صبر دے یارب مجھے یا اس وفا دشمن کو رحم — دل کو ہے تکلیف ہر دم کا عذاب اچھا نہیں
بے وفا نا آشنا ہوتے ہیں اشرف سنگدل — شکوۂ بیداد اس بت سے جناب اچھا نہیں

جواب تک بھی نہیں یار مہرباں منہ میں
یہ خامشی ہے کہ گویا نہیں زباں منہ میں

حلاوتیں سخن رفتگاں نے دیں مجھ کو
شکر فروش ہوئی گرد کارواں منہ میں

نہ نکلی حسرتِ دل طولِ عرضِ مطلب سے
تمام رات رہا داہن بیاں منہ میں

رہا نہ صدمۂ فرقت سے بات کے قابل
عوض کلام کے ہے نالۂ وفغاں منہ میں

کچھ ایسی آپ کو بھائی ہے لذتِ انکار
نہیں کی جا کبھی آتا نہیں ہے ہاں منہ میں

وہ آبدار کہے شعر تو نے اے اشرف
بھریں گہر تو عجب کیا ہے قدرداں منہ میں

دیکھ لیں کیفیت حسنِ بتاں دو چار دن
پاؤں رکھنے دے زمیں پر آسماں دو چار دن

مدتیں گزریں قفس میں ولولہ دل کا گیا
ہو چکی تعلیم آدابِ فغاں دو چار دن

نالۂ و فریاد سے سر پر اٹھا لیں گے قفس
ہم بھی چپ ہیں اور ہے فصلِ خزاں دو چار دن

جب کیا ٹھنڈا اجل نے پھر یہ بیتابی کہاں
ہے فروغِ نالۂ آتش فشاں دو چار دن

رائگاں اشعار سب ہوتے ہیں اشرف جمع کر
دہر میں قائم رہے نام و نشاں دو چار دن

بجلی سے آج کیوں دم فریاد آ گئی
یادش بخیر کس کو مری یاد آ گئی

چھوٹے غم فراق سے آسائشیں ملیں
کیا نیند زیر خنجر جلاد آ گئی

آداب ضبط او دل بیتاب کیا ہوئے
تا گوش یار شورش فریاد آ گئی

صحرا میں وہ دیے خلش خار نے مزے
مجنوں کی سرگزشت مجھے یاد آ گئی

ہر فرد کی پسند ہے اشرف ترا کلام
استاد تجھ کو بندش استاد آ گئی

چمن میں تا سبب شورش فغاں نہ رہے
صبا کو ضد ہے کہ بلبل کا آشیاں نہ رہے

کبھی حرم کبھی بیت الصنم ہوا مسکن
تمھارے دید کے طالب کہاں کہاں نہ رہے

سنائیں کس کو غزل کس سے داد لیں اشرف — امید لطف تھی جن سے وہ قدرداں نہ رہے
ہیں مرگ طلب صاحب آزار تمھارے — مشتاق مسیحا نہیں بیمار تمھارے
اب تاب جدائی نہیں دو حکم شہادت — ممنون قضا ہوں نہ گنہگار تمھارے
کچھ دیر سے مطلب ہے نہ کعبہ کی تمنا — آزاد ہیں دونوں سے گرفتار تمھارے

اس درجہ بے ثباتی عالم نظر میں ہے — ہر وقت روح جسم سے عزم سفر میں ہے
پیرایۂ فسانہ میں کرتا ہوں عرض حال — اظہار مدعا بھی حجاب خبر میں ہے
شاید کہ ناتوانی دل حد سے بڑھ گئی — آج انتشار نالۂ وحشت اثر میں ہے
عالم میں خاکسار کی بڑھتی ہے آبرو — وجہ فروغ گرد یتیمی گہر میں ہے
اشرف برنگ شمع جو تھمتے نہیں ہیں اشک — شاید کہ بزم یار کا ساماں نظر میں ہے

مل جاؤں شہیدوں میں یہی دل سے لگی ہے — جنت کی سڑک کوچۂ قاتل سے لگی ہے
ہر باب میں ہے ترک ملاقات کا پہلو — جو دل میں ہے تیرے وہ مرے دل سے لگی ہے
مرکر بھی وہی ذوق جفا کی ہے تمنا — خاک شہدا دامن قاتل سے لگی ہے
عید آئے تو خطبہ میں پڑھوں پیر مغاں کا — واعظ کو جلاؤں یہ مرے دل سے لگی ہے
بے چین وہ ہیں شورش فریاد کو سن کر — کیا چوٹ جدائے دل بسمل سے لگی ہے
جب چاندنی نکلی تو ہوئے غیر بھی ہمراہ — یہ آگ چراغ مہ کامل سے لگی ہے
اشرف غم استاد میں کٹتے ہیں شب و روز — اک آگ سی ہر وقت مرے دل سے لگی ہے

انتخاب دیوان

دوم اشرف

بچی کچھی ہو جو شیشے میں ساقیا دینا — بڑا ثواب ہے دل کی لگی بجھا دینا
محل ذکر عدو کیا ہے ہر گھڑی ظالم — بغیر شعلہ ترا کام ہے جلا دینا
غزل کو ختم کرو پڑھ چکے بہت اشرف — سخنوروں کی ستائش بھی ہے صلا دینا

کل ذکر خیر آپ کے ورد زباں رہا — فرمایئے وہ پاس تلطف کہاں رہا
حوروں سے کم نہیں ہیں حسینان لکھنؤ — جنت کا ہر مقام پہ ہم کو گماں رہا
چھپنے سے راز الفت دیرینہ کھل گیا — پردہ کیا حضور نے پردہ کہاں رہا
سر دے کے اس نے معرکۂ عشق سر کیا — منصور. سر بلند دم امتحاں رہا
نازبیان سے دل کی بڑھیں بے نیازیاں — اشرف وہ شوق شکوہ اثر اب کہاں رہا

جینا غم فراق نے دشوار کردیا — پرہیز نے حضور کے بیمار کردیا
جوش کرم سے بڑھ گئی امید مغفرت — رحمت نے تیری مجھ کو گنہگار کردیا
کوئی گھڑی نہیں مرے پہلو میں دل کو چین — ضبط غم فراق نے بیکار کردیا

جنبش محال کاہش پیہم سے ہوگئی — بستر کو ہم نے وقف تن زار کردیا
اشرف مرے کلام کی رنگینیوں نے آج — دامن سخن کا دامن گلزار کردیا

آپ سے ربط بڑھانے کا مزا کیا اٹھا — دل مرا بیٹھ گیا درد کچھ ایسا اٹھا
جذب دکھلاتی ہے اپنا کسی سے خوش کی روح — ابر کی طرح سے جوش خم صہبا اٹھا
جان کیوں دیتے ہو کیا لوگ کہیں گے اشرف — نہ گوارا ہوئی تکلیف نہ صدمہ اٹھا

لب کو جنبش ہم مصیبت آشنا کیونکر نہ دیں — طعنۂ عہد وفا او بے وفا کیونکر نہ دیں
شورش فریاد سے اتنا نہ ہو برہم مزاج — لوٹتے ہیں عاشقوں کے دل صدا کیونکر نہ دیں
پیار کر لیتے ہیں اشرف سن کے میرے شعر وہ — قدردان اہل جوہر ہیں صلا کیونکر نہ دیں

کچھ کدورت دل میں اے آئینہ رو باقی نہیں — ترک کی الفت تو کوئی گفتگو باقی نہیں
غیر ممکن وعدۂ باطل سے ہو تسکین دل — مجھ میں طاقت صبر کی اے حیلہ جو باقی نہیں
خاک اڑتی ہے جہاں دخل ہوا اشرف نہ تھا — کیا مٹایا چرخ نے وہ لکھنؤ باقی نہیں

وقت رخصت بھی دل دکھا کے چلے — چلتے چلتے مجھے رلا کے چلے
پیس ڈالا خرام ناز نے دل — نقش ہستی کو تم مٹا کے چلے
فتنۂ حشر ہوگیا برپا — رخ سے پردہ جو وہ اٹھا کے چلے
حرف رخصت نہ لایئے لب پر — مجھ میں ہوش و حواس آ کے چلے
کہو اشرف اب اس سے کیا ٹھیری — اک کہانی سی تم سنا کے چلے

چین کی صورت نظر وقت حساب آجائے گی — اس کی رحمت مانع خوف عذاب آجائے گی
بیعت دست سبو واعظ دکھا دے گی اثر — میرے قدموں کے تلے راہ ثواب آجائے گی
جاں بلب ہیں رند ساغر نوش غفلت کس لیے — جان آجائے گی ساقی گر شراب آجائے گی
چند ناصح نے پریشاں کردیا آخر دماغ — ہم نہ سمجھے تھے نصیحت کی کتاب آجائے گی
دل میں لاکھوں حسرتیں ہیں کس طرح اشرف لکھوں — خط میں اس درجہ عبارت اے جناب

انتخاب دیوان

قلق میرٹھی شاگرد مومن

جس روز حرف عشق ہم آہنگ صور تھا
اے مشتِ خاک تجھ کو تامل ضرور تھا

ایک حرف شوق لاکھ زبانوں میں جا پڑا
ورد ملک جو وہی شور طیور تھا

یاں دل پہ ہاتھ تھا جو وہاں لب پہ مہر تھی
ہم کو بھی اپنی بات کا رکھنا ضرور تھا

آپ سیہ میں بھی ہے اتا اسوز کا جوش
یہ روسیاہ سوختۂ تاب نور تھا

بے التفاتیوں سے غرض التفات تھی
اتنا ہی تو قریب تھا جتنا کہ دور تھا

اقبال شہ کو بزم گدا سے اٹھا دیا
کتنا ہمیں بھی عجز پہ اپنے غرور تھا

آخر کمال عقل سے سمجھا زوال فہم
برقِ حصول شعلۂ شمع شعور تھا

کیا کیا نہ آرزو نے اٹھائیں قیامتیں
صور نفس سے سینہ میں شور نشور تھا

بے اختیاریوں نے مری تجھکو کھو دیا
ہے مجھ میں جو نہاں وہی تیرا ظہور تھا

موسیٰ کا کیا قصور ہے پوچھا اپنے شوق سے
وعدہ کا تیرے تجھ سے تقاضا ضرور تھا

اتنا بھی بے خبر کوئی اتنی بھی بے خودی
اس کی حضور میں بھی قلق بے حضور تھا

کیا نکلتا ہے طریقہ دیکھیے تعزیر کا بازوئے قاتل پہ صدمہ ہے میری تقصیر کا
اپنی جانب اس قدر کھنچنا ترا اچھا نہیں بے دریغی میں تیری انداز ہے شمشیر کا
سخت مشکل ہوگیا دامن چھوڑنا حشر کو قصہ جب پھیلا ہمارے خاک دامنگیر کا
اشک مژگاں سے ٹپکتے ہی زمیں کے بار تھا دل میں شاید گھل گیا پیکاں تمھارے تیر کا
کس قدر توڑے ہوئے زنداں میں ہیں ہمت کو سب اٹھتا ہے سو لغزشوں سے نالہ اب زنجیر کا
محسن قلق بات اس کی منہ سے ہے طلسم طرفہ تر گویا ایک جھونکا ہے بوئے غنچۂ تصویر کا

قاصد کی جلدیوں نے یہ بدگماں بنایا خط دیتے دیتے ہم نے پھر حرز جاں بنایا
دیکھو ستم ظریفی دود دل و جگر کی ایک آسماں کو پھونکا ایک آسماں بنایا
تو وہ کہ ایک نظر میں سارا جہاں اجاڑا میں وہ کہ تیرے دل میں اپنا مکاں بنایا
آئینہ کو تو دیکھو وہ شکل پیش لایا تجکو یہاں بگاڑا اور اس کو وہاں بنایا
اتنے مکدر آنسو کسی کے گرے زمیں پر اس طرح تو نے جس کو ریگ رواں بنایا

کیا کچھ بھرا ہے ظالم تج میں فریب الفت ایک ہی نظر میں دل کو آشوب جاں بنایا
گر دل سے آئے لب پر اڑ جائے رنگ محشر کس حرف آرزو کو یارب فغاں بنایا
کس کی نظر سے سیکھے انداز یہ قلق نے اس سادہ گو کو کس نے جادو بیاں بنایا

شیوہ تری حیا کا رسوائے عام نکلا یہ پردہ کیا بھلا ہے جب اس سے نام نکلا
آخر ہوائے گلشن لائی قفس میں ہم کو شوق نظارۂ گل جاسوس دام نکلا
اغیار سد رہ تھے ہم جس طرف کو نکلے جس آستاں پہ آئے تیرا مقام نکلا
نقش قدم نہیں ہے چھیں برجبیں زمیں ہے کوچہ کا تیرے رستہ نازک ہتھام نکلا

کچھ ن کے مدعی سے گزرا میں اپنے جی سے　ناکام کا تمھارے لوکس سے کام نکلا
سجدہ میں ہے صراحی ساغر قعود میں ہے　مے خانہ تو سراسر بیت الحرام نکلا
دیکھو تو یاد قاتل کس درجہ جانفزا ہے　جان آ گئی بدن میں جب منہ سے نام نکلا
وہ ذکر تھا تمھارا جو انتہا سے گزرا　یہ قصہ ہے ہمارا جو ناتمام نکلا
چاہیوں نے مارا آخر قلق کو دیکھا　ناداں اسی گلی سے دل تھام تھام نکلا

گہ فتنہ ہوں زمیں کا گہ شور آسماں کا　اس دل نے سر پہ رکھا جھگڑا کہاں کہاں کا
اے لطف چارہ فرما تدبیر اس کی ہو کیا　جو ہے علاج دل کا آزار ہے وہ جاں کا

کل تک تو یہ ہی تیرا دعوائے جاں نثاری　آشوب تھا زمیں کا اور شور آسماں کا
سب تجھ سے ہی جو ہوتے عشاق اس جہاں میں　برخود غلط نہ ہوتا یوں نازنیں کو ان کا
ہم گرچہ سہی چھوٹے تشویش روز و شب سے　تھا بار دوش بازو خود فکر امتحاں کا
سو تو نے دونوں شیوے باتوں ہی میں بنا ہے　افسوس تجھ پہ ناداں یہاں کا ہوا نہ وہاں کا

اشک کے گرتے ہی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا　کونسی حسرت کا یارب یہ چراغ خانہ تھا

ماتم دید ہے دیدار کا خواہاں ہونا　جس قدر دیکھنا اتنا ہی پشیماں ہونا
سخت دشوار ہے آساں کا آساں ہونا　خون فرصت ہے یہاں سربگریباں ہونا
تیرا دیوانہ تو وحشت کی بھی حد سے نکلا　کہ بیاباں کو بھی چاہیے ہے بیاباں ہونا
کوچۂ غیر میں کیونکر نہ بناؤں گھر کو　میری آبادی سے آباد ہے ویراں ہونا
خاک وحشی سے اگر ربط ہے ٹھوکر کو تیری　دور دامن سے نہیں دور گریباں ہونا
مجھ میں کچھ تاب ہوائے جان تو میں بیتاب نہ ہوں　ورنہ دشوار ہے اس راز کا پنہاں ہونا

یاد مژگان سے ادھر زخم جگر پر کھانا اور ادھر شورش دل سے نمک افشاں ہونا
آج وہ وقت قلق پر ہے کہ جوں ابن خلیل غیر تسلیم نہیں قتل کا آساں ہونا

یہ کس کا نقش پا تھا کہ ہے عالم کی صفائی کا کہ ہنگامہ در و دیوار میں ہے جبہ سائی کا
جبیں پارسا کو دیکھ کر ایماں لرزتا ہے معاذ اللہ کہ کیا انجام ہے اس پارسائی کا
زہے قسمت کہ اس کے قیدیوں میں آ گئے ہم بھی وہ لے شور سلاسل میں ہے ایک کھنکار ہائی کا
ہم اس کوچہ میں اٹھنے کے لیے بیٹھے ہیں مدت مگر کچھ کچھ سہارا ہے ابھی بے دست و پائی کا
اڑے نالے فلک کو اور چھپے آنسو تہ دامن دل بیتاب پر صدمہ سا صدمہ ہے جدائی کا

حذر ایک دم خیال مدعی یہ ہو نہیں سکتا تمھیں الزام کیا دوں جب مجھی سے ہو نہیں سکتا
یہ کہنا ہے تو کیا کہنا کہ کہتے کہتے رک جانا بیان حسرت دل بھی تو جی سے ہو نہیں سکتا
دم رخصت وہ مجھکو دیکھ کر بے خود تو کیا ہوں گے نہ اٹھنے دے انھیں یہ بھی غشی سے ہو نہیں سکتا
مجھے کھٹکا ہے محشر کا اٹھے گا اور کچھ فتنہ کہ وہ ظالم تو خوگر منصفی سے ہو نہیں سکتا
جب آئینہ ہے ان کے روبرو پھر کیا تکلف ہے اظہار کھے خودی کو بے خودی سے ہو نہیں سکتا
کریں وہ پاک قصہ یہ نزاکت سے نہیں ممکن اٹھاؤں ہاتھ یہ بے طاقتی سے ہو نہیں سکتا
برنگ نا کہ کس کس دھوم سے اڑتا ہے رنگ اپنا تیری فرقت کا پردہ خامشی سے ہو نہیں سکتا
قلق پیغام تیرا اور بیان پھر اس ستمگر سے کسی سے ہو نہیں سکتا کسی سے ہو نہیں سکتا

ہر طرح جب اپنی مشکل کو نہ آساں دیکھنا موڑ کر گردن تری جانب ہراساں دیکھنا
جائے یاس اس کی گمان وہم سے کہوں بعید اور تلاش اپنی در و دیوار زنداں دیکھنا
آسماں کو یاد ہیں کیا کیا گرفتاری کے ڈھنگ ہم چلے کس شوق سے سوئے گلستاں دیکھنا
اے قلق بے ڈھب پڑا مجکو مذاق انتظار اب نہ جائے گا کبھی تیرا پریشاں دیکھنا

درد پوشیدہ کسی ڈھب سے نہ پنہاں ہوگا
تجھ پہ مرنا مرے جینے سے نمایاں ہوگا
شہر چھٹنے پہ بھی چھٹتی ہے کوئی آبادی
داغ وحشت ہوں کہ آباد بیاباں ہوگا
ہے یہ ہی سوز تو کیا غم ہے یہ روزی کا
رنگ برجستہ مرا سرو چراغاں ہوگا
زندگی اپنی ایک انداز غلط ہے گویا
سہو کاتب مری تقدیر کا عنواں ہوگا
اے قلق تیری گراں باریٔ حسرت ہے یہ
وائے وہ دن کہ سردوش عزیزاں ہوگا

کیا آشیاں بتائیں کہاں تھا کہاں نہ تھا
تھا جلوہ گر فریب نظر گلستاں نہ تھا
ممکن کہ کوئی اس کی طرف دیکھ بھی سکے
اس پر بھی اعتماد ہمارا وہاں نہ تھا
مرتے ہوئے مگر نہ کھلا راز قتل کچھ
جو زخم کارگر تھا اسی کا نشاں نہ تھا
ہے ضعف میں تحمل آرام بھی ستم
تھا سنگ میرے سینے پہ خواب گراں نہ تھا
آیا وہ دیکھنے کو دم نزع اے قلق
کسی طرح ہو یقین کہ وہ بدگماں نہ تھا

فریب وعدہ سے ظالم نے بیقرار کیا
غضب کیا کہ تصور کو انتظار کیا
نقاب چہرہ پہ ایسا کبھی نہ دیکھا تھا
یہ کس کا دامن نظارہ تار تار کیا

نہیں یہ ذرے ہیں اجزائے دیدۂ امید
نہ ترک خاک ہوئے پر بھی انتظار کیا
پھرے ہے چھپتی ہوئی سامنے نہیں آتی
تری حیا نے حیا کو بھی شرمسار کیا
قلق سپہر سے بدلے خوشی کی مانگ پناہ
نزول برق سرخندۂ بہار کیا

درد دل وجگر مرے رخ سے عیاں ہے اب
پرواز رنگ ضعف سے شور فغاں ہے اب
ناحق کی چھیڑ کون رکھے برق وباد سے
گل ہی نہیں تو کس کو سر آشیاں ہے اب

جس کا ترانہ سینہ گداز بہشت تھا   اس بزم گاہ عیش کا ماتم نشاں ہے اب
مرتے ہی اپنے فتنوں نے کڑھ کڑھ کے جان دی   سنتے ہیں اس گلی کو کہ دارالاماں ہے اب
سایہ سے مرے ضعف نحافت کے ہے نفور   اس طبع نازنین پہ نزاکت گراں ہے اب
اب تک قلق کا مجکو قلق ہے کہ ہائے ہائے   وہ اگلے لوگ اور وہ محبت کہاں ہے اب

اس ماہ نے یہ راہ دکھائی تمام شب   بس خواب میں بھی نیند نہ آئی تمام شب
دیکھا جو صبح ماہ کو تھا زرد کیا کہیں   تھی بے حجاب جلوہ نمائی تمام شب
وہاں شغل ان کا نغمہ نوازی تمام روز   یہاں درد اپنا نالہ سرائی تمام شب
مومن کی طرح ہجر کا کھٹکا رہا قلق   وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب

پی بھی اے مایۂ شباب شراب   گرمجوشی سے ہے کباب شراب
مرگئی اڑ گئی مسیحا کی   لب نازک پہ ہے شراب شراب
ضائع اوقات کو نہیں کرتی   پیتے ہیں وقت ماہتاب شراب
اس کی بخشش ہے بے حساب اگر   ہم بھی پیتے ہیں بے حساب شراب
اے قلق مے کدے میں سجدے کیوں   کون دے گا پے ثواب شراب

بے نشانی ہو تو ہو شاید نشان کوئے دوست   نقش پا رکھتے نہیں ہیں رہروان کوئے دوست
مرنے پر مرتے ہیں لیکن موت قسمت میں کہاں   جانفزائی سے ہیں عاجز جانفشان کوئے دوست
ہر گھڑی آ آ اٹھاتے ہیں مجھے منکر نکیر   گور میں بھی ہوں میں گویا میہمان کوئے دوست
مصر کا بازار اس کے عہد میں آوارہ ہے   سیکڑوں یوسف لیے ہیں کاروان کوئے دوست
شمع کی رفتار سے معلوم ہوتا ہے ہمیں   دشمن گام و قدم ہیں رازدان کوئے دوست

تو آئے تو خود رفتہ یہ ہو جائے قیامت　　خورشید قیامت ہو تہِ پائے قیامت
یہ شورِ محبت دلِ شوریدہ میں تھا کچھ　　ہر زخم کے دامن میں ہے صحرائے قیامت
اللہ رے پامالیٔ الفت کی ؛ ۔　　رکھا ہے مری داد کو بالائے قیامت
محشر بھی قلق اپنا ہی ہے قصۂ آخر　　عاصی کے سوا کون ہے رسوائے قیامت

قولِ افلاطون غلط بالضد اگر ہوتا علاج　　رنجش بیجا کا ہوتا شکوۂ برجا علاج
کس طرح سودا نہ بڑھ جائے گا فرطِ فکر سے　　عقل میں آتا نہیں اے چارہ گر تیرا علاج

دستِ نازک سے تو تلوار نہ کھینچ　　میرے آزار سے آزار نہ کھینچ
کھینچ بیٹھے نہ وہ تجھے بھی ہاتھ　　انفعال اے ستم یار نہ کھینچ
اس قدر بھی نہ سبک حرکت ہو　　غیر کا رنج گرانبار نہ کھینچ
سر کی ہے قدر تو ہر یار سے بچ　　منتِ سایۂ دیوار نہ کھینچ
وہ تو وہ موت بھی یوں کب آئی　　انتظار اے دلِ بیمار نہ کھینچ
صدمہ دیتی ہے جدائی سب کی　　زخم سے ناوک خونبار نہ کھینچ
ہے ہمیں ضبط قلق کا ماتم　　آہ بھی اے دلِ ناچار نہ کھینچ

نہ کس طرح سے ہوں دربان و پاسباں گستاخ　　جنابِ حسن کا ہے ہر مزاج داں گستاخ
بیان گرفتہ دم و شوخی زبان گستاخ　　کہ رازِ دل ادب آموز رازداں گستاخ
ہجوم شوق کی بیباکیوں کے یہ انبوہ　　کہ شہرِ دل میں ہے ہر ایک کارواں گستاخ
ہوا یہ مشورۂ خامشی سے جوشِ دروں　　کہ منعِ ذکر سے ہے شوقِ داستاں گستاخ
نہ ضبطِ وضع کو چھوڑ اے غمِ درونِ بیباک　　نہ فاش راز کر اے کاوشِ نہاں گستاخ
میں اس کی بزم میں قابو سے اپنے باہر ہوں　　کہ عرضِ عجز ہے منظور اور بیاں گستاخ
قلق ملا ہے نظیری کو کیا صلہ کہ تجھے　　سوالِ زشت غنی سنگدل زباں گستاخ

ہے ابتدائے عشق مگر انتہا کے بعد
کہتے ہیں پھر جلائیں گے تجھ کو فنا کے بعد

آخر مآل حال تو اپنا میں سن رکھوں
کیا کیجیے گا عشوۂ و نازو ادا کے بعد

جینے کی آرزو نہ گئی بعد مرگ بھی
مرنے کی تجھ پہ رہ گئی حسرت فنا کے بعد

ایک تیری یاد نے مجھے سب کچھ بھلادیا
تشویش مدعائے دعا ہے دعا کے بعد

پڑتی ہے آنکھ اس کی مرے حال زار پر
لو میں بھی چڑھ گیا نظر روز گار پر

جیتے رہے ہیں مردن دشوار کے لیے
مرتے رہے ہیں عمر بھر انداز یار پر

کیونکر وہ آئے یار ہے دشمن تو کچھ نہیں
سامان زندگی ہے مرا انتظار پر

لو شکوہ ہائے چرخ سے وہ بدگماں ہوئے
آئی بلا ستم زدۂ روزگار پر

وہ حال میرا دیکھ کے کچھ سرخرو ہوئے
کیا جانے کیا بنے نگہ شرمسار پر

بے چین سن کے ہوتے ہیں احباب اے قلق
ہوتا ہے تیرا شعر بھی تیرے شعار پر

کچھ زیست پہ جینا ہے نہ کچھ موت اجل پر
ایک شکل تو ہم ہے رہِ یاس و امل پر

ساقی کی نظر گر ہے یوں ہی رد و بدل پر
میخانہ بنے گا کبھی مسجد کے محل پر

موت آئے پہ بھی مر نہیں سکتے تیرے ناکام
مشکل ہے کہ جی اٹھتے ہیں پیغام اجل پر

ہر مشکل دشوار ہے شرمندۂ آسان
ہر عقدۂ سربستہ کی بنیاد ہے حل پر

زاہد نہ اٹھا پردۂ ناموس کلیسا
گر جائے گا کعبہ مرے سجدہ کے محل پر

رک رک کے خدا جانے کہ حشر آئے گا کس وقت
رہ رہ کے جبیں پر تری بل پڑتا ہے بل پر

کس کس کی خبر لے کہ جہاں مرتا ہے تجھ پر
واماندگی چھا ہی گئی آخر کو اجل پر

سارے شکن و پیچ مرے دل سے اڑائے
درہم ہے تری زلف سیہ کون سے بل پر

تو دیکھ قلق میرے مراتب سخا میں
کچھ شعر مرا فخر نہ کچھ ناز غزل پر

اس قدر دھڑکا کلیجہ حالتِ دل دیکھ کر — حادثہ ہے مضطرب صدمہ ہے بسمل دیکھ کر
اڑ گئی شکلِ تصور ہوکے صید انتظار — قیس نے لیلیٰ کو کھویا سوئے محمل دیکھ کر
داورِ محشر نہ قتلِ عشق کی کر باز پرس — خوں بہا مارا نہ جائے روئے قاتل دیکھ کر
بوالہوس کو کیا خبر کیا وصل کا انجام ہے — ہوگئی وحشت مجھے سامانِ محفل دیکھ کر
گر نہ ہوتی یاس تو جینے نہ دیتی آرزو — برق گرتی ہے مگر انجام حاصل دیکھ کر
ذرہ سے لے تا آسماں کوئی نہ پہنچا یار تک — سب ہوئے درماندہ اپنی اپنی منزل دیکھ کر
پھر کوئی خمیازہ آرائے فراغت ہے یہاں — موجِ دریا اٹھتی ہے آغوشِ ساحل دیکھ کر

رشتۂ رسمِ محبت مت توڑ — توڑ کر دل کو قیامت مت توڑ
اے دل امیدِ رہائی مت باندھ — اور آفت پر آفت مت توڑ
اس کا احسان اٹھانا ہے ہمیں — گردن اے یار ندامت مت توڑ
اے قلق بت کدے میں باندھ احرام — ہم سے للہ رفاقت مت توڑ

ہر آبلہ پا ہے مرا اخگرِ آتش — میں شوق میں ہوں شعلۂ آتش سرِ آتش
دلسوز مرا سوز ہے میں سوز کا دلسوز — آتش مری دلدار ہے میں دلبرِ آتش
کیا کہیے گدازِ دلِ افسردہ کا عالم — ہر اشک خشک بھی ہے مرا ساغرِ آتش
وہ صاعقۂ غرفۂ تصور میں ہے ہر دم — رہتا ہے مرے پیشِ نظر منظرِ آتش
اغیار کی ہے گرمیِ صحبت کا یہ ساماں — ہے دامنِ مہتاب مجھے چادرِ آتش
چل مجھ سے ذرا بچ کے تو اے بادِ سحر گاہ — ہے خاک پہ اگندہ مری محشرِ آتش
کس برق کے جلوہ نے قلق تجکو جلایا — ہے آہ دلِ سوختہ جاں پرورِ آتش

دعویٰ ترکِ وفاداری غلط
میری ناچاری کی ناچاری غلط

وہ نگہ خوش خوابِ بدمستی دروغ
وہ مژہ مصروفِ بیکاری غلط

مژدہ اور رندوں کو دیتے رائیگاں
جوئے صہبا خلد میں جاری غلط

رہ گئے ہم آسمان کو دیکھ کر
اس کا آشوبِ ستمگاری غلط

سہل ہے انجامِ تشویش محال
میری دشواری کی دشواری غلط

اے قلق اتنی تمھیں فکرِ نماز
کچھ نہ کچھ ہے پاسِ دینداری غلط

دیدۂ صرفِ انتظار ہے شمع
میری حالت کی یادگار ہے شمع

خاکِ ناسورِ دل بھرے اس کا
زخمی گر یہ ہائے زار ہے شمع

حسن دیوانہ سب کو کرتا ہے
اپنے ہی آپ پر نثار ہے شمع

صبح ہوتے ہی ٹمٹماتی ہے
آپ کی چشم پر غبار ہے شمع

نہیں بجھتی لگی ہوئی جی کی
شعلۂ جاں سوگوار ہے شمع

جھانکنا پردہ سے بری خو ہے
خود بخود آپ شرمسار ہے شمع

ساری ہے سارے جسم میں روح رواں سے داغ
پیرانہ سال میں بھی ترا نوجواں ہے داغ

کوئی دکھا سکے ہے کہ یہ درد ہے ترا
کوئی بتا سکے ہے کہ دل میں یہاں ہے داغ

یہ گرم و سرد دہر کا ادنیٰ طلسم ہے
ہے دجلہ خیز سینہ تو آتش فشاں ہے داغ

ہر چند جل بجھے ہیں مگر بزمِ یار میں
مثلِ چراغِ صبح ہمارا نشاں ہے داغ

دیکھا قلق کو رنگ وہی ڈھنگ ہے وہی
پیرانہ سال میں بھی ترا نوجواں ہے داغ

نہیں جس کو خبر دل ہی کی وہ دلبر سے کیا واقف
بخل ہو جس کی بے آسیب غارتگر سے کیا واقف

بتوں کا جو نہ ہو ساجد عبادت کو وہ کیا جانے
نہ ہو رحمت کا جو قائل مے و ساغر سے کیا واقف

اسیر جاں نثاری طرز آزادی کو کیا سمجھے گرفتار محبت رسم بال و پر سے کیا واقف
شہادت کی ہو گر کچھ قدر تو واعظ مرے تب پر گلوئے خشک معتراب دم خنجر سے کیا واقف
یہ قلق یہ معنئ باریک تیرے کیا کوئی سمجھے رگ خواب حریفاں کاوش نشتر سے کیا واقف

تجھے کل ہی سے نہیں بیکلی کچھ آج ہی سے رہا قلق تری عمر ساری یوں ہی کٹی تو ہمیشہ یوں ہی جیا قلق
ہوا دل کے جانے کا اب یقیں کہ وہ درد ہی میں مرے نہیں نہ وہ اضطراب تھا کہیں نہ وہ حشر خیز بلا قلق
انہیں نالہ کرنے کا رنج کیا انہیں آہ بھرنے کا رنج کیا انہیں میرے مرنے کا رنج کیا انہیں مرے جینے کا کیا قلق
بھی رشک نے دیے مشورے کبھی پردہ ان کا نہ کھولیے میرے جی ہی جی میں بھرآئے میرے دل ہی دل میں رہا قلق
نہ وہ میں رہا نہ وہ تو رہا نہ وہ آرزو نہ وہ مدعا ہوا زندگی کا بھی فیصلہ مگر ایک تیرا رہا قلق
کرے ربط کوئی کسی سے کیا کہ اٹھا طریق نباہ کا نہ کرے گی تجھ سے وفا حیا نہ کرے گا مجھ سے وفا قلق
نہیں تیرے پھرنے کا کچھ گلا کہ زمانہ سارا بدل گیا جو شب وصال میں چین تھا وہی روز ہجر رہا قلق
گئے واں بھی پر نہ گھٹا الم چھٹے سب سے پر چھٹا نہ الم میرے پاس سے نہ ہٹا الم مرے ساتھ سے نہ ٹلا قلق
ابھی تھا صلائے زن سبق ابھی تھی کتاب ورق ورق کبھی مدرسہ میں رہا قلق کبھی میکدہ میں رہا قلق

نہ جائے گا سرو سودا میرا زنہار گردن تک رہے گا خم یہ خم گیسو گلے کا ہار گردن تک
بجائے خلد میخانہ بنانا تھا کہ کیا حاصل اگر شیر و شکر میں غرق ہوں میخوار گردن تک
ہوئیں جب تک نہ بند آنکھیں نگاہوں سے گرا رکھا اٹھایا اتہام سرکشی سو بار گردن تک
مخالف اور موافق کا ہے مجمع میری ہستی پر کہ ہے تیغ دو دس کی گری بازار گردن تک
لیا تو نے قلق کیوں سر پہ خون اپنی طبیعت کا نہ سر مارا اس زمیں میں سخت ہے گفتار گردن تک

جز موج پیچ و تاب نہیں ماجرائے دل گرداب رستخیز ہے پیکر نمائے دل
ایک ربط ہر کسی سے مگر مجھ سے سو عناد جو طور آپ کے ہیں وہی ہے ادائے دل
عالم کی بازگشت ہے مقصود کے خلاف مطلب سے آشنا ہی نہیں مدعائے دل

جلتے ہیں تیرے واسطے اب مدعی سے ہم
پھرتے ہیں کیسے کیسے خوشی ناخوشی سے ہم
یاد آ گئیں جو شب کو مری بے حجابیاں
سایہ میں اپنے چھپ گئے شرمندگی سے ہم
بے رحم کی جگہ جو کچھ انصاف دل میں ہو
دامن ترا پکڑتے ہیں کس سادگی سے ہم
ہر پائمال نالہ کناں ہوگا ساتھ ساتھ
لے کر اٹھیں گے حشر کو تیری گلی سے ہم
رستہ میں عمر رفتہ گئی چھوڑ کر قلق
اب اپنے بار دوش ہیں واماندگی سے ہم

جیتا ہوں ذوقِ دل سے مرے تن میں جاں نہیں
انبار شکوہ لب پہ ہے لیکن فغاں نہیں
ٹلنے کا میرے سر سے کبھی آسماں نہیں
کس کس کا سد راہ ترا آستاں نہیں
میں رازداں ہوں یہ کہ جہاں تھا وہاں نہ تھا
تو بدگماں ہے وہ کہ جہاں ہے وہاں نہیں
ہے وصل میں خدنگِ نظر پر ادائے ناز
آرامِ دل تلافیٔ آزارِ جاں نہیں
ہے جاں خراشِ پرسشِ غمخوار کس قدر
وہ مہرباں ہے مجھ پہ کہ جو مہرباں نہیں
میرٹھ میں ہے قلق تو مگر بلبلِ غریب
افسوس ہے کہ تیرا کوئی ہم زباں نہیں

لبِ اظہار کہاں گو کہ زبان رکھتے ہیں
شمع سان سوز بیان ساز بیان رکھتے ہیں
وصل میں بھی تو کیا اس سے جفا کا شکوہ
کیا ہی آزار طلب ہم دل و جان رکھتے ہیں
کون اب اے ادبِ عشق سنبھالے ہم کو
ہاتھ میں ناقۂ لیلیٰ کے عنان رکھتے ہیں
تجھ سے اے زندگی گھبرا ہی چلے تھے ہم تو
پر تشفی ہے کہ ایک دشمنِ جان رکھتے ہیں
اے قلق داد حسینوں نے کسی کو دی ہے
یہ وہ کافر ہیں زبان زیرِ زبان رکھتے ہیں

نالہ کیا نہیں ہے کہ وہ بے قرار ہیں
بے اعتباریوں کے بڑے اعتبار ہیں
ناصح خفا سپہر غضب بخت بدسلوک
انجام دیکھیے جو بھی رازدار ہیں

وہاں وہ خیال غیر سے مضطر کہ ہائے ہائے — یہاں یہ غرور ضبط کہ وہ بے قرار ہیں
انداز حسن میں ہے نہ شوخی میں رنگ ہے — کس سادگی سے غیر کے امیدوار ہیں
میکش سبھی فرشتہ ہیں پر حضرتِ قلق — کیا دوستوں کے دوست ہیں یاروں کے یار ہیں

سر کو ٹھوکر سے تری ہم ہی لگا رکھتے ہیں — فتنہ ہائے دو جہاں رو بہ قضا رکھتے ہیں
تو نے دیکھا ہی نہیں تجھ میں جو دیکھا ہم نے — آج تک تجھ کو بھی ہم تجھ سے چھپا رکھتے ہیں
تم قلق کو مری خاطر سے پڑا رہنے دو — ایک شاعر کو بھی محفل سے لگا رکھتے ہیں

تیرے وعدہ کا اختتام نہیں — کہ قیامت پہ بھی قیام نہیں
بے وفائی تمھاری عام ہوئی — اب کسی کو کسی سے کام نہیں
وصل کے بعد ہجر کا کیا کام — دور گردوں کا اختتام نہیں
نالہ کرتا ہوں لوگ سنتے ہیں — آپ سے کچھ مرا کلام نہیں
ہے خدا ہی قلق جو آج بچے — صبح ہوتے نہیں کہ شام نہیں

اب شرط ہے کہ ہم بھی پریشاں بسر کریں — کاکل کو تیرے اور بھی آشفتہ تر کریں
ہو تلخ کامیوں سے ہماری وہ آب شور — آبِ حیات تک بھی اگر ہم گزر کریں
بڑھتا ہی جائے گا مرے سینے سے خون گرم — رگ رگ میں لاکھ لاکھ فرو نیشتر کریں
حیرت سے تجھ پہ بزم میں پڑتی نہیں نگاہ — غیروں کو تیرے شوق میں کب تک نظر کریں
سب دقتیں قلق نے سخن میں پسند کیں — بے فکر اپنی عمر کو حاسد بسر کریں

شب فرقت یہ کس کی شوخیاں ہیں جان مضطر میں — پلک کے مارتے آنکھوں میں ہے ہونٹوں پہ دم بھر میں
برنگ سایہ گر آمادۂ جنبش بھی ہوتا ہوں — تو ٹھوکر کھا کے گر پڑتا ہوں نقشِ پائے رہبر میں

تمھاری سرد مہری سے میں ہر محفل میں رسوا ہوں
نگاہ گرم بن جاتی ہے آنسو دیدۂ تر میں

میں اس کی خطر نازک سے اپنا رنج اٹھواتا
دم آخر بلاتا اس کو کیونکر حال ابتر میں

اٹھے کیوں آستیں بالیدۂ و برچیدہ داماں تم
وصال تا کہاں لکھا ہے یہ کس کے مقدر میں

قلق ہنگامۂ دہلی سے داد دل بھی کیا کم ہے
کہ مجبر بال بال اپنا ہے دو رزلف کافر میں

انھیں پھر امتحاں یاد آگیا میدان محشر میں
مگر داد ستم بیداد تھی میرے مقدر میں

عجب کیا ہے اگر ہمدم رہے تازندگی میرا
کہ ایک طرز وفا پاتا ہوں درد بندہ پرور میں

یہ رعنائی یہ خودرائی یہ چالاکی یہ بیباکی
خدا جانے کہ ہوگی صرف کس کے حال مضطر میں

وہ نور دیدۂ دل آنسوؤں میں مل کے آتا ہے
کہ شعلہ کو سرشتہ کر رکھا ہے آب گوہر میں

شب ہجراں قلق یہ بے کسی جھیلی کہ توبہ ہے
نہ وہ سہ تھا مقابل میں نہ خنجر تھا برابر میں

بلبلہ خون تمنا کا ہے بر میں دل نہیں
داغ اشک گرم کا ہے مردمک میں تل نہیں

ہر جگہ کعبہ ہے لیکن سجدہ کی مہلت کہاں
ہر قدم منزل ہے لیکن فرصت منزل نہیں

کیا مٹائے آپ کو کوئی کہ راہ عشق میں
وہ رواج نقص ہے نقصان بھی کامل نہیں

کیا ہے وہ حرماں جو تیرے رحم میں داخل نہ ہو
کیا ہے وہ ارماں جو میری یاس میں شامل نہیں

ایک دن تو بول اٹھتا تنگ ہو کر بے وفا
اے قلم ہم اس خموشی کی ترے قائل نہیں

نکالو ہم کو زنداں سے کہ آبادی ہو زنداں میں
ہم آئے کنج زنداں میں بہار آئی گلستاں میں

کریں کیا دادخواہی دامن قاتل کو کیا پکڑیں
کہ ہے فریاد ایک موج تبسم زخم خنداں میں

ہمارا چارہ گر مت دے تو سر زانو پہ رہنے دے
نہ لا بیٹھے بٹھائے زلزلہ دیوار زنداں میں

غبار کاروان عشق نے کیا رنگ بدلے ہیں
کہ یہاں برق نگہ داں سرمہ ہے داماں مژگاں میں

قلق سے سیکھ جائے عشق اخفائے محبت کو
نہیں معلوم دل کو درد کیا ہے داغ پنہاں میں

بیگانہ ادائی ہے ستم جور و ستم میں — ہم چھپنے نہ پائے کہ چھپا آپ وہ ہم میں
ہے طرز محبت ہی دل آشوب وگرنہ — کچھ بات عداوت کی نہ تم میں ہے نہ ہم میں
افسانۂ میخانہ ہے واعظ کی زباں پر — اندازۂ پیمانہ ہے قندیل حرم میں

مرنے والوں سے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں — عمر بڑھتی ہے جو مرنے کی دعا کرتے ہیں
اب! وہ ہم نہ وہ تم اور نہ وہ حالت اپنی — ہے تقاضائے مروت جو گلا کرتے ہیں

مشتِ غبار اپنا اگر کوبکو نہ ہو — طوفان برق و باد شکار نمو نہ ہو

اے صبر دل جدا دل دلگیر سے نہ ہو — وہ کام آپڑا ہے جو تقدیر سے نہ ہو

نہ کیونکر لطف الفت کا مجھے کینہ خواہی کو — نگاہ بے محابا کردیا ہے کم نگاہی کو
نہ پوچھو عمر فرقت کی حقیقت ہے ہر نفس ہر دم — قضا سو بار آئی زندگی کی عذر خواہی کو
نہ کرنا رحم بھی کتنا برا ہے کوئی ہو اس میں — کیا ہے عصمت یوسف نے رسوا بے گناہی کو
کہاں کو جائے بے دست و پائی کے سہارے پر — کدھر لے جائے کوچے سے تیرے بے پناہی کو
خلش جائے تو کیا جائے کہ خلجان اور باقی ہے — بچایا آبلہ پائی سے میرے خار ماہی کو
وہ مارا حسن نے ہم کو طرف داری کے دھوکہ میں — وہ روکا تیغ ابرو پر خدنگ کج کلاہی کو
قلق کیوں چھوڑتا دل کو کیوں میر تھہ میں آ رہتا — گدائی کے بھروسے پر لوٹا یا بادشاہی کو

وہاں ساحری ہے عشوۂ پرکار کے شریک — یہاں سادگی ہے شوق فریب آفریں کے ساتھ

کس کو پامال آج کر بیٹھے　　ہو جو تھامے ہوئے جگر بیٹھے
امن اور، تیرے عہد میں ظالم　　کس طرح خاک رہ گزر بیٹھے
نہ کھینچی منتِ مسیحائی　　ہم تو مرنے سے پہلے مر بیٹھے
چارہ گر مجھ سے سب کو نفرت ہے　　کس طرح رگ میں نیشتر بیٹھے
بدگمانی کے ساتھ پھرے　　کوبکو آئے دربدر بیٹھے
اور بھی اب مزاج دل بگڑا　　وہ جو پہلو میں آن کر بیٹھے
اے قلق یار چل دیے سارے　　رہ گئے ہم ہی بے خبر بیٹھے

رازِ دل دوست کو سنا بیٹھے　　مفت میں مدعی بنا بیٹھے

انتخاب دیوان

منشی خیراتی لال شگفتہ شاگرد نسیم دہلوی

اس بت کو دل دکھا کے کلیجہ دکھا دیا　　اسباب اپنی ذات کا سارا دکھا دیا
ہم نے تمھاری بات پہ دکھلا کے آئینہ　　معشوق خوبرو تمھیں تم سا دکھا دیا
مشتاق دل ہوا جو وہ مے نوش بزم میں　　میں نے اٹھا کے ہاتھ میں شیشہ دکھا دیا
ہم نے بھی ان کو ان کی طرح چھیڑ چھاڑ میں　　رونا دکھا دیا کبھی ہنسنا دکھا دیا
او بحر حسن گریۂ بیحد کے لطف سے　　سو بار تجھ کو اشک کا دریا دکھا دیا
ہم نے شگفتہ اس بت کافر کو پیار میں　　اپنا سمجھ کے مال پرایا دکھا دیا

گلے پہ آب دم تیغ جب رواں سمجھا　　میں نخل جسم کو شمشاد بوستاں سمجھا
یہ مرتبہ شب گیسو کی یاد نے بخشا　　کہ دود آہ کو پیوند آسماں سمجھا
شگفتہ ہاتھ لگا جب کبھی بروز وصال　　تو شعل آہ شرربار بایگاں سمجھا

لطف ساقی اوج سے لوٹی مینِ بالا دیکھنا   مثلِ موجِ آبِ دریا موجِ صہبا دیکھنا
صبحِ وصلِ عاشقاں ہونے لگی شامِ فراق   منہ پہ آیا دامنِ زلفِ چلیپا دیکھنا
بھی اٹھکھیلیاں ہیں سینۂ عاشق کی طرح   چاک ہو جائے گا دامانِ تمنا دیکھنا
سرفروشانِ محبت کو نہیں ہوتا پسند   دم بدم شمشیرِ قاتل کا تماشا دیکھنا
ہٹ نہ کر اے دخترِ رز جیا بیاں بڑھ جائیں گی   گر پڑے گی پاؤں پر دستار مینا دیکھنا
صحنِ گلشن میں جب آئے گا سراگل پیرہن   بوئے گل نکلے گی مانند تمنا دیکھنا
پند واعظ سے شگفتہ پارسا بنتے ہیں رند   قسمت سے میں نہیں آغوشِ مینا دیکھنا

پاؤں پھیلاتے ہیں وہ تا سرِ داماں کیا کیا   ناز کرتے ہیں مرے چاک گریباں کیا کیا
شادیٔ قتل سے تھا شوقِ تبسم مجھ کو   صورتِ زخم تہ خنجر براں کیا کیا
روزہ دارانِ محبت سے حیا کرتی ہے   شامِ گیسو صفتِ صبحِ غریباں کیا کیا
لب ملا کر لبِ خنجر سے تیرے او قاتل   مسکراتے ہیں شگافِ دلِ نالاں کیا کیا
دہنِ زخم کے مانند ہنسا دیتی ہے   آبلوں کو خلشِ خارِ بیاباں کیا کیا
دم الجھتا ہے مرا دل کی پریشانی سے   اے شگفتہ صفتِ زلفِ پریشاں کیا کیا

اشتیاقِ دامنِ زلفِ چلیپا بڑھ گیا   گھٹ گئے ہم صورتِ توقیر سودا بڑھ گیا
اب کہاں ہے دیدۂ تر میں تقاطر کی امید   مدتیں گزریں کہ دورِ جامِ صہبا بڑھ گیا
مرحبا صد مرحبا اے دوریٔ وصلِ حبیب   جب ہوئے نزدیک ہم وعدے سے وعدہ بڑھ گیا

گستاخ ہوئے ہاتھ جنوں جوش پہ آیا   پابوسیٔ دامن کو گریباں اتر آیا

جو حسن و عشق کا ہم وزن امتحاں ٹھہرا   وہ بے دہن نظر آیا میں بے زباں ٹھہرا
ترے خیال میں اے شامِ گیسوئے جاناں   سرشکِ چشم کا دامن پہ کارواں ٹھہرا
کھلیں گے بندشِ الفاظ صاف کے جوہر   کوئی سخن کا شگفتہ جو قدرداں ٹھہرا

مضمونِ عشق ذہنِ سخنور میں آ گیا   دریا سمٹ کے حلقۂ ساغر میں آ گیا
ہنگامِ ذبح جسم نے گستاخیاں جو کیں   دھبا لہو کا دامنِ خنجر میں آ گیا
آ نکلے تیرے سامنے کیا پوچھتا ہے یار   کچھ اس گھڑی بھی دلِ مضطر میں آ گیا
اس سرو قد کے قامتِ موزوں کو دیکھ کر   خم اٹھے شگفتہ نخلِ صنوبر میں آ گیا

مصرعے پہ ان کے مصرعہ قد کا گماں ہوا   اک طبقہ بیت کا طبق آسماں ہوا
چنتا ہے اپنی جبہ پہ افشاں وہ مہروش   گردوں کو شوق پرورشِ کہکشاں ہوا
کھینچا جو وحشی سے گریباں کو دوست نے   دامانِ اشتیاق مرا دھجیاں ہوا
گھوریں گے کیا گلوں کو گلستانِ دہر میں   رخصت ہوئی بہار نزولِ خزاں ہوا
دکھلائیں گے بہار کلامِ فصیح کی   گر دہر میں شگفتہ کوئی قدرداں ہوا

ہر ایک اختر بساطِ چرخ پر لینے لگا کروٹ   کسی صورت تو نے مری طرف اے مہ لقا کروٹ
مری جانب کو کروٹ لے کے گر مجھ سے لپٹ جاؤ   ابھی دینے لگے مری طرح تم کو دعا کروٹ
ہمارے گھر پہ کس کو اڑانے کو وہ آ دیں گے   ادھر کی جب کبھی لے گی ادھر بادِ صبا کروٹ
جو یونہیں ناتوانی پاؤں پھیلائے گی مرنے پر   شگفتہ کنجِ مرقد میں نہ لیں گے ہم ذرا کروٹ

دکھا اے ناخنِ غم لطف باہم ایسے ساماں پر   گریباں کا ہو منہ دامن پہ دامن کا گریباں پر
وہ سوتے ہو کے بے پردہ یہاں کس کس تمنا سے   نگہ صدقے ہوا کر رات بھر روئے درخشاں پر

تمھارے دست نازک نے جو کیں اٹھکیلیاں اس سے — اتر آیا گریباں مسکرا کر پائے داماں پر
سکھایا چشم کو کیا آتش غم نے دم گریہ — ہر اک آنسو بنا ہے آبلہ داماں مژگاں پر
جگر میں کس مزے سے چٹکیاں لیتا ہے چھپ چھپ کر — گمان شاہد پہلو ہے مجھکو درد پنہاں پر
میں وہ شیدائے گیسو ہوں کہ اکثر موسم گل میں — مرا پائے نظر پڑتا ہے زنجیر گلستاں پر
وہ بلبل ہوں غزل خواں اے شگفتہ باغ عالم میں — گراں ہوتا نہیں میرا سخن طبع سخنداں پر

آنکھ ڈالے نہ فلک سے مہ تاباں منہ پر — رکھ لو پھولوں کے عوض زلف کا داماں منہ پر
سرخ روئی کی تمنا میں ہمیشہ قاتل — تیغ ملتی ہے تری خون شہیداں منہ پر
ہوں وہ بلبل میں شگفتہ چمن عالم میں — منہ کی کھائے جو چڑھے مرغ غزل خواں منہ پر

پھر آیا وہ یار نو بہار اب کی برس — پھر ہوئیں آنکھیں ہماری لالہ زار اب کی برس
جوش پر وحشت ہے دامنگیر ہے دست جنوں — دیکھیے کیا رنگ دکھلائے بہار اب کی برس
رہ گئی ہے خواہش دیدار میں ہر ایک چشم — بن کے چشم روزن دیوار یار اب کی برس
اے شگفتہ روح کو ہے قلب میں یہ انتشار — دیکھیے کیا رنگ دکھلائے بہار اب کی برس

گر ملا بھی شب وصل بت چالاک میں عیش — نیند بن بن کے رہا دیدۂ غمناک میں عیش
دیکھیے چشم تلطف سے ادھر بندہ نواز — ہے مصیبت زدگان کو نگہ پاک میں عیش
وہ جو پہلو سے روانہ صفت ہوش ہوئے — مل گیا مری طرح آہ مرا خاک میں عیش
اے شگفتہ شب فرقت میں مزے دیکھیں گے — گر تصور سے ہوا خاطر بیباک میں عیش

گر تعلی پہ ہے وہم امتحان سے فروش — بے نشان ہو کر نکالیں گے نشان سے فروش
سجدے کرتے ہیں غم مے کو وفور نشہ میں — صورت مینائے مئے مداح شان سے فروش

جام و مینا و صراحی و سبو سے بے گماں
ساقی مشفق پہ ہوتا ہے گمان مے فروش
جنتیوں پر جا کے پوچھیں گے بہار آنے تو وہ
عالم مستی میں مستوں سے بیان مے فروش
شیشہ و جام و صراحی و سبو کیا مال ہیں
بخش دیں گے جوش مستی میں دوکان مے فروش
میکدے میں دختِ رز کو لا بٹھائیں گے ضرور
پہلوئے مینائے دل میں مہمان مے فروش
جام آنکھیں ہیں تو بادہ اشک ہے شیشہ ہے دل
دیکھا دے نوش میں بھی ہوں نسیان مے فروش
کس قدر چکا ہوا ہے بادۂ گلگوں کا دور
ایک عالم آج کل ہے مہمانِ مے فروش
میں بھی ہوں اک ساقیٔ مے نوش تیرے دور میں
کفش بردار شریک خادمانِ مے فروش
غم کے خم کردوں تہی دم بھر میں وہ مے نوش ہوں
اے شگفتہ ہاتھ آئے گردکانِ مے فروش

ہو اگر مدِ نظر گلشن میں اے گلفام رقص
صورتِ بسمل دکھائے بلبلِ ناکام رقص
خانہ عقل میں ہوتا ہے گمان فردوس کا
مور بن کر جب دکھاتی ہے تری صمصام رقص
وہ ہوا خواہِ نسیم زلف ہوں میں تیرہ بخت
کیوں نہ مرقد پر کرے دودِ چراغ شام رقص
آرزو ہے التفاتِ بے قراری سے مجھے
وصل میں اس کو دکھائے ہر رگ اندام رقص
دم نہیں اپنا تڑپ کر لوٹتا ہے ہجر میں
روح کو سکھلا رہا ہے موت کا پیغام رقص
اے شگفتہ وہ پری رو مجھ سے فرماتا ہے یہ
تم کو دکھلائیں گے اپنا آج زیر بام رقص

ہے دل کو تیغ ابروئے دلدار سے غرض
خنجر کی آرزو ہے نہ تلوار سے غرض
زاہد سے کچھ غرض ہے نہ میخوار سے غرض
ہم کو تو ہے جناب کی سرکار سے غرض
ساقی کو اپنے بادۂ گلنار سے غرض
بے ہوش سے غرض ہے نہ ہشیار سے غرض
دل ہے نثار مردمک چشم دوست پر
بیمار کو ہے مردم بیمار سے غرض
وہ اشتیاق دید شگفتہ نہیں ہمیں
آنکھیں لڑائیں روزنِ دیوار سے غرض

ہم کو ذکر وصل یار خوبرو سے کیا غرض
عاشق صادق ہیں ہم اس گفتگو سے کیا غرض

آب دریائے ندامت غسل دے دے گا اسے
اشک تر دامن کے تجھ کو شست شو سے کیا غرض

خوف ہنس ہنس کر زبان تیغ کے لوٹے مزے
ہر دہان زخم کے نکلے عدو سے کیا غرض

جس کی گردن سے ملے اس کو ملایا خاک میں
آب خنجر کو کسی کی آبرو سے کیا غرض

سجدے کرتے ہیں خم ساقی کو کیف نشہ میں
رند مشرب ہیں ہمیں آب وضو سے کیا غرض

کہتے ہو اس سے نہیں مطلب رہا کچھ بھی ہمیں
پھر شگفتہ ذکر یار خوبرو سے کیا غرض

کھو چکا ہے ربط بیم سے بت مغرور ضبط
ہجر میں ہوگا الٰہی کس طرح منظور ضبط

پامال جفا کر کے وفائے دل عاشق
ڈھونڈو نہ مری جان خطائے دل عاشق

کہتے ہیں نہ ہو شاکی تقدیر پریشاں
ہے تحفہ اندوہ غذائے دل عاشق

خوش ہو کے اسے کوچۂ گیسو میں جگہ دو
گر چاہتے ہو دل سے بقائے دل عاشق

دل لے کے مرا یار نے کی رنج سے آباد
خالی جو ہوئی جسم میں جائے دل عاشق

کہتا ہے شگفتہ وہ پری رو دم خلوت
راضی ہوں میں جس میں ہے رضائے دل عاشق

کیوں کھلو تم صورت سیارہ سر سے پاؤں تک
میں اوڑھا ہوں چادر نظارہ سر سے پاؤں تک

سرخ کپڑے پہننے سے وہ بت شعلہ مزاج
بن گیا ہے آگ کا انگارا سر سے پاؤں تک

دیکھ لیتا ہے خزاں میں موسم گل کی بہار
زخم کھا کر یہ دل بیچارہ سر سے پاؤں تک

منگل ہوئی کیوں نہ وقت دید ہو جائے غشی
نور کا شعلہ ہے وہ مہ پارہ سر سے پاؤں تک

کم ہمتی کا نشہ ہے سے مٹا کے رنگ
بیٹھا ہوں بزم یار میں اپنا جما کے رنگ

روتا ہوں میں تصور زلف سیاہ میں
پانی برس رہا ہے جمے ہیں گھٹا کے رنگ

افلاک پر پہنچ کر عذاب فراق میں　　دیکھیں تو کیا دکھائیں ہجوم دعا کے رنگ
آئینہ رکھ کے سامنے وہ شوخ یار چشم　　ہنستا ہے میرے رنگ سے اپنا ملا کے رنگ
لطفِ شباب یاد کریں کیا شگفتہ ہم　　پیری کے رنگ سے نظر آئے قضا کے رنگ

تو جو آیا رگ گردن کے مقابل قاتل　　طائرِ روح ہوا طائرِ بسمل قاتل
پاک ہو وسوسۂ شوق شہادت دل سے　　چھوڑ دے ہاتھ کوئی ہو کے مقابل قاتل
منہ چھپا کر جو کیا قتل مجھے قاتل نے　　میں یہ سمجھا کہ بنا جور تجاہل قاتل
بے تکلف تیری شمشیر کے لے کر بوسے　　نکل آئیں گے مرے حوصلۂ دل قاتل
حشر ہو سایۂ شمشیر میں بے منت خلق　　اے شگفتہ جو بنے بازوئے قاتل قاتل

ناخن غم کا ہوا ہم پہ یہ احساں آج کل　　صورت دامن مشک ہے گریباں آج کل
وہم نے اس درجہ بخشی ہے پریشاں خاطری　　ہو گیا میرا تصور اس کا درباں آج کل
جاں نثاروں میں ہمارا بھی چمک جائے نصیب　　آ کے مل جائے گلے گر تیغ براں آج کل
اے شگفتہ باغ معنی میں تیرا شیریں سخن　　بن گیا ہے نغمۂ مرغِ غزل خواں آج کل

جوش الفت سے خیال کر یار میں ہم　　ہیں عدم شکل نظر خواہش دیدار میں ہم
جب اٹھے آتش دوری کے شرارے دل میں　　بن کے پروانہ گئے انجمن یار میں ہم
اے نسیم کرم طبع رسا سے بخدا　　سہل مضمون نہیں لکھتے کبھی اشعار میں ہم

کیا مزے ہم نے اٹھائے مژدۂ بیداد میں　　آئے نالے تا دہن رسم مبارک باد میں
لطف سے مطلب کسی کے ہے نہ رنجش سے غرض　　خندۂ دیوانہ ہوں میں گلشن ایجاد میں

نہیں ہے جلوۂ رنگِ شراب شیشے میں
پری اسیر ہے یا آفتاب شیشے میں
دلہن بنا کے بٹھایا ہے میرے ساقی نے
اڑھا کے رنگ کا سے کو نقاب شیشے میں
بھری ہے جان کے کسیرا اپنے مذہب کی
شگفتہ خاک در بوتراب شیشے میں

جنون ہے گستاخیوں پہ مائل نئی ہیں اٹکھیلیاں فغاں میں
عجب طرح کے یہ شعبدے ہیں کہ نازباہم ہیں ایں و آں میں
عجب طرح کا عذاب ہے یہ کہ آج بیتابیوں کے جھگڑے
دل حزیں سے پڑے ہوئے ہیں تغافل یار بدگماں میں
مرے مرض کی دوا کا ان کو خیال ہرگز نہیں کہوں کیا
عذاب کی لذتیں ہیں حاصل تساہل طبع دوستاں میں
نہیں ہے کچھ انتشار کی جانب تمنا میں میرے نالے
پہنچ ہی جائیں گے لامکاں تک لپٹ کے فریاد بیکساں میں
مناسبت پر ہیں کیا معانی ہے لفظ سے لفظ کو تعلق
فصاحت آمیز بندشیں ہیں شگفتہ اشعار نکتہ داں میں

آتش غم سے اگر دو دیگر پیدا کریں
آسمان اک اور ہم بالائے سر پیدا کریں
آتش انکار جاناں گر لگا دے دل میں آگ
داغ حسرت شعلۂ نار سقر پیدا کریں
روئے روشن سے ہٹا کر زلف شب گوں کو حضور
شام کے آغوش میں نور سحر پیدا کریں
پوچھتا ہے ہم نفس کیا مجھ سے اس بت کی خبر
بے خبر کی بے خبر کیوں کر خبر پیدا کریں
اے شگفتہ ہوش گم ہوتے ہیں عنقا کی طرح
بیت میں کس طرح مضمون کمر پیدا کریں

رنج کا اے صبح راحت کر نہ ساماں باغ میں
مہرباں ہو صورتِ شام غریباں باغ میں
آمد فصل خزاں ہے قہر بلبل کے لیے
جمع صرصر کرتی ہے گرد پریشاں باغ میں
فصل گل آئی خوشی سے زمزمے کرنے لگے
اے شگفتہ خوش نوایان گلستاں باغ میں

گر پڑے دامن مژگاں سے برابر آنسو
ہو کے درد دل سوزاں سے مکدر آنسو
سامنے آ گئی کیفیت سوز جگری
آبلے ہو گئے دامن پہ ٹپک کر آنسو

میں جو روتا ہوں تو گہوارۂ دامن پر مرے　　طفل کی طرح سے سو جاتے ہیں آ کر آنسو
آتش عارضِ جاناں سے سکھالیں دامن　　دیں کسی وقت جو فرصت مجھے دم بھر آنسو
اے شگفتہ ہوس وصل میں کس کافر کے　　گر پڑے دامن مژگان سے ٹپک کر آنسو

ہوا ہوں جب سے اک مے نوش کی الفت میں دیوانہ　　یہ گردوں برابر گردشیں ہیں شکل پیمانہ
لہو وہ دیدۂ خونبار نے بے یار برسایا　　ہوا گل رنگ سارا ساقیٔ مہوش کا میخانہ
بگاڑا دورِ گردوں نے مرے سامانِ راحت کو　　صراحی ہے نہ شیشہ ہے نہ ساقی ہے نہ پیمانہ
جب آئی پردۂ مینا سے باہر بزم رنداں میں　　عروس مے کا گھونگھٹ بن گئی دیوار پیمانہ
شگفتہ کیوں نہ شغل بادہ نوشی کا مزا اٹھے　　شب مہتاب ہے پیش نظر بر میں ہے جانانہ

گریں گے قطرہ ہائے اشک جس دم دیدۂ تر سے　　بھرے گا اپنا دامن ریزہ ہائے لعل و گوہر سے
ہوا ثابت بر آئی آرزوئے قتل اے قاتل　　ہنسے دیتا ہے ہر زخم گلو مل مل کے خنجر سے
کہاں اب دید بازی کے مزے حاصل ہوں رندوں کو　　عروس مے حیا کرنے لگی آغوش ساغر سے

نیم جان ہوں زندگی دور چراغ کشتہ ہے　　میری ہستی صورت بود چراغ کشتہ ہے
گو ہوں مفلس پر ہوں اپنی تیرہ بختی سے غنی　　میرے گھر میں دولت سود چراغ کشتہ ہے
ہو نہیں سکتا سیہ کاری سے میں روشن ضمیر　　دل مرا اک ظرف معصود چراغ کشتہ ہے
دیکھ کر پروانوں کے پر صبح کو ثابت ہوا　　یہ بہار گلشن جود چراغ کشتہ ہے
اے شگفتہ مجھ کو پیری میں یہ مصرع یاد ہے　　بود اپنی وہم نابود چراغ کشتہ ہے

شہادت کی تمنا خاک ہو شمشیر ابرو سے　　چھپا لیتے ہو روئے پاک کو دامان گیسو سے
شب فرقت کی آسان مشکلیں ہوتی ہیں اے ظالم　　بہلتا ہے دل پر وردۂ غم درد پہلو سے

بلائے جان ہوئی اے جوش بیتابی تری شوخی — نہ سر کو ربط زانو سے نہ دل کو انس پہلو سے
ادب بخشا ہے ایسا ربط الفاظ مناسب نے — دوزانو ہے مری طبع رسا ترکیب اردو سے
شگفتہ صبح عارض کی سفیدی نور کیا بخشے — سیاہی ہر زماں پیش نظر ہے عشق گیسو سے

بدمزاجی سے جو تم وصل میں شمشیر بنے — زخم دل کھانے کو ہم سینۂ نخچیر بنے
اپنی پیشانی پہ سو بار مٹا کر لکھوں — کاش مٹ مٹ کے نشان خط تقدیر بنے
تیرہ روزان محبت کی گرفتاری کو — حکم مشاطہ کو ہے زلف گرہ گیر بنے
زخم کے چشم کے آنسو ترے ڈر سے قاتل — آب شمشیر بنے جوہر شمشیر بنے
صفت طبع یہ کہتی ہے شگفتہ مجھے — پہلوئے شعر میں مضمون کی تصویر بنے

چھپا کر منہ نہیں روتے ہیں ہم دل گیر دامن سے — ہماری چشم تر کرتی ہے کچھ تقریر دامن سے
خیال آتا ہے جس دم گیسوئے خمدار جاناں کا — لپٹ جاتی ہے بڑھ کر اشک کی زنجیر دامن سے
شگفتہ جوش وحشت سے کبھی فرصت نہیں ہوتی — الجھتا ہے مرا دست گریباں گیر دامن سے

یاد میری تجھ کو جب تک اے بت غافل نہ تھی — درد سے امید بیتابی مجھے مشکل نہ تھی
کر دیا کیا جانے کیا منہ دکھا کر یار نے — اس قدر بیتابیوں پر آرزوئے دل نہ تھی
بے حجابانہ شمشیر نکلی وقت قتل — روح کو کچھ احتیاج پردۂ قاتل نہ تھی
جب نہ تھے آگاہ ہم اس شہسوار حسن سے — طبع نازک کی زمیں پامال شوق دل نہ تھی
التفات تیزیٔ شمشیر قاتل سے مجھے — اے شگفتہ اپنے مرجانے کی کچھ مشکل نہ تھی

مخمس بر غزل جناب قبلہ و کعبہ پیر مرشد برحق نواب مرزا محمد اصغر علی خاں صاحب نسیم دہلوی استادِ بندہ

کچھ ایسی بے قراری تھی دفور شوق مطلب میں — کہ آنکھیں سوئے گردوں تھیں امید رحمت رب میں
کہے حال مصیبت کیا مصیبت آشناب میں — یہاں تک طول تھا اے ہم نفس کل ہجر کی شب میں
دعائیں جاگ کر سو سو رہیں آغوش مطلب میں

کبھی گر جوش بیتابی سے ان کے گھر پہ جاتے ہیں — تو دل پر سیکڑوں رنج والم کے تیر کھاتے ہیں
اگر وہ مہرباں ہو کر بھی ہم سے پیش آتے ہیں — ہمیں حضرت سلامت کہہ کے صلواتیں سناتے ہیں
غضب کی شوخیاں ہیں ان کے دشنام مؤدب میں

دکھا کر بزم زنداں میں سبو و شیشہ و ساغر — بگاڑا لطف بے نوشی مزاج محتسب بن کر
ہمارے دل کے ارماں ذبح کر کے حیف بے خنجر — لیے انکار ساقی نے ہزاروں خون گردن پر
نگاہیں ڈوب کر رہ گئیں جام لبالب میں

یہ رتبہ ہے ترے غم کی بدولت خاکساروں کا — کہ نالہ چرخ سے ہے گرم صحبت خاکساروں کا
نہ پوچھ اب حال کچھ اے مہر طلعت خاکساروں کا — بلندی پر ہے اقبال محبت خاکساروں کا
شرار آہ خوابیدہ ہوئے پہلو سے کوکب میں

مرے نزدیک الفت کا نہ ہو راز نہاں افشا　　لسان گنگ گویائی سے مطلب کیا تعلق کیا
شگفتہ کی طرح محو خموشی چاہیے رہنا　　نسیم اس بے وفا سے حال دل کہنا نہیں اچھا
جلی ہوں گے مضامین خفی اظہار مطلب میں

انتخاب دیوان

عبداللہ خاں مہر لکھنوی شاگرد مرزا نسیم

جو کرتے آہ کا مضمون دل غمناک سے پیدا
دھواں ہوتا ہمارے شعلۂ ادراک سے پیدا

وہ آنکھیں گردش ایام کو آنکھیں دکھاتی ہیں
فسوں تازہ ہوتا ہے طلسم خاک سے پیدا

بہار وصل و مے نوشی خزاں و ہجر و دلسوزی
ہوئے کیا کیا تماشے گردش افلاک سے پیدا

تری چشم غمازیں سے ہوئیں مخموریاں حاصل
ہوئی کیفیت سے زہر بے تریاک سے پیدا

کمیت فکر نے دکھلائی جولانی طبیعت کی
ہوئیں چالاکیاں اس توسن چالاک سے پیدا

کھلے چشم حقیقت میں تو سب برعکس ہو جائے
بہار لالہ و گل ہو خس و خاشاک سے پیدا

تیری چشم سیہ مست اور ہی کچھ لطف دیتی ہے
بہار غنچۂ نرگس ہوئی ہے تاک سے پیدا

میری روشن کلامی نور بخش ہر دو عالم ہے
فروغ مہر ہوگا شعلۂ ادراک سے پیدا

گل و سنبل سے کیا کیا خس و خاشاک سے پیدا
تماشے طرفہ ہوتے ہیں طلسم خاک سے پیدا

میرا مسکن جو مجنوں دیکھتا دیوانہ ہو جاتا
عجب وحشت ہے اس دشت مصیبت ناک سے پیدا

ہماری بے گناہی پر شہید آ کر گواہی دیں
زبان معذرت ہو خنجر سفاک سے پیدا

تماشہ قدرت خالق کا ہے آئینۂ رخ میں
ہوئی ہے نور کی تصویر نور پاک سے پیدا

شکار طائر جاں کا ہے اس کو انتظار اب تک
یہی ہوتا ہے چشم حلقۂ فتراک سے پیدا

تری آنکھوں میں گھر ہوتا کمال دیدبازی ہے
محبت کی ہے کیسے رہزن سفاک سے پیدا

تمہارے حسن عالم تاب سے کیونکر نہ حیرت ہو
ہوئی ہے نور کی تصویر مشت خاک سے پیدا

نہیں خوش آتی بوئے عطر انھیں نازک دماغی سے
شمیم عطر گل ہے ملگجی پوشاک سے پیدا

غم فردا نہیں اے مہر بخشش آئی ورثے میں
تسلی ہے احادیث شہ لولاک سے پیدا

دخل دل میں نہ دے محبوب فراموشی کا
ایک عالم رہے ہشیاری و بے ہوشی کا

مے سے وہ مست ہیں ہم شربت دیدار سے مست
بیخودی کا انھیں عالم مجھے بے ہوشی کا

وہ بتعظیم جو پیش آئے ہیں کچھ تو ہے ضرور
ہم کو مطلب نہ کھلا ان کی ادب کوشی کا

چاک کر ڈالیں گلوں نے جو قبائیں اپنی
کیا جنوں خیز ہے عالم تری خوش پوشی کا

اب تو کیا تھوڑے دنوں میں یہ یقیں اے مہر
عیب پوشی سے بدل ہوگا ہنر پوشی کا

تیر نگاہ سے گلۂ دل نکل گیا
لڑتے ہی آنکھ حوصلۂ دل نکل گیا

حسرت سے چھٹ کے شوق و تمنا ہیں کامیاب
رہزن سے بچ کے قافلۂ دل نکل گیا

اب ہم کو تجھ سے ملنے کی خواہش نہیں رہی
وقت خوش معاملۂ دل نکل گیا

پیکاں تیر یار بہت تیز تھا مگر
آ کر بچے مقابلۂ دل نکل گیا

مرگ رقیب باعث راحت ہوئی مجھے
اے مہر خار آبلۂ دل نکل گیا

دیکھ قاتل کو ہوا پانی دلِ صد پارہ آج   چادرِ آبِ رواں ہے دامنِ نظارہ آج
تنگ تنگ دیدہ کو اشک نہیں اللہ رے ضعف   آنکھ کا ڈورا بنا ہے رشتۂ نظارہ آج
بادۂ گلگوں کی تابش نے مری جھپکائی آنکھ   آتشِ مے نے جلایا دامنِ نظارہ آج
دستِ نازک پر جو ساقی کی ہے جنبش بار بار   دخترِ رز کے واسطے ساغر بنا گہوارہ آج
کوچۂ گیسو میں جا کر کس بلا میں پھنس گیا   جستجو نے دل میں ہے پلک نگہ آوارہ آج
اڑ گیا پردہ ہوا سے دیکھ لی صورت تری   گنجِ باد آورد ہے یہ دولتِ نظارہ آج
روح کہتی ہے کہ بھاری بوجھ اٹھ سکتا نہیں   مہرؔ مرقد میں اتاروں جسم کا پشتارہ آج

چھٹ گئے ہر فکر سے اے مہرؔ مر جانے کے بعد   چین سے سوتے لحد میں ٹھوکریں کھانے کے بعد
فاتحے کی بھی توقع تم سے رکھنا ہے فضول   خاک بھی ہوگا نہ میرے خاک ہو جانے کے بعد
تازیانہ ہے سمندِ اشتیاقِ وصل کو   سر جھکا کر بات کرنا ان کا شرمانے کے بعد

یہ خطِ مہرکب ہے عارضِ گلگون جاناں پر   لکھا ہے حاشیہ سعدی نے اوراقِ گلستاں پر
نئی تشبیہ ہاتھ آئی ہے پیشانی کی افشاں پر   لکھی ہے سورۂ والنجم لوحِ ماہِ تاباں پر
ہجوم داغ ہیں عالم فراہم ہے تماشے کو   شرف ہے اپنے سینے کو کہیں سروِ چراغاں پر
نہ ہوں کیونکر بغل گیر طرب بسمل کیا تو نے   مہرؔ سے روزِ شہادت کو شرف ہے عیدِ قرباں پر

دو چار لہریں تو نے بجائیں جو گنگ پر   سر پٹکے مچھلیوں نے تری جل ترنگ پر

گلشن کو دوڑے جاتے ہیں دیوانۂ بہار   چل باغ یار آگیا پروانۂ بہار
زنجیرِ موج نکہتِ گل نے بنائی ہے   گلشن میں قید ہے تیرا دیوانۂ بہار

تجکو زیور نہ پہننا تھا ستمگر ہوکر
قتل کرنے لگے بالے تیرے چکر ہوکر

لکھ کے خط حیرت دیدار میں جب بند کیا
پتلیاں آئیں نکل چشم سے دلگیر ہوکر

نکلی شیشہ سے جو باہر تو سمائی دل میں
دخت رز آئی تھی کیا روح دو پیکر ہوکر

چشم سیگوں ترے دیکھے تو میرا تار نگاہ
چشم حیراں سے عیاں ہو خط ساغر ہوکر

بوسۂ لب جو لیا پھول سے عارض دیکھے
باغ جنت میں گئے ہم لب کوثر ہوکر

بعد مرنے کے بھی گر کچھ اثر ضعف رہا
قبر پہ چاندنی رہ جائے گی چادر ہوکر

جان لیتی ہے کسی رشک چمن کی فرقت
روح نکلے گی مری بوئے گل تر ہوکر

دعویٔ ہمسری عارض رنگیں جو کرے
خار لیں فصد رگ گل ابھی نشتر ہوکر

سخت دل گھورتے ہیں آپ کے دیوانے کو
ڈھیلے آنکھوں کے پھرا کرتے ہیں پتھر ہوکر

کشور دل میں دیا حسن پرستی کو رواج
عشق تیرا مگر آیا تھا پیمبر ہوکر

سیر گلزار میں کیا آپ کو ہنستے دیکھا
غنچے کیوں بھول گئے جامہ سے باہر ہوکر

چوندھیاتے ہیں عدو نور رخن سے کہہ دو
مہر کا سامنا کیوں کرتے سپر ہوکر

یاد آئے جو کیفیت دریائے بنارس
میں لکھنؤ میں کہتا پھروں ہائے بنارس

حوران بہشتی کی تمنا نہ رہی کچھ
آغوش میں گر ہو بت زیبائے بنارس

دل چاہتا ہے مہر دعا رہتی ہے ہر دم
اللہ کہیں پھر مجھے دکھلائے بنارس

کیا کیجیے رقم سبد احتشام زلف
ہے دفتر جمال پہ طغرائے لازم زلف

خدمت ہو غازہ گل رخ کی نسیم کو
موج ہوا چمن میں کرے انتظام زلف

فصل بہار آئی جنوں خیر دیکھیے
سودائیوں کو آنے لگے پھر پیام زلف

موذی جو سر چڑھا تو بنا مار آستیں
سر پہ نچایے تھا جنوں کے مقام زلف

سودائے زلف چین جبیں نے مٹا دیا
تاراج چینیوں نے کیا آکے شام زلف.

کب حسن عارضی پہ لگتی ہے صبح و شام ۔۔۔ اسلام پر طعن سے ہردم سلام زلف
جھکے اٹھا رہے ہیں اسیران دام زلف ۔۔۔ آرام اب کہاں دل وحشی ہے رام زلف
بالوں کو اپنے تم رخ روشن پہ چھوڑ دو ۔۔۔ پھیکو میان چشمۂ خورشید دام زلف
تقریر کیوں نہ الجھی ہوئی برزبان رہے ۔۔۔ ہے درس میں رسالہ علم کلامِ زلف
دیوانے ہم ہیں گردشِ لیل و نہار کے ۔۔۔ ہے صبح صبح روئے پری شام شام زلف
پایا سیاہ بختیٔ عشاق نے بھی اوج ۔۔۔ فیروزہ فلک پہ ہے کیا کندہ نام زلف
زلفیں ہوا سے کب رخ عارض پہ آ گئیں ۔۔۔ ہے سبزہ بہار کے منہ میں لگام زلف
آئے سیاہ دل ہیں رقیبوں کے اس پہ مہر ۔۔۔ پوشش میں ہے حبش حرم احترام زلف

نہ پہنچے چھوٹ کر کنج قفس سے ہم نشیمن تک ۔۔۔ پر پرواز نے یاری نہ کی دیوار گلشن تک
وہ بے دل ہوں کہ مجھ سے دوستی کرتا ہے دشمن تک ۔۔۔ وہ رہرو ہوں کہ مجھکو راہ بتلاتا ہے رہزن تک
پس مردن یہ اے مشاطۂ بادصبا کرنا ۔۔۔ ہماری خاک سرمہ بن کے پہنچے چشم روزن تک
خزاں میں دیکھ لینا وادیٔ پرخار سے بدتر ۔۔۔ چمن بھی ہے بہار لالہ ونسرین وسوسن تک
کدھر آیا ہے دل بچپاؤ گے ناداں نہ ہو دیکھو ۔۔۔ نہ پہنچو گے کبھی اے مہر تم اس شوخ پرفن تک

پڑے ہیں مست بھی ساقی ایاغ کے نزدیک ۔۔۔ ہجوم پیرہن پھٹے چراغ کے نزدیک
ہمارے اشک مٹاتے ہیں داغ دل کی بہار ۔۔۔ یہ آب شور کی نہریں ہیں باغ کے نزدیک
صفائی یار سے میلے میں ہوگئی اچھی ۔۔۔ ملال دور ہوا عیش باغ کے نزدیک
جگر کے پاس چراغانِ داغ دل دیکھو ۔۔۔ یہ روشنی ہے مرے خانہ باغ کے نزدیک
وہ دل جلے ہیں کہ اے مہر ٹھنڈا کرنے کو ۔۔۔ ہوا نہ آئے ہمارے چراغ کے نزدیک

جویائے فروغ رخ روشن تو نہیں ہم — آتش قدم وادیٔ ایمن تو نہیں ہم
دل سوختہ وہ ہیں کہ دل اس کا بھی جلے گا — مرکر سبب شادیٔ دشمن تو نہیں ہم
لو قتل کرو کس لیے دکھلاتے ہو شمشیر — کچھ جوہری جوہر آہن تو نہیں ہم
جلنا ترے اٹھنے کے سبب کب ہے ہمارا — افروختہ جنبش دامن تو نہیں ہم
بلبل کی طرح فصل خزاں میں جو نہ تڑپیں — کچھ طائر رنگ رخ روشن تو نہیں ہم
دامن سے چھڑاؤ گے تو پچھتاؤ گے صاحب — اکسیر ہیں خاکستر گلخن تو نہیں ہم
اے مہر ابھی موت کہاں شہرہ تو ہولے — کہتے ہی جو اڑ جائیں وہ روغن تو نہیں ہم

جور بنیادوں کے دیوانے ہیں ہم — اپنے جلادوں کے دیوانے ہیں ہم
ہم کو انسانوں میں کب گنتے ہیں وہ — جن پری زادوں کے دیوانے ہیں ہم
کچھ نہیں تاثیر سے مطلب انھیں — اپنی فریادوں کے دیوانے ہیں ہم
بال کھولے دل پراگندہ کیا — تیری ایجادوں کے دیوانے ہیں ہم
داغ فرقت میں عطا فرما دیے — ان کی امدادوں کے دیوانے ہیں ہم

تمھاری سرد مہری سے ہے شعلہ داغ دل تن میں — جلی کافور کی بتی چراغ زیر دامن میں
کسی جا سے نہ اپنے رشتۂ الفت نے جا پائی — نہ تسبیح مسلماں میں نہ زنار برہمن میں
بجائے سنگ لڑکے پھول چن چن کے لگاتے ہیں — بڑا پھرتا ہے دیوانہ ترے کوچہ کا گلشن میں
تصور شام ہجراں کا اگر دل پر کبھی آیا — ہوا نور جمال یار پیدا شمع روشن میں
لب رنگیں نے شوخی کی، لگائی تم نے جب مسّی — تماشا ہوگیا پھولی شفق گلہائے سوسن میں

محو شیدائے جمال یار آنکھیں ہوگئیں — قاتل عالم تری تلوار آنکھیں ہوگئیں
تھا غضب ہم کو تصور اس لب جاں خوردہ کا — دیکھتے ہی دیکھتے خونبار آنکھیں ہوگئیں

خوش خرامی سے وہ بت آنکھوں پہ رکھتا ہے قدم — رفتہ رفتہ رفتۂ رفتار آنکھیں ہو گئیں
سرمہ آنکھوں میں لگاتے ہیں کہ پردہ کھل نہ جائے — چپ کیا جب قال گفتار آنکھیں ہو گئیں

پابند ہر جفا پہ تمھاری وفا کے ہیں — رحم اے بتو کہ ہم بھی تو بندے خدا کے ہیں
گلچیں بہار گل میں نہ کر منع سیر باغ — کیا ہم غبار دامن باد صبا کے ہیں
یہ سادہ رو جو صاف نہیں رہتے شام وصل — عاشق غبار دامن صبح خفا کے ہیں
جس کو یقین بقا کا ہو واعظ تری سنے — ہم لوگ مست بادۂ جام فنا کے ہیں
اے مہر طبع برق نے بیتاب دل کیا — مضمون چمک دمک کے قوافی بلا کے ہیں

کیوں خفا ہو کے ہمیں آپ ڈرا لیتے ہیں — یہ تو فرمایئے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں
آپ لسانیؔ و تقریر کی کیا لیتے ہیں — ہم سخن ساز کو باتوں میں بنا لیتے ہیں
ناز سے صحن چمن میں نہ کریں آپ خرام — حال سے کبک دری چال اڑا لیتے ہیں
ان کے انداز نے تو کیا ہے مجھکو عاجز — میں بگڑتا ہوں تو خود منہ کو بنا لیتے ہیں
ناز و انداز سے کرتے ہیں وہ مفتوں اپنا — دل سوزاں کے لیے آنکھ چرا لیتے ہیں
سرکشی ان سے کرے کوئی تو کس طور کرے — بار احسان و عنایت سے دبا لیتے ہیں

سینہ پہ داغ سب گل خنداں ہیں ان دنوں — سلطان عالم اپنے سلیماں ہیں ان دنوں
بیخود وہ ہوں خیال حرم ہے نہ پاس دیر — برگشتہ مجھ سے گبرو مسلماں ہیں ان دنوں

آستیں آپ چڑھاتے ہیں جو کس کر دامن — قتل ہو جائیں گے کیا آج ہی سب تر دامن
یہ نزاکت تھی کہ پشواز پہن کر نہ اٹھے — ہو گیا کشتیٔ رفتار کو لنگر دامن

عقل و ہوش و خرد و تاب و تواں دور رہے — یعنی یہ لشکر اندوہ نشاں دور رہے
اپنے دلسوز کا پردہ رکھو خاموشی سے — دامن شعلہ تقریر و بیاں دور رہے
چشم بددور لڑایا کرو ہم سے آنکھیں — چشم زخم نگہ بدنظراں دور رہے
مہندی مل کر تو نہ انگلی سے لگاؤ مسی — آتش رنگ حنا سے یہ دھواں دور رہے
مجھ کو اس بحر تمنا کی صفت لکھنی ہے — کب روانی سے ہم طبع رواں دور رہے

مژگان نے روکا آنکھوں میں دم انتظار سے — الجھے ہیں خار دامن باد بہار سے
مطلب خزاں سے ہے نہ غرض ہے بہار سے — ہم دل اٹھا چکے چمن روزگار سے
یہ گل کھلا نہ لالہ رخوں کے فراق میں — ہم داغ لے چلے چمن روزگار سے
بسمل جو ہیں تو ہم ہیں تڑپتے جو ہیں تو ہم — وہ خوش ہیں صید گاہ میں سیر و شکار سے
آغاز عشق ہے وہ بڑھاتے ہیں رسم وراہ — ہم دل میں خوف کرتے ہیں انجام کار سے
ان کو ہوا جو نشۂ مے میری بن پڑی — پردہ کھلا نہ دامن موج خمار سے
کلکتہ سے بھی کیجیے حاصل کوئی تو علم — سیکھیں گے سحر سامریٔ چشم یار سے
اے مہر یہ غزل وہ پر اعجاز و گرم ہے — آتش اگر سنے نکل آئے مزار سے

صدمۂ دوری احباب نہ پوچھو کیا ہے — مجھ سے حال دل بیتاب نہ پوچھو کیا ہے
بے قراری ہے غضب آتش دوری سے مجھے — دل ہے یا پارۂ سیماب تو پوچھو کیا ہے
یار ہے صحن چمن ہے لب جو ہے اے مہر — لطف سیر شب مہتاب نہ پوچھو کیا ہے

لطف دل داغ دار دیکھیے کب تک رہے — لالہ و گل کی بہار دیکھیے کب تک رہے

انتخاب دیوان

اصغر شاگرد تسلیم

پھر میں نظر آیا نہ تماشا نظر آیا — جب تو نظر آیا مجھے تنہا نظر آیا
اللہ رے دیوانگیٔ شوق کا عالم — اک رقص میں ہر ذرۂ صحرا نظر آیا
اٹھے عجب انداز سے وہ جوشِ غضب میں — چڑھتا ہوا اک حسن کا دریا نظر آیا
تھا لطف جنوں دیدۂ خونابہ فشاں سے — پھولوں سے بھرا دامنِ صحرا نظر آیا

وہ لذت الم کا جو خوگر سمجھ گئے — اب ظلم مجھ پہ ہے ستم گاہ گاہ کا

عشق ہی سعی مری عشق ہی حاصل میرا — یہی منزل ہے یہی جادۂ منزل میرا
داستاں ان کی اداؤں کی ہے رنگیں لیکن — اس میں کچھ خونِ تمنا بھی ہے شامل میرا
بے نیازی کو تیری کچھ بھی پذیرانہ ہوا — شکر اخلاص مرا شکوۂ باطل میرا

زاہد نے مرا حاصلِ ایماں نہیں دیکھا　　رخ پر تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا
اس طرح زمانہ کبھی ہوتا نہ پر آشوب　　فتنوں نے ترا گوشۂ داماں نہیں دیکھا
کچھ دعوئ تمکیں میں معذور بھی زاہد　　مستی میں تجھے چاک گریباں نہیں دیکھا
شائستہ صحبت کوئی ان میں نہیں اصغر　　کافر نہیں دیکھے کہ مسلماں نہیں دیکھا

رخِ رنگیں پہ موجیں ہیں تبسم ہائے پنہاں کی　　شعاعیں کیا پڑیں رنگت نکھر آئی گلستاں کی
روانی مجھ سے بگڑے دیدہ خونابہ افشاں کی　　اتر آئی ہے اک تصویر دامن پر گلستاں کی
مجھ سے برہم رہتے ہیں مجھی پر ہے عتاب ان کا　　ادائیں چھپ نہیں سکتیں نوازشہائے پنہاں کی

عشووں کی ہے نہ اس نگہ فتنہ زا کی ہے　　ساری خطا مرے دلِ شورش ادا کی ہے
کھلتے ہی پھول باغ میں پژمردہ ہو چلے　　جنبش رگِ بہار میں موجِ فنا کی ہے
ڈوبا ہوا سکوت میں ہے جوشِ آرزو　　اب تو یہی زباں مرے مدعا کی ہے

شعورِ غم نہ ہو فکرِ مآلِ کار نہ ہو　　قیامتیں بھی گزر جائیں ہوشیار نہ ہو
وہ دستِ ناز جو معجز نمائیاں نہ کرے　　لحد کا پھول چراغِ سرِ مزار نہ ہو
ہر اک جگہ تری برقِ نگاہ دوڑ گئی　　غرض یہ ہے کہ کسی چیز کو قرار نہ ہو

ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ اک برقِ بلا ہے　　آنکھوں کا اشارہ ہے کہ سیلابِ فنا ہے
سنتا ہوں بڑے غور سے افسانۂ ہستی　　کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرزِ ادا ہے

یہ بھی فریب سے ہیں کچھ درد عاشقی کے　　ہم مر کے کیا کریں گے کیا کر لیا ہے جی کے
محسوس ہو رہے ہیں بادِ فنا کے جھونکے　　کھلنے لگے ہیں مجھ پر اسرار زندگی کے
بارِ الم اٹھایا رنگِ نشاط دیکھا　　آئے نہیں ہیں یوں ہی انداز بے حسی کے

سب کی بقدر حوصلۂ دل نظر میں ہے   جلوہ تمھارا ذوق طلب کے اثر میں ہے
قید قفس میں طاقت پرواز اب کہاں   رعشہ سا کچھ ضرور ابھی بال و پر میں ہے
تم باخبر ہو چاہنے والوں کے حال سے   سب کی نظر کا راز تمھاری نظر میں ہے

ترے جلووں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھ دی   زبانِ بے نگہ رکھ دی نگاہ بے زباں رکھ دی
مٹی جاتی تھی بلبل جلوۂ گلہائے رنگیں پر   چھپا کر کس نے ان پردوں میں برق آشیاں رکھ دی
قفس کی یاد میں یہ اضطراب دل معاذ اللہ   کہ میں نے توڑ کر ایک ایک شاخ آشیاں رکھ دی

صرف اک سوز تو مجھ میں ہے مگر ساز نہیں   میں فقط درد ہوں جس میں کوئی آواز نہیں
پھر یہ سب شورش و ہنگامۂ عالم کیا ہے   اسی پردے میں اگر حسن جنوں ساز نہیں
آتش جلوۂ محبوب نے سب پھونک دیا   اب کوئی پردہ نہیں پردہ پر انداز نہیں

اسرار عشق ہے دلِ مضطر لیے ہوئے   قطرہ ہے بے قرار سمندر لیے ہوئے
موج نسیم صبح کے قربان جایئے   آئی ہے بوئے زلف معنبر لیے ہوئے
کیا مستیاں چمن میں ہیں جوش بہار سے   ہر شاخ گل ہے ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے
قاتل نگاہ یاس کی زد سے نہ بچ سکا   خنجر تھے ہم بھی اک تہ خنجر لیے ہوئے
پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی   ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لیے ہوئے
نام ان کا آ گیا کہیں ہنگام باز پرس   ہم تھے کہ اڑ گئے صفِ محشر لیے ہوئے
اصغر حریم عشق میں ہستی ہی جرم ہے   رکھنا کبھی نہ پاؤں یہاں سر لیے ہوئے

نہ یہ شیشہ نہ یہ ساغر نہ یہ پیمانہ بنے   جانِ میخانہ تری نرگسِ مستانہ بنے
پرتو رخ کے کرشمے تھے سر راہ گزر   ذرے جو خاک سے اٹھے وہ صنم خانہ بنے
موج صہبا سے بھی بڑھ کر ہوں ہوا کے جھونکے   ابر یوں جھوم کے چھا جائے کہ میخانہ بنے
کارفرما ہے فقط حسن کا نیرنگ کمال   چاہے وہ شمع بنے چاہے وہ پروانہ بنے

خاک پروانے کی برباد نہ کر بادِ صبا　　یہی ممکن ہے کہ کل تک مرا افسانہ بنے
رند جو ظرف اٹھالیں وہی ساغر بن جائے　　جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

گم کردیا ہے دیدنے یوں سربسر مجھے　　ملتی ہے اب انھیں سے کچھ اپنی خبر مجھے
نالوں سے میں نے آگ لگادی جہان میں　　صیاد جانتا تھا فقط مشت پر مجھے
اللہ رے ان کے جلوے کی حیرت فزائیاں　　یہ حال ہے کہ کچھ نہیں آتا نظر مجھے
ایسا کہ بت کدے کا جسے راز ہو سپرد　　اہلِ حرم میں کوئی نہ آیا نظر مجھے

اب بھی ہے وجہ تسکین خاطرِ ناشاد کی　　زندگی میں نے دیارِ حسن میں برباد کی
ہوش پر بجلی گری آنکھیں بھی خیرہ ہوگئیں　　تم تو کیا تھے اک جھلک سی تھی تمھاری یاد کی
دل ہوا مجبور جس دم اشک حسرت بن گیا　　روح جب تڑپی تو صورت بن گئی فریاد کی
تمتما اٹھے وہ عارض میرے عرضِ شوق پر　　حسن جاگ اٹھا ہیں جب عشق نے فریاد کی
شعر میں رنگینیِ جوشِ تخیل چاہیے　　مجھکو اصغر کم ہے عادت نالۂ و فریاد کی

بہت لطیف اشارے تھے چشم ساقی کے　　نہ میں ہوا کبھی بے خود نہ ہوشیار ہوا
مری نگاہوں نے جھک جھک کے کردیے سجدے　　جہاں جہاں سے تقاضائے حسنِ یار ہوا

تو نے یہ اعجاز کیا اے سوزِ پنہاں کردیا　　اس طرح پھونکا کہ آخر جسم کو جاں کردیا
رکھ دیے دیر و حرم سرمارنے کے واسطے　　بندگی کو بے نیازِ کفر و ایماں کردیا
عارضِ نازک پہ ان کے رنگ سا کچھ آگیا　　ان گلوں کو چھیڑ کر ہم نے گلستاں کردیا

نہیں معلوم یہاں دار ورسن ہے کہ نہیں　　خون میں گرمیِ ہنگامۂ منصور ہے آج

آنکھوں میں تیری بزمِ تماشا لیے ہوئے / جنت میں بھی ہوں جنت دنیا لیے ہوئے
پھر دل میں التفات ہوا ان کے جاگزیں / اک طرز خاص رنجش بیجا لیے ہوئے
صوفی کو ہے مشاہدۂ حق کا ادعا / صدہا حجاب دیدۂ بینا لیے ہوئے
تو برق حسن اور تجلی سے یہ گریز / میں خاک اور یہ ذوق تماشا لیے ہوئے
سرمایۂ حیات ہے حرمانِ عاشقی / ہے ساتھ ایک صورت زیبا لیے ہوئے
اصغر ہجوم درد غریبی میں اس کی یاد / آئی ہے اک طلسم تمنا لیے ہوئے

ہے دلِ ناکام عاشق میں تمھاری یاد بھی / یہ بھی کیا گھر ہے کہ ہے برباد بھی آباد بھی
کس کو یہ سمجھایئے نیرنگ کار عاشقی / تھم گئے اشک مسلسل رک گئی فریاد بھی
سینے میں درد محبت راز بن کر رہ گیا / اب وہ حالت ہے کہ کرسکتے نہیں فریاد بھی

ہرجنبش نگاہ تری جان آرزو / موج خرام ناز ہے ایمان آرزو
میں اک چراغ کشتہ ہوں شامِ فراق کا / تو نوبہار صبح گلستان آرزو
اک راز ہے تبسم غمناک ہجر میں / ہے اک طلسم گریۂ خندان آرزو
اب طور پر وہ برق تجلی نہیں رہی / تھرا رہا ہے شعلۂ عریان آرزو
کوثر کی موج تھی تری ہرجنبش خرام / شاداب ہوگیا چمنستان آرزو

جان بلبل کا خزاں میں نہیں پرساں کوئی / اب چمن میں نہ رہا شعلۂ عریاں کوئی
بے محابا ہو اگر حسن تو وہ بات کہاں / چھپ کے جس شان سے ہوتا ہے نمایاں کوئی
کیا مرے حال پہ سچ مچ انھیں غم تھا قاصد / تونے دیکھا تھا ستارہ سرمژگان کوئی
کیا کرے زاہد بیچارہ اسے کیا معلوم / رحم کرتا ہے باندازہ عصیاں کوئی
لطف ہرطرح کا ہے دشت جنوں میں لیکن / پھاڑنے کو نہیں ملتا ہے گریباں کوئی

بیدار ہوا منظر اس مستِ خرامی سے — غنچوں کی کھلیں آنکھیں دامن کی ہوا آئی
اس عارضِ رنگیں پر عالم وہ نگاہوں کا — معلوم یہ ہوتا ہے پھولوں میں صبا آئی
اک شور انا لیلٰی خلقت نے سنا لیکن — پھر نجد کے صحرا سے کوئی نہ صدا آئی

آج پھر حسنِ حقیقت کو نمایاں کردیں — ظلمت کفر کو خالِ رخِ ایماں کردیں
خاک کردیں تپشِ عشق سے ساری ہستی — پھر اسی خاک کو خاکِ درِ جاناں کردیں

لذتِ سجدہ ہائے شوق نہ پوچھ — ہائے وہ اتصال ناز و نیاز

پاتا نہیں جو لذتِ آہِ شرر کو میں — پھر کیا کروں گا لے کے الٰہی اثر کو میں
جینا بھی آگیا مجھے مرنا بھی آگیا — پہچاننے لگا ہوں تمھاری نظر کو میں
آہوں نے میری خرمنِ ہستی جلادیا — کیا منہ دکھاؤں گا تری برقِ نظر کو میں
باقی نہیں جو لذتِ بیداریٔ فنا — پھر کیا کروں گا زندگیٔ بے اثر کو میں
اصغر مجھے جنون نہیں لیکن یہ حال ہے — گھبرا رہا ہوں دیکھ کے دیوار و در کو میں

کیا کہیے جاں نوازیٔ پیکانِ یار کو — سیراب کردیا دلِ منت گزار کو
ہر ذرہ آئینہ ہے کسی کے جمال کا — یوں ہی نہ چاہیے مرے مشتِ غبار کو
ہاں اے نگارِ خوبی وائے جانِ دلبری — تو نے حیات بخشی ہے صبحِ بہار کو
تھی بوئے دوست موجِ نسیمِ سحر کے ساتھ — یہ اور لے اڑی مرے مشتِ غبار کو
کچھ اور ہی قضا دلِ بے مدعا کی ہے — دیکھا ہے روزِ وصل و شبِ انتظار کو
اصغر نشاطِ روح کا اک کھل گیا چمن — جنبش ہوئی جو خامۂ رنگیں نگار کو

یوں نہ مایوس ہو اے شورشِ ناکام ابھی — میری رگ رگ میں ہے اک آتشِ بے نام ابھی
علم و حکمت کی تمنا ہے نہ کونین کا غم — میرے شیشے میں ہے باقی مئے گلفام ابھی

سب مزے کردیے خورشید قیامت نے خراب — میری آنکھوں میں تھا اک روئے دلارام ابھی
بلبلِ زار سے گو صحن چمن چھوٹ گیا — اس کے سینے میں ہے اک شعلۂ گلفام ابھی

ازل میں کچھ جھلک پائی تھی اس آشوب عالم کی — ابھی تک ذرہ ذرہ پر ہے حالت رقص پیہم کی
نظام دہر تک بیتابیوں کے کچھ مظاہر ہیں — گداز عشق گویا روح ہے ارکان عالم کی
شعاع مہر خود بیتاب ہے جذب محبت سے — حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پرواز شبنم کی
غزل کیا ایک شرار معنوی گردش میں ہے اصغر — یہاں افسوس گنجائش نہیں فریاد و ماتم کی

ہم ایک بار جلوۂ جانانہ دیکھتے — پھر کعبہ دیکھتے نہ صنم خانہ دیکھتے
اک شعلہ اور شمع سے بڑھ کر ہے رقص میں — تم پھاڑ کر تو سینۂ پروانہ دیکھتے
رندوں کو صرف نشۂ بے رنگ سے غرض — یہ شیشہ دیکھتے ہیں نہ پیمانہ دیکھتے
بکھری ہوئی ہو زلف بھی اس چشم مست پر — ہلکا سا ابر بھی سر میخانہ دیکھتے

شاید کہ پیام آیا پھر وادیٔ سینا سے — شعلے سے لپکتے ہیں کچھ کسوت مینا سے
مجھ کو وہی کافی ہے ساقی ترے مینا سے — جو کھنچ کے چلی آئی خود جذب تمنا سے
اسرار حقیقت کو اک ایک سے پوچھا ہے — ہر نغمۂ رنگیں سے ہر شاہد زیبا سے
میخانے کی یہ صحبت اے شیخ غنیمت ہے — لے کچھ لب ساغر سے کچھ سینۂ مینا سے
رہ رہ کے چمکتی ہے وہ برق تبسم بھی — لہریں سی جو اٹھتی ہیں کچھ چشم تمنا سے
انوار کی ریزش ہو اسرار کی بارش ہو — ساغر کو جو ٹکرادوں اس گنبد مینا سے
اشعار پہ اصغر کے ہے رقص رگ جاں میں — اک موج نسیم آئی کیا باغ معلّیٰ سے

فتنۂ دہر مٹ گیا حشر اٹھا اٹھ چکا — ختم مگر نہ ہوسکا مرحلہ دراز عشق

گزر گئی ترے مستوں پہ وہ بھی تیرہ شبی
نہ کہکشاں نہ ثریا نہ خوشہ عنبی
فروغ حسن سے تیرے چمک گئی ہر شے
ادائے رسم ہلالی و طرز بولہبی
ہجوم غم میں نہیں کوئی تیرہ بختوں کا
کہاں ہے آج تو اے آفتاب نیم شبی
وہیں سے عشق نے بھی شورشیں اڑائی ہیں
جہاں سے تونے لیے خندہ ہائے زیر لبی

صحن حرم نہیں ہے یہ کوئے بتاں نہیں
اب کچھ نہ پوچھیے میں کہاں ہوں کہاں نہیں
مجھ میں نوائے عیش کی رنگینیاں نہیں
سوز خروش عشق ہوں ساز بیاں نہیں
مدت ہوئی کہ چشم تحیر کو ہے سکوت
اب جنبش نظر میں کوئی داستاں نہیں
سارا حصول عشق کی ناکامیوں میں ہے
جو عمر رائیگاں ہے وہی رائیگاں نہیں
ہوتا ہے راز عشق و محبت انہیں سے فاش
آنکھیں زباں نہیں ہیں مگر بے زباں نہیں
اب اس نگاہ ناز سے ربط لطیف ہے
مجھ کو دماغ صحبت روحانیاں نہیں

کیا فیض بخشیاں ہیں رخ بے نقاب کی
ذروں میں روح دوڑ گئی آفتاب کی
مجھ کو خبر رہی نہ رخ بے نقاب کی
ہیں خود نمود حسن میں شانیں حجاب کی
نقش قدم یہ ہیں اسی جان بہار کے
اک پنکھڑی پڑی ہے لحد پر گلاب کی
موسیٰ ظہور برق تجلی سے غش ہوئے
مجھ کو تو مار ڈالتی شوخی جواب کی
حل کرلیا مجاز و حقیقت کے راز کو
پائی ہے میں نے خواب میں تعبیر خواب کی
کچھ ان کی شوخیوں سے مجھے وہم ہو چلا
دیکھوں تو قلب پھاڑ کے شکل اضطراب کی
پیری میں عقل آئی تو سمجھے کہ خوب تھی
ڈوبی ہوئی نشاط میں غفلت شباب کی

نہ ہوگا جستی بے مدعا کا راز داں برسوں
وہ زاہد جو رہا سرگشتۂ سود و زیاں برسوں
ابھی مجھ سے سبق لے محفل روحانیاں برسوں
رہا ہوں میں شریک حلقۂ پیر مغاں برسوں
جبین شوق لائی ہے وہاں سے داغ ناکامی
یہ کیا کرتی رہی کمبخت ننگ آستاں برسوں
خروش آرزو ہو نغمۂ خاموش الفت میں
یہ کیا اک شیوۂ فرسودۂ آہ و فغاں برسوں

نہ کی کچھ لذتِ افتادگی میں انتہا میں نے ۔۔۔ مجھے دیکھا کیا اٹھ کر غبارِ کارواں برسوں
وہاں کیا ہے نگاہِ ناز کی ہلکی سی جنبش ہے ۔۔۔ مزے لے لے کے اب تڑپا کریں اربابِ جاں برسوں
محبت ابتدا سے تھی مجھے گلہائے رنگیں سے ۔۔۔ رہا ہوں آشیاں میں لے کے برقِ آشیاں برسوں
غزل میں دردِ رنگیں تو نے اصغر بھر دیا ایسا ۔۔۔ کہ اس میدان میں روتے رہیں گے نوحہ خواں برسوں

یہ عشق نے دیکھا ہے یہ عقل سے پنہاں ہے ۔۔۔ قطرہ میں سمندر ہے ذرہ میں بیاباں ہے
پھر گرمِ نوازش ہے ضو مہرِ درخشاں کی ۔۔۔ پھر قطرۂ شبنم میں ہنگامۂ طوفاں ہے
سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا ۔۔۔ جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے
یہ حسن کی موجیں ہیں یا جوشِ تبسم ہے ۔۔۔ اس شوخ کے ہونٹوں پر اک برق سی لرزاں ہے
ہم صاحبِ تمکیں ہے افسانۂ محفل میں ۔۔۔ مجنوں کو بھی لیکن پیغامِ بیاباں ہے
ہیچ حسنِ یقیں سے ظاہر ہو کہ باطن ہو ۔۔۔ یہ قید نظر کی ہے وہ فکر کا زنداں ہے
اک ایک نفس میں ہے صد مرگِ بلا مضمر ۔۔۔ جینا ہے بہت مشکل مرنا بہت آساں ہے
وہ نغمۂ رنگیں سب میں بھول گیا اصغر ۔۔۔ اب گریۂ خونیں میں روداد گلستاں ہے

جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے ۔۔۔ پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے
لو شمعِ حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے ۔۔۔ فانوس کی گردش سے کیا کیا نظر آتا ہے
اے پردہ نشیں ضد ہے کیا چشمِ تمنا کو ۔۔۔ تو دفترِ گل میں بھی رسوا نظر آتا ہے
تھی فردِ عمل اصغر کیا دستِ مشیت میں ۔۔۔ ایک ایک ورق اس کا سادا نظر آتا ہے

جانِ نشاط، حسن کی دنیا کہیں جسے ۔۔۔ جنت ہے ایک، خونِ تمنا کہیں جسے
میں ہوں ازل سے گرمِ روِ عرصۂ وجود ۔۔۔ میرا ہی کچھ غبار ہے دنیا کہیں جسے
سرمستیوں میں شیشۂ مے لے کے ہاتھ میں ۔۔۔ اتنا اچھال دیں کہ ثریا کہیں جسے
شاید مرے سوا کوئی اس کو سمجھ سکے ۔۔۔ وہ ربطِ خاص رنجشِ بیجا کہیں جسے

میری فغانِ درد پہ اس سرو ناز کو　　ایسا سکوت ہے کہ تقاضا کہیں جسے
اصغر نہ کھولنا کسی حکمت مآب پر　　رازِ حیات، ساغر و مینا کہیں جسے

عشق ہے اک کیفیت پنہانی مگر رنجور ہے　　حسن بے پروا نہیں ہوتا مگر دستور ہے
خستگی نے کر دیا اس کو رگِ جاں سے قریب　　جستجو ظالم کہے جاتی تھی منزل دور ہے
لے اسی ظلمت کدہ میں اس سے محرومی کی داد　　اس سے آگے اے دلِ مضطر حجابِ نور ہے
آنکھ ہو جب محوِ حیرت تو نمایاں ہے وہی　　فکر ہو جب کار فرما تو وہی مستور ہے
دیکھتا ہوں میں کہ ہے بحرِ حقیقت جوش پر　　جو حباب اٹھ اٹھ کے مٹتا ہے سرِ منصور ہے

بسترِ خاک پہ بیٹھا ہوں نہ مستی ہے نہ ہوش　　ذرے سب ساکت و صامت ہیں ستارے خاموش
ترجمانی کی مجھے آج اجازت دے دے　　شجرِ طور ہے ساکت لبِ منصور خموش

حقیقت ایک ہے صدہا لباس رنگیں میں　　نظر بھی چاہیے کچھ حسن رہ گزر کے لیے
بجائے درد و الم درد و غم کی لذت ہے　　وہ ننگِ عشق ہے جو آہ ہو اثر کے لیے
بتوں کے حسن میں بھی شان ہے خدائی کی　　ہزار عذر ہیں اک لذتِ نظر کے لیے

سر سے پا تک مری ہستی گرم سوز و ساز ہے　　جلوۂ حسنِ بتاں اک غیب کی آواز ہے
دوست اے بیتابیٔ دل ہے رگِ جاں سے قریب　　دور جو کچھ ہے خود اپنا جلوۂ پرواز ہے
عشق تبسم کہ یہ رازِ جہاں کی کائنات　　عقل سرگرداں کہ ہر ذرہ جہانِ راز ہے

یہ کیا کہا کہ غمِ عشق ناگوار ہوا　　مجھے تو جرعۂ تلخ اور سازگار ہوا

اصغر سے ملے لیکن اصغر کو نہیں دیکھا　　اشعار میں سنتے ہیں کچھ کچھ وہ نمایاں ہے
دیر و حرم بھی منزلِ جاناں میں آئے تھے　　پر شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

انتخاب دیوان

کلیات عرش گیاوی شاگرد تسلیم

ظاہر وہاں بھی جلوہ ہے رب جلیل کا   پہنچے خیال تک نہ جہاں جبرئیل کا
موسیٰ کی طرح میری دعاؤں کو راہ دے   گردوں بھی ایک پاٹ ہے دریائے نیل کا
اس وقت جس مقام میں ہے پیکِ فکرِ عرش   ممکن نہیں وہاں ہو گزر جبرئیل کا

میں کشتہ ہوں ترے عشق کمر کا   کفن کو سایہ ہو عنقا کے پر کا
بنی ہیں پتلیاں گرداب دریا   نہ پوچھو حال میری چشم تر کا
شب غم سر پٹکتی ہیں دعائیں   پتا کوسوں نہیں ملتا اثر کا
ستم ڈھاتی ہے تیری یہ نزاکت   کہ ہے مبہم کمر حلقہ کمر کا
یہ فیض حضرت تسلیم ہے عرش   کہ شہرہ آج ہے مجھ بے ہنر کا

دھواں آہ کا کیا عیاں ہوگیا   کہ تاریک سارا جہاں ہوگیا
بسنتی دوپٹے کی تھی یہ ہوا   چمن تختۂ زعفراں ہوگیا
خدارا ہو بیدار اب بھی کہ عرش   روانہ ترا کارواں ہوگیا

کیا نظر آتا ہے مجھے عالم تری تنویر کا   نور آنکھوں کو ملا تھا دیدۂ تصویر کا
مے سے چلو بھر دے ساقی جام کا کیا انتظار   ابر آیا جھوم کر موقع نہیں تاخیر کا
مجھ کو یہ ہٹ ہے کہ اب تدبیر سے تنگ آگیا   ان کو یہ ضد ہے کہ میں قائل نہیں تقدیر کا
تشنہ کامی کا ہے رونا سخت جانوں میں پڑا   ایک دن گھٹ کر نکل جائے گا دم شمشیر کا
آرزو تھی کربلا میں دفن ہوتے عرش ہم   دیکھتے مرکر ہی روضہ حضرت شبیر کا

ہے بدن لاغر یہ تیرے عاشق دل گیر کا   جب لگا دیوار سے دھوکا ہوا تصویر کا
مطلب دل آشکارا ہے مرے رونے سے بھی   پھول ہے ہر اشک اپنا گلشن تقریر کا
مر کے بھی ہے اس کے ابرو کا تصور قبر میں   دم بھرا کرتا ہے ہر تار کفن شمشیر کا
لاکھ روکا دل کو وحشت نے نہ دم لینے دیا   رہ گیا احسان سر پر خار دامن گیر کا
عرش ارباب وطن کا زندگی میں کیا گلا   امیر کو بھی ناموافق تھا زمانہ میر کا

دے کے دم مجھ سخت جاں کو تو نے بے جاں کردیا   واہ کس خوبی سے اس مشکل کو آساں کردیا
جسم پر میرے جراحت کی بدل دیں صورتیں   اس نے زخموں کو نمک بھر کر نمکداں کردیا
دل میں بلبل کے محبت بھی اسی نے ڈال دی   جس نے باغ دہر میں گل کو نمایاں کردیا

ہے داغ الم دل میں پھپھولا نظر آیا   اس نخل میں پھول آنے سے پہلے ثمر آیا
جب عالم ایجاد کا عالم نظر آیا   چونکا کہ خدایا میں کہاں تھا کدھر آیا
کچھ اور ہی نقشہ عدم آباد کا دیکھا   ایک اور ہی عالم تہ مدفن نظر آیا
اک چھیڑ نکالی وہیں پیکان ستم نے   کچھ دیر کو بھی دل کا جہاں ٔ رہا

جی ہی تو ہے اپنا جسے چاہا اسے چاہا — دل ہی تو ہے ظالم جدھر آیا ادھر آیا
تسلیم کی تصویر ابھی ڈاک میں آئی — صد شکر کہ استاد کا جلوہ نظر آیا

سر کٹ گیا اس بزم میں شمع سحری کا — پروانوں نے سامان نہ کیا نوحہ گری کا
جب ہوش ہوئے حس ، ہوئی ہر رنج و خوشی کی — معصوموں کو ہوتا نہیں غم بے پدری کا
دل کی ہے خبر مجھ کو نہ ہے آج جگر کی — عالم تو ذرا دیکھ مری بے صبری کا
اللہ رے میری شب ہجراں کی اداسی — مہتاب ہے اک پھول چراغ سحری کا
ہر گل کی ترے باغ میں پوشاک ہے خوش رنگ — جامہ ہے فقیرانہ مگر مولسری کا

مجھ ناتواں کے واسطے سنگ مزار تھا — وہ پھول جس پہ قطرۂ شبنم بھی بار تھا
گردن کٹا کے عشق میں سیکھی شناوری — یعنی میں دو ہی ہاتھ میں دریا کے پار تھا
سرسر جہاں تھی خاک بسر تھی وہ میری قبر — تم جس پہ رو رہے تھے وہ کس کا مزار تھا
ہر شاخ بید کرتی تھی جھک جھک کے بندگی — صحرا میں وحشیوں کا ترے یہ وقار تھا
کیا اگلی صحبتوں کو زمانے کے روئیں ہم — اس وقت بھی یہاں کا یہی کاروبار تھا

مصیبت زدوں نے بہت سچ کہا — برے وقت کا کون ہے آشنا

میں پہچانتا ہوں تمہیں شیخ جی — بڑے پاک باطن بڑے پارسا

سنی اس نے میری مگر کیا سنی — کہا میں نے سب کچھ مگر کیا کہا

تو نے برہم کیا ہے کام مرا — بے خودی اب تو لے سلام میرا
کب شب غم ہوئی تمام اپنی — کر چکی کام جب تمام مرا
صورت شمع جل بجھا آخر — دیکھ انجام و اختتام مرا

ہجر کی شب ہے اور کون اپنا — دوست ہے اک چراغ شام مرا
عرش کیونکر نہ قدر قیس کروں — عاشقی میں تھا وہ امام مرا

ہمارے جامۂ ہستی کو اک دن چاک ہونا تھا — ہوئے تھے خاک سے پیدا ہمیں پھر خاک ہونا تھا
ترے غمزے تری شرمیلی آنکھوں سے یہ کہتے ہیں — تمھیں جلاد ہونا تھا تمھیں سفاک ہونا تھا
شب وصلت نہ اٹھتا بیچ سے کیوں شرم کا پردا — ہمیں کھل کھیلنا تھا آپ کو بیباک ہونا تھا
مرے ہی واسطے دل کی تھیں نوک جھونکیاں دشمن — مجھی کو سرمہ پس پس کرتے افلاک ہونا تھا
جلال الدین احمد کیوں نہ جاتا عرش دنیا سے — مجھے مرگ پسر میں مرتے دم غمناک ہونا تھا

بتائے عالم فانی ہے اے انسان مرجانا — یہ وہ دریا ہے جس میں ڈوبنا ہے پار اتر جانا
وہی پھولا پھلا ہے اے ندیم اس باغ عالم میں — نہال آرزو کو جس نے نخل بے ثمر جانا
نہ کی پرواذرا، وہ بڑھ گئے میں رہ گیا پیچھے — مجھے بھی قافلے والوں نے کیا گرد سفر جانا
کھلے کب در قفس کے ضعف سے جب اڑ نہیں سکتے — کیا صیاد نے کب رحم جب بے بال و پر جانا
گیا میں عرش مٹنا ہے مری موہوم ہستی کا — یکا یک دوستوں میں تلخی عشرت کا مرجانا

انقلاب دہر نے عالم میں کیا کیا کردیا — دشت کو دریا کیا دریا کو صحرا کردیا
شیخ کے کہنے سے مسجد کو کیا کیوں سرفراز — تو نے او بت آج کعبے کو کلیسا کردیا
چاہیے تم کو بری صحبت سے ہر دم احتیاط — گرد نے دامان گل کا رنگ میلا کردیا
طے فنا فی اللہ کی منزل ہوئی اک جام میں — کس قدر آسان ساقی نے یہ رستہ کردیا
دیکھ لینا کل کہے گی خلقت مردہ پسند — عرش نے اُردو کو اردوئے معلی کردیا

اقربا روئیں نہ کیوں میری پریشانی پر — بحر غم میں ہوں رواں کشتی طوفانی پر
جس طرح جلتے ہیں محراب میں کعبے کے چراغ — تری افشاں ہے درخشاں یونہیں پیشانی پر
صورتیں کل جو نظر آتی تھیں دیکھو نہ رہیں — بھولے بیٹھے ہو عبث زندگی فانی پر

آدمی بحر جہاں میں ہیں فقط نام کو یوں — بھوپڑے جیسے حبابوں کے رہیں پانی پہ
دیکھیں نبھتی ہے نسیم سحری سے کیسی — شمع پھولی ہوئی ہے اپنی گل افشانی پہ
ہے وہ تسلیم کے شاگردوں میں ہم رنگ مرا — فخر کیوں کر نہ کروں حسرت موہانی پہ
عرش ان روزوں میں ہوں اشک کے سیلاب میں یوں — ناؤ کاغذ کی ہو جس طرح رواں پانی پہ

بری طرح سے دل آیا ہے اس ستم گر پہ — لکیر وہ نہیں مٹتی کھنچے جو پتھر پہ
بھنور نے گھیرلیا ہے ہماری کشتی کو — سب انتظار میں ہیں ساحل سمندر پہ
بہار کیسی ہے میرے لہو کی بوندوں کی — نگینے لعل کے دیکھو جڑے ہیں خنجر پہ
سفید ریش نہ ہوگی سیاہ پھر زاہد — کہ دھوپ اترتی نہیں ہے یہ چڑھ کے چھپر پہ
کبھی ہے موج کا کھٹکا کبھی بھنور کی خلش — ہزاروں آفتیں ہیں ایک حباب کے سر پہ

جہاں عرش جاتے ہو کپڑے بدل کر — کہیں رہ نہ جائے وہیں دل مچل کر
کسی کی وہ صحرا میں ٹوٹی سی تربت — ذرا دیکھ لیں ایک دن آپ چل کر
ہے منظور دل عشق کی پردہ پوشی — نہ آنکھوں سے آئیں گے آنسو نکل کر
ضعیفی میں کیوں پشت خم ہو نہ اپنی — کہ یہ شاخ اب جھک گئی پھول پھل کر
مگر حکم تسلیم سے عرش تم نے — غزل خوب لکھی ہے پہلو بدل کر

ستم ڈھاتا ہے کیوں مجھ سخت جاں پہ — پڑا رہنے دے سنگ آستاں پہ
ہماری آہِ سوزاں کے شرارے — ستارے بن گئے ہیں آسماں پہ
میں اک تصویرِ دیوار مکاں ہوں — خموشی میں بھی مطلب ہے زباں پہ
نہیں باقی نشانِ قیصر و جم — مٹے جاتے ہو کیوں نام و نشاں پہ
چلو دو گھونٹ پی لو تم بھی اے عرش — ہے اک میلا درِ پیر مغاں پہ

لوٹ کر عمر بسر کرتے ہیں انگاروں پر
یہ گزرتی ہے تپ ہجر میں بیماروں پر

کردیا موت نے شاہان سلف کو محتاج
فاتحہ تک نہیں پڑھتا کوئی بیچاروں پر

دشت میں قیس بھی اے عرش نہ پہچان سکا
تھا بگولوں کا گماں ہم وطن آواروں پر

پھر مری وحشت بڑھی وحشت کے ساماں دیکھ کر
دشت میں مجنوں کو ہر سو پابجولاں دیکھ کر

اس کے در تک کس طرح جاتے کہ مانع تھا جواب
دور ہی سے رہ گئے ہم سوئے درباں دیکھ کر

جان پروانوں نے دی دھن دھن کے سر محفل میں رات
پردۂ فانوس میں شعلے کو لرزاں دیکھ کر

غسل کو کیا کیا تڑپتے تھے شہیدان وفا
قتل گہ میں خنجر قاتل کا طوفاں دیکھ کر

سیکڑوں اہل تماشا چاک داماں ہوگئے
پردۂ تصویر میں مجنوں کو عریاں دیکھ کر

باغ میں سر پیٹتی تھی بلبل بے بال و پر
کاروان بوئے گل کو پابجولاں دیکھ کر

اس زمیں میں اور بھی کچھ گل کھلاتا عرش میں
دم بخود ہوں روئے شمشاد و خنداں دیکھ کر

رونق باغ جہاں تسلیم ہیں
بلبل ہندوستاں تسلیم ہیں

تھے جو بحر و ناسخ و رشک و منیر
ایک ان کے ہم زباں تسلیم ہیں

ہے زباں پر آج اہل ہند کی
بادشاہ شاعراں تسلیم ہیں

ہند میں فخر نسیم دہلوی
آج مشہور جہاں تسلیم ہیں

لکھ دو مومن کے مزار پاک پر
آپ کے نام و نشاں تسلیم ہیں

موت پر انسان کی دم بھر نظر ہوتی نہیں
سب کی ہوتی ہے خبر اپنی خبر ہوتی نہیں

کوئی باعث ہے نہیں تھمتے جو آنسو شمع کے
دیتے ہیں تسکیں پروانے مگر ہوتی نہیں

دامن روح رواں ہے اس قدر کیوں پاک صاف
کیا عدم کی راہ میں گرد سفر ہوتی نہیں

منزل آسودگان خاک ہے غفلت اثر
شمع کے بھی رونے دھونے کی خبر ہوتی نہیں

آئی بالوں میں سفیدی عرش کر فکر کفن
یہ سحر وہ ہے کہ جس کی دوپہر ہوتی نہیں

طاقت نہیں ہے نام کو اب جسم زار میں ۔۔۔ الجھے ہوئے پڑے ہیں ہم اشکوں کے تار میں
ان پر ہو خاک گریۂ خورشید کا اثر ۔۔۔ جو رہ چکے ہیں سایۂ دیوار یار میں
ذلت بھی کوئے عشق کی مشہور دہر ہے ۔۔۔ ہاں عرش دیکھ فرق نہ آئے وقار میں

صبح پیری خاک میں سوز بیاں پیدا کروں ۔۔۔ شمع کشتہ ہوں کہاں سے گرمیاں پیدا کروں
میں جو سوز نالۂ آتش فشاں پیدا کروں ۔۔۔ دونوں عالم ہوں اندھیرے وہ دھواں پیدا کروں
صرف ہستی کر رہا ہوں وصل کی امید پر ۔۔۔ بے نشاں ہولوں تو میں نام و نشاں پیدا کروں
ہو اگر اس نوجواں کی پھر مجھے صحبت نصیب ۔۔۔ جوش کچھ پیدا کروں کچھ گرمیاں پیدا کروں
صورتیں آنکھوں میں جو تھیں مرتوں کی مٹ گئیں ۔۔۔ عرش ان کا کس طرح نام و نشاں پیدا کروں

جان چھوٹے الجھنوں سے اپنی یہ قسمت نہیں ۔۔۔ موت بھی آئے تو مرنے کی مجھے فرصت نہیں
اس نے لکھا خط میں یہ شکوہ نہ کرنا جور کا ۔۔۔ ہم نے لکھ بھیجا ہے اتنا اپنی یہ عادت نہیں
بستر راحت فقط انسان کو ہے اعمال خیر ۔۔۔ فرش مخمل بھی لحد میں ہو تو کچھ راحت نہیں

اب تو مرنے کی شب و روز دعا کرتے ہیں ۔۔۔ درد دل کی ترے بیمار دوا کرتے ہیں
اک ذرا دیکھیے میرے دل بیمار کی نبض ۔۔۔ سنتے ہیں آپ مسیحا ہیں دوا کرتے ہیں
ان پہ کیا تابش خورشید قیامت کا اثر ۔۔۔ جو ترے سایۂ رحمت میں رہا کرتے ہیں
بعد مدت کے وہ آمادہ پئے قتل ہوئے ۔۔۔ آج ہم سجدۂ شکرانہ ادا کرتے ہیں
کوئی ایمان نہ لائے تو کریں کیا اے عرش ۔۔۔ شعر ہم رنگ میں مومن کے کہا کرتے ہیں

شکوۂ آتش غم سن کے وہ جل جاتے ہیں ۔۔۔ موم ہیں آگ کی گرمی سے پگھل جاتے ہیں
آپ اقرار سے کیوں اپنے بدل جاتے ہیں ۔۔۔ قاعدہ ہے کہ شجر پھول کے پھل جاتے ہیں
دوست دشمن کی نہیں قید ہمیں شمع کی طرح ۔۔۔ تم تو تم غیر جلاتا ہے تو جل جاتے ہیں

تیری افشاں کے تصور میں نہیں دن کو قرار — شام جب ہوتی ہے تاروں سے بہل جاتے ہیں
قدرِ تسلیم ہے اے عرش یہاں تک دل میں — بہر اصلاح وہاں لے کے غزل جاتے ہیں

یوں صفحۂ دنیا پہ تو انسان بہت ہیں — انسان مگر چند ہیں حیوان بہت ہیں
ہے ختم نہ سنبل پہ نہ کچھ نکہتِ گل پر — اس زلف پریشاں کے پریشان بہت ہیں
حجت کی نکیرین کہاں قبر میں طاقت — آئے ہیں تھکے ماندے پریشان بہت ہیں
مقصود جو عبرت ہو تو دلی کا سفر کر — اجڑے ہوئے ٹوٹے ہوئے ایوان بہت ہیں
کلکتے چلیں عرش کہ ہر رنگ ہے وحشت — دیوانگیٔ دل سے پریشان بہت ہیں

حباب چرخ یوں ہے موج اشک دیدۂ تر میں — بھنور میں پڑ کے کشتی جیسے آ جاتی ہے چکر میں
میں کہتا ہوں ابھی ہو فیصلہ ظلم و محبت کا — وہ کہتے ہیں کہ دیکھا جائے گا میدانِ محشر میں

لاغری نے میری یہ بخشی تن آسانی مجھے — خانہ سوزن ہوا ایوان سلطانی مجھے
پھر ہوا پیدا خیال لذت سودائے عشق — بخش دے او زلف برہم پھر پریشانی مجھے
چپ ہوں غنچہ کی طرح گویا ہوں نکہت کی طرح — میری خاموشی نے بخشی ہے سخندانی مجھے
کہہ رہی ہے یوں فراق یار میں ہر آرزو — خضر نے بخشی ہے اپنی عمر طولانی مجھے
نوحہ دل عشق میں اے عرش پڑھ سوسن کی طرح — ہے بہت مرغوب تری مرثیہ خوانی مجھے

گا ہے ادھر کی فکر ہے گا ہے ادھر کی ہے — ہے غرض خراب جہاں میں بشر کی ہے
گلگیر کا خطر تو پتنگوں کی ہے خلش — آفت میں جان شام سے شمع سحر کی ہے
اے عرش آؤ خاک میں دلی کی سو رہیں — مٹ کر بھی خواب گاہ یہ اہل ہنر کی ہے

رقیبوں کو انھیں بازی گردوں کے گھر سے ہار آئے — جہاں ہم جا کے اپنا نقدِ دل تک آج ہار آئے
وہاں پھینکا ہے اس ظالم اجل نے بے زبانوں کو — جہاں سے کوئی خط آئے خبر آئے نہ تار آئے

یہ مینہ یہ ابر، یہ ٹھنڈی ہوا، اس پر فراق ان کا　　قرار آئے اگر دل کو تو بجلی تو قرار آئے
نسیم صبح کے پردے میں کوئی گدگداتا ہے　　ہنسی پھولوں کو گلشن میں نہ کیوں بے اختیار آئے
خدا نے بزم دشمن میں ہماری آبر ـــ ا　　وہاں کا معرکہ بھی عرش جا کر ہم تو مار آئے

ہر رہرو عدم کی ہے ہمت بڑھی ہوئی　　آنکھیں ہیں بند پھر بھی کمر ہے کسی ہوئی
اللہ رے انتظار شب وعدہ شام سے　　ہے لو لگائے شمع سحر تک کھڑی ہوئی
انفاس پر ثبات حیات دو روزہ ہے　　کشتی ہے زندگی کی ہوا پر تھمی ہوئی
تیرے شہید ناز پہ رنگیں مزاج ہیں　　زخموں کی بدھیاں ہیں گلے میں پڑی ہوئی
تسلیم لکھنوی کا تصدق ہے صرف عرش　　مقبول اہل فن جو مری شاعری ہوئی

گھیرے ہوئے کشتی کو ہے طوفاں بھی بھنور بھی　　حاصل ہے مجھے گھر بھی یہاں لطف سفر بھی
تم قبر پر آئے ہو مری پھول چڑھانے　　مجھ پر ہے گراں سایۂ برگ گل تر بھی
پروانے گرے پڑتے تھے اس بزم میں لاکھوں　　سرد ہنسی تھی حسرت سے کھڑی شمع سحر بھی
تھا بعد فنا بھی یہ غضب ضعف کا عالم　　پہنچی نہ وہاں تک مرے مرنے کی خبر بھی
منزل عدم آباد کی دشوار ہے اے عرش　　لازم ہے مسافر کے لیے زاد سفر بھی

زندہ رہتا ہوں تو سب کہتے ہیں سودائی ہے　　جان دیتا ہوں تو اس میں تری رسوائی ہے

نمایاں شان وحدت ہی میں کثرت کا تماشا ہے　　بشر ظاہر میں گو قطرہ ہے لیکن ایک دریا ہے
جو حسرت ہے کوئی دل میں تو ہے دیدار کی حسرت　　تمنا ہے کوئی باقی تو مرنے کی تمنا ہے
ہوئیں جب بند آنکھیں کھل گیا ہر راز پنہائی　　اندھیرے میں اجالا ہے اجالے میں اندھیرا ہے

اس کو کس بیدرد نے مارا کہاں مارا گیا　　کہتے ہیں سب عرش نام اک نوجواں مارا گیا
خاک اڑاتے ہیں بگولے خون روتی ہے شفق　　ہائے پھر کیا کوئی زیر آسماں مارا گیا
خواب کا باعث قسیم کا قتل جاناں ہوئی　　جرم غفلت پر مگر اک پاسباں مارا گیا

مرض عشق کا دور ہو دور ہے　　کریں کیا خدا ہی کو منظور ہے
خبر میرے مرنے کی سن کر کہا　　یہ دنیائے فانی کا دستور ہے

آرام ترے کوچے میں زنہار نہ پایا　　ڈھونڈھا تو کہیں سایۂ دیوار نہ پایا

اے مرگ اب تو جو ہو تیرے ہی ہو رہیں گے　　کچھ کھا کے دیکھ لینا اک روز سو رہیں گے

نہ جلسہ رہا بادۂ ناب کا　　نہ مجمع رہا یار و احباب کا
نہ بس میں جگر ہے نہ قابو میں دل　　ہے بے چین جوڑا یہ سرخاب کا
وہ سوئے ہوئے ہیں مگر بام پر　　کہ پرنور چہرہ ہے مہتاب کا
جوانی میں اے عرش کیوں جان دی　　سرشام موقع نہ تھا خواب کا

بسکہ دشوار ہے اس گریہ میں جینا اپنا　　ڈوب جائے نہ کہیں آج سفینہ اپنا

اہل حاجت سیکڑوں حاجت روائی کر گئے　　یہ وہ عالم ہے جہاں بندے خدائی کر گئے

ہے سودا خاک اڑانے کا فغاں کو　　زمیں سمجھے ہوئے ہے آسماں کو
سوال وصل پر کیوں کاٹیے سر　　قلم کر ڈالیے میری زباں کو
عدم والوں سے پوچھوں گا کہ شاید　　کہیں دیکھا ہو میرے کارواں کو

آرزو یہ تھی کہ ہم عرض تمنا کرتے　　صلح ہونے کے لیے یار سے جھگڑا کرتے

انتخاب دیوان

ہادی مچھلی شہری

یوں تو اے جلوۂ برہم میں خطا کار نہ تھا
سچ تو یہ ہے مرے پہلو میں دل زار نہ تھا

زحمت عشق کو اللہ سلامت رکھے
ایک لمحہ بھی مری عمر کا بیکار نہ تھا

خواب غفلت کے سوا اٹھا نہ کچھ احساس وجود
کھول کر آنکھ جو دیکھا تو میں بیدار نہ تھا

عشق میں کس سے تسلی کی توقع رکھتا
مختصر یہ ہے کوئی دل کا طرفدار نہ تھا

تنگ ہستی اسے کس طرح نہ سمجھوں ہادی
کوئی جس ٹوٹے ہوئے دل کا خریدار نہ تھا

دل کی ہر کروٹ سے پیدا اک نیا آزار تھا
ساری دنیا سے نرالا عشق کا بیمار تھا

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی اذیت کی کشش
تیر جو اس نے لیا چٹکی میں دل کے پار تھا

ان کے سب تیروں کی کب تھیں ایک ہی سی ہمتیں
کوئی دل میں رہ گیا تھا کوئی دل کے پار تھا

ہوگیا موقوف جب مجھ پر تو راحت بن گیا
غم تھا غم جس وقت تک باشرکت اغیار تھا

رشک کے قابل تھی ہادی رونق بزم حیات
دل کے ہر گوشے میں اک تیر نگاہ یار تھا

الٰہی خیر ہمت لے رہی ہے امتحاں میرا
یہ دل کی بے قراری اور یہ دستِ ناتواں میرا

دلِ مجروں کا دیکھیں حشر کیا ہوتا ہے اس رو میں
ہے اک طوفان بحرِ بے کسی اشک رواں میرا

سراغ ہستی موہوم یوں تو غیر ممکن ہے
مگر یہ جانتا ہوں بے نشانی ہے نشاں میرا

نہ وہ ہمت نہ وہ پائے طلب اب دیکھیے کیا ہو
چلے بانگِ جرس کی رو میں کب تک کارواں میرا

مٹا ہوں جستجوئے منزلِ مقصود میں ہادی
پتا دے گا قیامت تک غبار کارواں میرا

شکوہ ہے بے سبب مجھے گردشِ چشم یار کا
کوئی نہیں شریک غم دیدۂ اشکبار کا

جس کی نظر کا تیر تھا آنکھ اسی نے پھیر لی
کون ہے اب وفا نواز میرے دلِ فگار کا

کوشش اندمال میں عمر بھی ساری کٹ گئی
ایک ہی زخم تھا بہت تیرِ نگاہِ یار کا

چشمِ فراق دیدہ کو لطف چمن سے کیا غرض
ہر گل تازہ داغ ہے دامنِ نوبہار کا

دونوں سے بے نیاز ہیں عشق کی مے گساریاں
نشہ کی آرزو نہیں خوف نہیں خمار کا

لطف کبھی جفا کبھی قہر کبھی وفا کبھی
تیری نظر میں رنگ ہے گردشِ روزگار کا

واہ رے کارسازیاں عشق وفا نواز کی
لوحِ مراد بن گیا سنگ مرے مزار کا

اب نہ دعا ہے کارگر اب نہ دوا شریک حال
دیکھیے کیا مآل ہو ہادی بے قرار کا

مژدہ باد اے عمر فانی کام آساں ہو گیا
دل میں چبھ کر ناوکِ جاناں رگِ جاں ہو گیا

عشق نے دل کی خلش کو روح افزا کر دیا
قطرہ جو آنسو کا ٹپکا آبِ حیواں ہو گیا

سخت جانی کا مجھے غم ان کو خنجر کا گلہ
وہ بھی نادم ہو گئے میں بھی پشیماں ہو گیا

بے کسی کی اب کہاں باقی رہیں گنجائشیں
محفل آرائے جنوں حالِ پریشاں ہو گیا

مل گیا رونے سے ہادی راز ہستی کا سراغ
میرے حق میں دیدۂ تر جامِ عرفاں ہو گیا

راز دل جلوہ نما طرز بیاں سے ہوتا
کس طرح ذکر ترا میری زباں سے ہوتا
فارغ البال ہوں میں ان کی تمنا کر کے
دل ہی سینے میں نہیں درد کہاں سے ہوتا
درد وہ درد جسے درد محبت کہیے
ایک ہی درد تھا قسمت میں جہاں سے ہوتا
قابل قدر مری ہستی ناکام بھی تھی
یہ نہ ہوتی تو ترا شوق کہاں سے ہوتا
زندگی ختم تھی احساس طلب تک ہادی
یہ بھی ہوتا نہ تو کیا نام و نشاں سے ہوتا

فکر اخفا رائیگاں ہے راز افشاں ہو چکا
جس کی قسمت میں تھی رسوائی وہ رسوا ہو چکا
اب فراغ زندگی کے حوصلے بیکار ہیں
ایک دل تھا وہ بھی برباد تمنا ہو چکا
اعتبار شوق کی غفلت نوازی ہائے ہائے
کچھ نہیں معلوم کیا ہونے کو ہے کیا ہو چکا
اب اگر پائے طلب اٹھیں تو ہادی کس طرح
خون سارے تن کا صرف خار صحرا ہو چکا

ذرا دیکھو تو کس راحت سے میں پہنچا ہوں منزل پر
گلے پر تیغ ہے اور چشم حیراں روئے قاتل پر
بڑی دشواریوں سے رات کاٹی ہے جدائی کی
بڑی مشکل سے کشتی کھینچ لایا ہوں میں ساحل پر
محبت کی نوازش اس سے بڑھ کر اور کیا ہوتی
ہزاروں زخم ہیں سینے میں لاکھوں داغ ہیں دل پر
ادھر ضبط اور ادھر اظہار بیتابی کی تدبیریں
نہ میں قابو میں ہوں دل کے نہ قابو ہے مجھے دل پر
عجب تکلیف ہے ہادی سمجھ ہی میں نہیں آتا
نظر اس کی چھری یا اک چھری سی چل گئی دل پر

زمیں پہ رہ کے بھی جنت کا لطف اٹھاتے ہیں
ہم ان کی یاد میں دنیا کو بھول جاتے ہیں
غبار راہ محبت ہوں پائمال نہ کر
مٹے ہوؤں کو کہیں اے فلک مٹاتے ہیں
ہماری شکل سے پیدا ہے مد و جزر حیات
چراغ صبح حوادث ہیں جھلملاتے ہیں
نہ پوچھو ولولہ ہائے دل حزیں کا مآل
حباب موج حوادث ہیں ٹوٹ جاتے ہیں
جنوں میں نقش تمنا ہے مشغلہ اپنا
کبھی مٹاتے ہیں ہادی کبھی بناتے ہیں

ہم اگر سوز محبت کو نمایاں کر دیں ذرے ذرے کو ابھی طور بداماں کر دیں
دل پہ میرے جو گزرتی ہے وہ گزرے لیکن یہی نظریں تمھیں اک دن نہ پشیماں کر دیں
اس طرح لذتِ ایذا کی نہ ہو گی تکمیل لاؤ زخموں کو نمک بھر کے نمکداں کر دیں

وہ کیا تقدیر کام آئے جو بے تدبیر حاصل ہو قدم کیونکر اٹھے جو ناشناسِ راہِ منزل ہو
ذرا انجام پروانوں کا دیکھ اے شمع بے پروا یہ حالت ہے تو کیونکر اعتبار رنگ محفل ہو
نظر بندی ہیں یہ حد بندیاں آنکھیں جو کھل جائیں تو لیلیٰ ہو نہ مجنوں ہو نہ ہو ناقہ نہ محمل ہو
کوئی محفل میں پروانوں کی دیکھے تو ہو سنا کی ذرا سی عمر میں کیونکر متاعِ عیش حاصل ہو
خدا جانے قدم اٹھ اٹھ کے پڑتے ہیں کہاں ہادی نہ اتنا بھی کوئی گم گشتۂ راہِ منازل ہو

فرقت میں گلستاں بھی صحرا نظر آتا ہے جو پھول ہے وہ مجھ کو کانٹا نظر آتا ہے
انجام دلِ محزوں معلوم نہیں کیا ہو امید کا ہر پہلو دھوکا نظر آتا ہے
پانی کا وہ اک قطرہ آنسو جسے کہتے ہیں فیضانِ محبت سے دریا نظر آتا ہے
میں اور تری آنکھوں میں سیلانِ کرم دیکھوں تجکو تو کچھ اس میں بھی دھوکا نظر آتا ہے
تصویرِ محبت ہوں آئینۂ فطرت ہوں ہر سو مجھے اپنا ہی جلوا نظر آتا ہے
جو نقش بلا ہادی بنتا ہے زمانے میں میرے ہی نصیبوں کا لکھا نظر آتا ہے

اب بھی کیا ہوگا نہ اندازۂ تاثیر مجھے لے اڑا سوئے فلک نالۂ شبگیر مجھے
دل کو آغوشِ مصیبت میں لیے بیٹھا ہوں اٹھنے دیتی نہیں سنگینیِ تقدیر مجھے
حاصلِ عمرِ رواں ہوں گی خطائیں میری مرنے دے گی نہ کبھی لذتِ تعزیر مجھے
آہ کرنے کو تو کرتا ہوں مگر اے غمِ دل ڈر یہ ہے پھونک نہ دے گرمیِ تاثیر مجھے

اک غمِ عشق کی وسعت کا الٰہی یہ مآل سارى دنیا نظر آنے لگی دلگیر مجھے
کیا سمجھتا تھا یہی داغ ہے ہادی سب کچھ اپنے دل ہی میں ملا حاصلِ تقدیر مجھے

آخر یہ کس کے حسن کا پرتو چمن میں ہے یارب یہ کس کی بوئے خوش اس انجمن میں ہے
منصور بن کے دیکھ لے اے ہمتِ وفا راحت جو دل کو منزلِ دار و رسن میں ہے
مجبوریوں نے رنجِ غریبی مٹا دیا جو پاؤں تھک کے پھر نہ اٹھا وہ وطن میں ہے
پابندِ انقلاب ہے ہر پھول ہر کلی تغیرِ رنگ و بو کے سوا کیا چمن میں ہے
کس نے کیا ہے دامنِ راحت گلوں کا چاک ہادی یہ کس کا شکوۂ رنگیں چمن میں ہے

کس فراغت سے وقت کٹتا ہے میں ہوں اور حیرت تماشا ہے
اس کے جلوں کی انتہا ہی نہیں جس نے دیکھا ہے اس نے دیکھا ہے
دل کی گنجائش کسے معلوم کون جانے کہ اس میں کیا کیا ہے
اس جگہ ضبط کا سوال نہیں حسن ایک عالمِ تمنا ہے
زندگی تیری خواب ہے ہادی اپنی ہی آنکھ کا تو دھوکا ہے

داغ جو سینۂ سوزاں میں نمایاں ہوں گے تیری امید کی نسبت سے گلستاں ہوں گے
چارہ گر اشکوں سے اندازۂ غم کیا ہوگا دیکھ کچھ لختِ جگر بھی سرِ داماں ہوں گے
کوئی کیا معجزۂ غم کی حقیقت سمجھے ہیں یہ وہ داغ جو مٹ کر بھی نمایاں ہوں گے
وسعتِ شوق کہاں دامنِ کوتاہ کہاں پیرہن والے پشیمانِ گریباں ہوں گے
دولتِ اشک کبھی چھپ نہیں سکتی ہادی یہ وہ گوہر ہیں جو زیبائشِ داماں ہوں گے

کچھ عجب دہر کی رفتار ہوئی جاتی ہے
زندگی برسرپیکار ہوئی جاتی ہے

تیرے خنجر کے تصدق مری سوئی ہوئی عمر
ابھی اک وار میں بیدار ہوئی جاتی ہے

کیا خوشی میں کوئی تاثیر ہی باقی نہ رہی
زندگی غم کی طلبگار ہوئی جاتی ہے

تیرے جلوؤں کی چمک جس سے تھیں آنکھیں روشن
ہجر میں حسرت دیدار ہوئی جاتی ہے

تیری بدلی ہوئی نظروں کا معمہ نہ کھلا
کیا محبت بھی خطاوار ہوئی جاتی ہے

رنج لکھا ہے تو راحت کی تمنا کرکے
میری قسمت بھی گنہگار ہوئی جاتی ہے

اب کشش کفر کی روکے نہیں رکتی ہادی
اب تو تسبیح بھی زنار ہوئی جاتی ہے

کسے پروا خوشی سے کاٹ لے آ کر زباں کوئی
نہیں معلوم کس عالم میں کرتا ہے فغاں کوئی

مٹایا نقش باطل کی طرح دست حوادث نے
مری امید کی پیدا ہوئی صورت جہاں کوئی

خوشی اچھی سہی اس بات کا لیکن بھروسا کیا
کہ اس کے بعد پھر کروٹ نہ لے گا آسماں کوئی

نگاہ نارسا حد نظر جس کو سمجھتی ہے
اسی پردے میں ہے پوشیدہ حسنِ دل ستاں کوئی

وہ چاہے نالۂ پردرد ہو یا اشک خوں ہادی
سنادے کاش ان کو میرے دل کی داستاں کوئی

مرے قدموں کے نیچے بحر بے پایاں کی منزل ہے
ڈبوتا ہوں میں کشتی سمجھ لیتا ہوں ساحل ہے

نہ یہ شوق نظر کچھ ہے نہ یہ بیتابیٔ دل ہے
محبت کچھ نہیں اک اعتبار حسن کامل ہے

بہت دشوار ہے رمز آشنائے ہر ادا ہونا
نگاہیں لاکھ ہوں پہلو میں لیکن ایک ہی دل ہے

مری محرومیٔ قسمت کی صورت کوئی کیا جانے
میں اس نقش تمنا کی حقیقت ہوں جو باطل ہے

کوئی دم میں کھلا جاتا ہے ہادی عقدۂ ہستی
مرے دل کی حقیقت اک نگاہ ناز قاتل ہے

شعار زندگی کیونکر بدل سکتا ہے اے ہمدم
مری ترکیب دل میں حرف ناکامی بھی شامل ہے

بنائے جو نہ دامن پر ٹپک کر نقش بیتابی
وہ قطرہ اشک کا بے اعتبار دیدہ و دل ہے

یہ کرشمے ہیں مری محرومیِ تقدیر کے
ہو رہے ہیں تنگ حلقے خود بخود زنجیر کے

خاک ہو کر بھی وہی ہے اتحادِ حسن عشق
حوصلے دیکھو تو میری خاکِ دامنگیر کے

کیا سمجھ سکتا ہے خنجر زخم ہائے دل کا راز
چاک ہیں ظالم یہ میرے پردۂ تقدیر کے

ہو رہا ہے دل پہ آغوشِ محبت کا گماں
اس میں شاید رہ گئے ہیں پر تمھارے تیر کے

بہتوں سے موجزن خونِ سرِ فرہاد تھا
آ گئی دنیا عبث دھوکے میں جوئے شیر کے

ان کو ہمدم اشکِ خوں آلودہ کے قطرے نہ جان
پھول ہیں سارے یہ میرے گلشنِ تقدیر کے

اشکِ حسرت رنگِ خونِ مدعا دینے لگے
خط نمایاں ہو چکے ہادی مری تقدیر کے

دل کو آفات سے نجات ہوئی
موت سرمایۂ حیات ہوئی

چل گیا مجھ پہ آرزو کا فریب
بے رخی ان کی التفات ہوئی

ایک حالت سے عمرِ غم گزری
نہ کبھی دن ہوا نہ رات ہوئی

پھر لگا دل پہ ان کا تیرِ نگاہ
پھر وہی آج واردات ہوئی

اس کے غم کے طفیل میں ہادی
آج میری بھی رات رات ہوئی

ہمیں دنیا میں کچھ رسم و رہِ منزل سمجھتے ہیں
سفینہ جس جگہ ڈوبے اسے ساحل سمجھتے ہیں

خدا حافظ ہے ایسے بے قرارانِ تمنا کا
جو داغِ نامرادی کو متاعِ دل سمجھتے ہیں

وہ ہے اک ٹھوکروں کا سلسلہ اول سے آخر تک
جسے ہم بے خودی میں جادۂ منزل سمجھتے ہیں

تجھے معلوم کیا اے ناشناسِ لذتِ ہستی
وہ دل کی قدر کرتے ہیں جو دل کو دل سمجھتے ہیں

جو سچ پوچھو تو اک حالت سفر کی زندگی خود ہے
ٹھہر جائے جہاں دل اس کو ہم منزل سمجھتے ہیں

سکونِ تام ہے مقصود اول راہ نوردی کا
غلط کیا ہے جو ہم گرداب کو ساحل سمجھتے ہیں

مسافت زندگی کی ہو رہی ہے طے خموشی سے
ہم اپنے ہر نفس کو اک نئی منزل سمجھتے ہیں

ہمارے حال سے دھوکا نہ کھا اے دیکھنے والے
کہ ہم اس حال کو تمہیدِ مستقبل سمجھتے ہیں

غلط کیا ہے اگر میں نالہ و فریاد کرتا ہوں — ستم آزردہ ہوں دل کی مصیبت یاد کرتا ہوں
خدا جانے وفورِ بے کسی میں دل پہ کیا گزری — سمجھ ہی میں نہیں آتا بہت کچھ یاد کرتا ہوں
حقیقت آشنا آنکھیں ملی ہیں مجھکو قسمت سے — ترے جلوؤں میں اسیرِ گلشن ایجاد کرتا ہوں
یہی اک روز میرا اعتبارِ غم بڑھائیں گے — لبوں کو آشنائے لذتِ فریاد کرتا ہوں
محبت میں دلِ مایوس کی دشواریاں ہے ہے — تڑپ اٹھتا ہوں ہادی جب وہ حالت یاد کرتا ہوں

انتخاب دیوان

شفیق جونپوری شاگرد حسرت موہانی

الفت میں جدا سب سے طریقہ ہے ہمارا — نقشِ قدمِ یار پہ سجدا ہے ہمارا
یہ خوب ہے عشاق کی تسکین کا پہلو — کہتے ہیں کہ ہر چیز میں جلوا ہے ہمارا
آتی ہے برابر یہ صدا راہِ طلب میں — جو کچھ نظر آتا ہے کرشما ہے ہمارا
رندوں کو ذرا بھی نہیں اندیشۂ عقبیٰ — کہتے ہیں خدا بخشنے والا ہے ہمارا
جب تم نہیں اپنے تو کوئی بھی نہیں اپنا — جب تم ہو ہمارے تو زمانا ہے ہمارا
بگڑی ہے جوان سے تو خوشامد ہے عدو کی — جو کام ہے دنیا سے نرالا ہے ہمارا
غیروں سے نہیں کوئی گلہ ہم کو شفیق — جو کچھ ہے وہ احباب سے شکوا ہے ہمارا

اور بھی دینِ نبی کو دبدبہ حاصل ہوا — جب عمرؓ سا باخدا اسلام میں داخل ہوا
جلوۂ جاناں تماشا ہے تماشائی بھی ہے — آپ ہی محفل بنا خود رونقِ محفل ہوا

دوشِ احمد اور پائے مرتضیٰ کیا راز ہے — کیا امامت کو نبوت پر شرف حاصل ہوا
جو ملا حیدرؓ سے وہ گویا محمدؐ سے ملا — جو محمدؐ سے ملا اللہ سے واصل ہوا
مرتضیٰ ہوں اور بستر ہو رسولؐ اللہ کا — اس سے اے انصاف والو کیا سبق حاصل ہوا
کربلا میں یوں گرے گھوڑے سے شاہِ کربلا — عرش سے گویا کہ نورِ کبریا نازل ہوا
خود زمانے کا ستایا تھا شفیق ناتواں — کیا اسے برباد کرنے سے تمہیں حاصل ہوا

پیے اب خونِ دل کیونکر نہ مستانہ مدینے کا — نہ میخانہ مدینے کا نہ پیمانہ مدینے کا
بہار آتے ہی وحشی جا بسیں گے کوہ و صحرا میں — مدینے کی طرف دوڑے گا دیوانہ مدینے کا
کھڑے ہو کر ادب سے اہلِ دل تعظیم کرتے ہیں — گزرتا ہے جدھر سے کوئی دیوانہ مدینے کا
نبیؐ نے حیدرِ کرار کو ساقی بنایا ہے — نجف میں آ گیا ہے اٹھ کے میخانہ مدینے کا
خدا کی شان ہے فیضان ہے شمعِ رسالت کا — چمک کر شمع بن جاتا ہے پروانہ مدینے کا
ملائک لے گئے خارِ مغیلاں دشتِ طیبہ سے — بنا حوروں کی زلفوں کے لیے شانہ مدینے کا
شفیق بھول جائے خلد کو بھی حضرتِ واعظ — چلیں دیکھیں تو حسنِ دلربایانہ مدینے کا

ہم پر بھی کوئی وار کرو تیغِ ناز کا — دیں گے جواب خضر کو عمرِ دراز کا
دیکھا بچشمِ غور تو یہ صاف کھل گیا — ہر آئینے میں عکس ہے آئینہ ساز کا
ایسا جھکے کہ پھر نہ ترے در سے اٹھ سکے — اتنا تو حوصلہ ہو جبینِ نیاز کا
زاہد یہاں تعینِ اوقات کچھ نہیں — ہر وقت وقت ہے عرفا کی نماز کا
یارب شفیق کی یہ دعا مستجاب ہو — جاروب کش بنے وہ زمینِ حجاز کا

سرِ مزار یہ کون آ کے بے نقاب ہوا — ہماری خاک کا ہر ذرہ آفتاب ہوا

کوئی بھی جب نہ بار عشق کا حامل نظر آیا
مرا دل ان کو اپنے عشق کے قابل نظر آیا
تری الفت میں تیری یاد میں تیری محبت میں
ترا دیوانہ اپنے حال سے غافل نظر آیا
غضب کا جوش دیکھا آرزوئے سرفروشی میں
امیدیں جی اٹھیں جب کوچۂ قاتل نظر آیا
کسی کی رہ گزر کی سیر نے حیرت میں ڈالا ہے
کہ جو ذرہ نظر آیا سراپا دل نظر آیا
شفیق کی حقیقت پوچھیے ارباب الفت سے
وہ دیوانہ ہے لیکن عشق میں کامل نظر آیا

جب ان کے حسن سے دنیا میں انقلاب نہ تھا
یہ دل ہمارے لیے جان کا عذاب نہ تھا
کسی کی راہ گزر میں بھی جاکے ڈھونڈ آئے
وہاں بھی آہ دلِ خانماں خراب نہ تھا
یہ حال تھا ترے نظارۂ جمال کے بعد
کہ آفتاب نگاہوں میں آفتاب نہ تھا
نہ جانے دوگجہ عالی میں کس طرح پہنچا
شفیق لائقِ دربار بوتراب نہ تھا

اے عشق تو نے بندے کو مولیٰ بنادیا
محمود کو ایاز کا شیدا بنا دیا
برپا ہیں تیرے حسن سے دنیا میں آفتیں
تیرے شباب نے تجھے فتنہ بنا دیا
تقدیر میں جو تھا وہ ہوا اس کا شکوہ کیا
تو نے مجھے بگاڑ دیا یا بنا دیا
مجھ سے انھیں حجاب نہیں واقعہ یہ ہے
میری خودی نے خود مجھے پردا بنا دیا
ان کی نگاہ لطف کا کیا پوچھنا شفیق
ذرے کو مہر قطرے کو دریا بنا دیا

دوئی کا ذکر ہی بعد فنا کیا
کہوں قطرے کو دریا کے سوا کیا
چرایا گر نہیں تم نے تو آخر
مرے پہلو سے میرا دل ہوا کیا
کوئی بھی پوچھنے والا نہیں ہے
ہماری بے کسی کا پوچھنا کیا
محبت جس کو دیوانہ بنا دے
نظر آئے اسے اچھا برا کیا
شکایت بن گیا شکرِ جفا بھی
کسی نے کیا سنا میں نے کہا کیا
ذرا دیکھو تو زیر بام آکر
تڑپتا ہے شفیق بے نوا کیا

خنجر کے تلے بھی دل ناشاد ہمارا کہتا ہے سلامت رہے جلاد ہمارا
گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں وہ بام پر اپنے دیکھا ہے جو ہنگامۂ فریاد ہمارا
دیکھا ہو کہیں تم نے تو للہ بتا دو ملتا نہیں ہم کو دلِ ناشاد ہمارا
دو دن کی جدائی میں ہیں بھول گئے وہ اب نام بھی ان کو نہ رہا یاد ہمارا
اغیار سے ہوجائے شفیقؔ کا تعارف کہہ دو کہ یہ ہے عاشقِ برباد ہمارا

دیر میں بھی ہیں حرم میں بھی نمودار ہیں آپ باعثِ تفرقۂ کافر و دیں دار ہیں آپ
ناز بردار وفا کیش وفادار ہوں میں ستم ایجاد جفا کوش جفا کار ہیں آپ
میری تعریف ان الفاظ سے کی جاتی ہے رندِ مشرب میں قدح نوش ہیں میخوار ہیں آپ
بن کے انجان کوئی پوچھ رہا ہے مجھ سے کون ہے جس کی محبت میں گرفتار ہیں آپ
کوئی گالی تو نہ تھی آپ کو دلبر کہنا اتنی سی بات پہ زحمت کشِ پیکار ہیں آپ
یہ بھی پردہ ہے کوئی، چھپتے ہیں پردہ بن کر جیسے روپوش ہوئے اور نمودار ہیں آپ
کون سمجھائے شفیقؔ کو غضب کرتے ہیں جان دینے کے لیے عشق میں تیار ہیں آپ

سرکار محبت میں طلبگار محبت ہوتا ہے سرفراز سردار محبت
جب ارض و سما سے نہ اٹھا بارِ محبت دل بول اٹھا میں ہوں سزاوار محبت
دیکھے اگر اس کافر ایماں کی ادائیں زاہد بھی کہے کفر ہے انکار محبت

تصدق ہو رہا ہوں تابشِ رخسار جاناں پر نظر میں روئے تاباں ہے نظر ہے روئے تاباں پر
کچھ ایسی دلکشی ہے ہر در و دیوار سے پیدا بہار خلد صدقے ہے بہار کوئے جاناں پر
وہ جانِ آرزو جب فاتحہ پڑھنے کو آتا ہے عجب حسرت برستی ہے ہماری قبر ویراں پر

کسی کو جب نہ پایا اس نے حامل بار الفت کا پڑیں نظریں مری ہستی کے اجزائے پریشاں پر
شفیق اپنا بھی جوش عقیدت ہے تو پھر اک دن ہماری جان بھی قربان ہوگی شاہ مرداں پر

ملا عشق کا لطف برباد ہوکر غم دین و دنیا سے آزاد ہوکر
کچھ ایسا ستایا ہوا ہوں کہ منہ سے نکلتی ہے ہر بات فریاد ہوکر
مرے خانۂ دل کا عالم نہ پوچھو یہ آباد ہوتا ہے برباد ہوکر
اب ایک ایک ذرہ کسی کی گلی کا ستانے لگا ہم کو جلاد ہوکر
شفیق نے کیا کیا مصیبت اٹھائی تمھاری محبت میں برباد ہوکر

کہتے ہیں سن کے میری زباں سے وہ ہائے عشق اب تیری جان لے کے ٹلے گی بلائے عشق
وجہ وجود ہو جو ہر اک ذی وجود کی ایسی تو کوئی چیز نہیں ہے سوائے عشق
اس کی خبر کسی کو نہیں ہے کہ اے شفیق کیا ابتدائے عشق ہے کیا انتہائے عشق

زمین دشت ایمن کو ہے کس کا انتظار اب تک پئے تعظیم اٹھتے ہیں بگولے بار بار اب تک
نہیں جاتا خیال عارض گیسوئے یار اب تک اسی رفتار پر ہے گردش لیل و نہار اب تک
چمن سے ہم کو چھوٹے ایک مدت ہوگئی لیکن ہمارے واسطے بے چین رہتی ہے بہار اب تک
نہ جانے کون کہہ جاتا ہے آ کر میری تربت پر کہ تیرے واسطے رہتا ہے کوئی بے قرار اب تک
فنا کے بعد بھی ہے عشق لیلیٰ کا اثر ظاہر اسی کو ڈھونڈتا پھرتا ہے مجنوں کا غبار اب تک
سنا ہے اب تو وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں شفیق ایسا ملا ہم کو نہ کوئی جاں نثار اب تک

ہم دکھا دیتے جو اپنے اضطراب دل کا رنگ اور سے کچھ اور ہو جاتا تری محفل کا رنگ
خوب ہے محبوب ہے مرغوب ہے مطلوب ہے دل کی بستی دل کی دنیا دل کا نقشہ دل کا رنگ

تھا عجب پرکیف دورِ بادۂ قالو بلیٰ — آج تک نظروں میں پھرتا ہے اسی محفل کا رنگ
شان ہی کچھ اور ہے سامان ہی کچھ اور ہے — تیری محفل سے نہیں ملتا کسی محفل کا رنگ
کربلا کا معرکہ جس نے نہ دیکھا ہو شفیق — کوچۂ قاتل میں دیکھے کوچۂ قاتل کا رنگ

آتا ہے بے نقاب کوئی تاجدار حسن — لوٹیں گے آج دیکھنے والے بہار حسن
دل کو مرے نہ چشم حقارت سے دیکھیے — یہ جلوہ دار حسن ہے سرمایہ دار حسن
نورِ جمالِ یار نمایاں کہاں نہیں — لیکن تعینات ہوئے پردہ دار حسن
وہ ولولے، وہ جوش طبیعت، وہ ذوق عشق — تھی صبح زندگی کوئی صبح بہار حسن
سرِ جمال کنز خفی کس سے پوچھیے — ملتا نہیں شفیق کوئی رازدار حسن

نے جاتے تھے اے زاہد جو پہلے بادہ خواروں میں — طریقے اب وہ رائج ہو گئے پرہیزگاروں میں
بہارِ گل ذرا اس وقت دیکھیں دیکھنے والے — گھٹا جب آبیاری کر گئی ہو سبزہ زاروں میں

پھنکا ہوں میں نبیؐ کی گرمیِ سوزِ محبت میں — قیامت تک مدینے کی ہوا آئے گی تربت میں
بچا یا رب مجھے دریائے عصیاں کے تلاطم سے — مری کشتی اگر ڈوبے تو ڈوبے بحرِ رحمت میں
وطن چھوٹا تو اب یادِ وطن بھی دور ہو جائے — یہ کیوں آ آ کے تڑپاتی ہے مجھ کو دشتِ غربت میں
ابھی ہم سے نئے معشوق کا پرہیز مشکل ہے — جوانی کا زمانہ ہے امنگیں ہیں طبیعت میں
شفیق ایسا نہ کوئی رازدانِ عاشقی گزرا — کہ اب تک ہے اسی کا تذکرہ اربابِ الفت میں

تیرے ستم کی انتہا اے بتِ فتنہ گر نہیں — بانیِ جورِ چرخ بھی ہے مگر اس قدر نہیں
میرے خلوصِ عشق کا غیر بھی معترف ہوا — میری وفا کا تذکرہ کس کی زبان پر نہیں
زور پہ ہے جنوں کا جوش سود و زیاں کا کس کو ہوش — آج ہمارا سر نہیں یا ترا سنگِ در نہیں

عارض زلف کی بہار دیکھ رہا ہوں آشکار ورنہ بہشت عشق میں شام نہیں سحر نہیں
آہ شفیق مبتلا رات تڑپ کے مرگیا آپ نے کیا نہیں سنا آپ کو کیا خبر نہیں

بنت محبوب خدا کس سادگی سے گھر میں ہیں سیکڑوں پیوند ان کی ایک ہی چادر میں ہیں
سات فاقوں پر بھی چکی پیستی ہیں فاطمہ خلق حیران ہے زمین و آسماں چکر میں ہیں
یوں ہی ہر بی بی کو رہنا چاہیے شوہر کے گھر جس طرح خاتون جنت خانۂ حیدر میں ہیں
تنگی و آلام و غربت کا ذرا بھی غم نہیں اس پہ نازاں ہیں کہ ہم شیر خدا کے گھر میں ہیں
سیدہ کی روشنی ہر گھر میں پھیلی ہے شفیق گو بظاہر آپ اپنے مرقد انور میں ہیں

دشت وحشت کے بگولے بھی مزا دیتے ہیں جو مری خانہ خرابی کا پتہ دیتے ہیں
تھے وہ دن اور کہ فریاد میں تاثیر نہ تھی اب تو ہم آپ کو بھی رو کے رولا دیتے ہیں
ہم اگر شکر بھی کرتے ہیں تو ہوتا ہے گلہ ان کے منہ سے ہوں تو شکوے بھی مزا دیتے ہیں
کبھی فرصت ہو تو اس پر بھی ذرا غور کرو دل تمھیں کس لیے ارباب وفا دیتے ہیں
وہ بھی گلچیں کی نگاہوں میں کھٹکتے ہیں شفیق چار تنکے جو نشیمن کا پتہ دیتے ہیں

محبت ہے تکلیف ہے عاشقی میں مگر زندگی کا مزا ہے اسی میں
نہ ساقی نہ بادہ نہ ساغر نہ مینا جوانی ہمیں بار ہے مفلسی میں
چلا ہے ترے در سے مایوس ہوکر شفیق اب نہ آئے گا تیری گلی میں

رہے گی کچھ تو قائم یادگار رفتگاں برسوں غبار کارواں دے گا نشان کارواں برسوں
ہمارے بعد بھی اجڑا رہے گا گلستاں برسوں گریں گی بجلیاں برسوں چلیں گی آندھیاں برسوں

مرے ذوقِ شہادت کی شہادت دے گا قاتل بھی
لکھے گا خون کی سرخی سے میری داستاں برسوں

کسی کی رہ گزر میں دفن ہوکر یہ شرف پایا
زمانے میں رہا اپنا لقب خلد آشیاں برسوں

شفیق اسلاف کی تکبیر کی تاثیر کیا کہیے
صنم خانے سے بھی آتی ہے آوازِ اذاں برسوں

نئی تاثیر پیدا کی جنوں نے دشت ایمن میں
کہ دیوانے لگا بیٹھے یکا یک آگ دامن میں

ذرا بھی تیرے نالوں میں نہیں تاثیر اے بلبل
تری فریاد سن کر پھول ہنس دیتے ہیں گلشن میں

گہر شبنم کے قطرے شاہد قدرت کے موتی تھے
کہ چن کر لے گئیں سورج کی کرنیں اپنے دامن میں

شفیق کون کہہ جاتا ہے آ کر میری تربت پر
کہ ہم کو چھوڑ کر تم چین سے سوئے ہو مدفن میں

ستاتے ہیں جلاتے ہیں رلاتے ہیں مناتے ہیں
ہمیشہ حسن والے عاشقوں کا دل دکھاتے ہیں

سلام اے دردِ فرقت الوداع اے شامِ تنہائی
ہزاروں حسرتوں کے ساتھ ہم دنیا سے جاتے ہیں

عجب پر لطف ہے محفل میں ان کی یہ شرارت بھی
کہ اٹھنا چاہتا ہوں میں تو وہ دامن دباتے ہیں

نہ جانے ان سے کس نے کہہ دیا یہ تم پہ مرتا ہے
کہ وہ میری طرف جب دیکھتے ہیں مسکراتے ہیں

شفیق اپنا شریکِ حالِ فرقت میں نہیں کوئی
ہم اپنی بے کسی پر آپ ہی آنسو بہاتے ہیں

چھپا رہے ہیں جو پردے میں روئے زیبا کو
ابھی وہ جانچ رہے ہیں مری تمنا کو

صد آفریں ہے مری شورشِ تمنا کو
کہ بے نقاب کیا ان کے روئے زیبا کو

چلے جو دشت سے ہم یوں کہا بگولوں نے
کہ بھولیے گا نہ باشندگانِ صحرا کو

کلیم طور پہ جانے کی کیا ضرورت ہے
وہ ہر جگہ نظر آتا ہے چشمِ بینا کو

انھیں تو نام سے چڑ تھی یہ ماجرا کیا ہے
وہ آج پوچھ رہے تھے شفیق رسوا کو

ساقیا پاس ادب ہے ترے مستانوں کو
بے وضو ہاتھ لگاتے نہیں پیمانوں کو

پابہ زنجیر بھی کر لیجیے دیوانوں کو
توڑ کر دشت نہ کر دیں کہیں زندانوں کو

لطف دیتا ہے مجھے یار کا شرماجانا
شمع پر دیکھ کے گرتے ہوئے پروانوں کو

دل نہ دکھ جائے کہیں آنکھ سے آنسو نہ بہیں
جایئے آپ نہ سنیے مرے افسانوں کو

ہوگئی کتنی انوکھی مری تخئیل شفیق
دیکھ کر حضرت استاد کے دیوانوں کو

عبث کہتے ہو مجھ سے اپنے در سے اٹھ کے جانے کو
نہ چھوڑا ہے نہ چھوڑیں گے تمہارے آستانے کو

کیا دونوں سے خالی برق و صرصر نے زمانے کو
کریں گلزار کا ماتم کہ روئیں آشیانے کو

یہ کہہ کر بزم میں پیش عدو نادم کیا مجھ کو
کہا تھا آپ سے کس نے مری محفل میں آنے کو

مخالف ہے فلک وہ منحرف احباب برگشتہ
خدایا کیا ہمیں سے لاگ ہے سارے زمانے کو

شفیق افسانۂ مجنوں میں ان کو لطف آتا ہے
اسی پردے میں تم بھی چھیڑ دو اپنے فسانے کو

ذرا بیمار غم کی ناتوانی دیکھتے جاؤ
اب آئے ہو تو اپنی مہربانی دیکھتے جاؤ

یہ سچ ہے آسماں دشمن ہے میری جان کا لیکن
تم اپنی بھی ادائے جاں ستانی دیکھتے جاؤ

یہ کس کو دیکھ کر کہتے ہیں میری خاک کے ذرے
کہ اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ

بپا ہوگی قیامت انقلاب آئے گا عالم میں
ابھی کیا کرتی ہے ان کی جوانی دیکھتے جاؤ

شفیق عشق کے اسرار کھلتے جائیں گے تم پر
ابھی میری کتاب زندگانی دیکھتے جاؤ

ذرا عاشق کی بیتابی کا منظر دیکھتے جاؤ
جگر کی ٹیس درد قلب مضطر دیکھتے جاؤ

جہاں سامنے آ کر ہمارے بیٹھ جاتے ہیں
یہی جی چاہتا ہے بس برابر دیکھتے جاؤ

تقاضا یاس کا ہے سو رہو کچھ کھا کے بستر پر
امیدیں کہہ رہی ہیں جانب در دیکھتے جاؤ

نالہ کرکے یہ ندامت ہوئی حاصل مجھ کو — کیوں گوارا ہوئی رسوائی قاتل مجھ کو
ناز ہے غمزہ ہے شوخی ہے حیا ہے ترے ساتھ — تیری خلوت بھی نظر آتی ہے محفل مجھ کو
آپ کی شان تجلی پہ فدا کرنے کو — چاہیے روز نئی جان نیا دل مجھ کو

نہ پوچھیے مرے گزرے ہوئے زمانے کو — کہ چومتے تھے ملک آکے آستانے کو
بہار آتے ہی کیا جانے دل میں کیا آئی — کہ ہم نے پھونک دیا اپنے آشیانے کو
بنی ہے آپ کی دہلیز قبلۂ آفاق — کہ جس کو دیکھیے آتا ہے سر جھکانے کو
بہشت میں بھی نہیں وہ چہل پہل واعظ — نصیب ہے جو ہمارے شراب خانے کو
وہ نامراد ہوں سب کو ہے دشمنی مجھ سے — فلک کو آپ کو تقدیر کو زمانے کو
ذرا شفیق کی جرات تو دیکھیے کمبخت — چلا ہے آج انھیں حال دل سنانے کو

دیدۂ و دل میں نہ جب تاب جمال یار ہو — طالب دیدار پھر کیوں طالب دیدار ہو
میرا سر ہو اور سنگ آستان یار ہو — کاش ایسا ہو تو کیا کیا شوق کا اظہار ہو
اس کو جانباز محبت تم کہوگے یا نہیں — ہر طرح تم پر جو مٹنے کے لیے تیار ہو
اس لیے ہنگامۂ دار ورسن برپا ہوا — اپنی حد سے کیوں بڑھے جو رازدان یار ہو
آپ ہی جب بے خبر ہیں آپ ہی غافل ہیں جب — کوئی کا ہے کو شفیق زار کا غمخوار ہو

نہ جانے اور کتنی قدر ہوتی دلربائی کی — اگر اس شوخ میں عادت نہ ہوتی بے وفائی کی
تمھیں پر آج پڑتی ہے نظر ساری خدائی کی — جو ہم نے بھی تمھیں چاہا تو آخر کیا برائی کی
اس انداز تلون نے بڑا دھوکا دیا مجھ کو — کہ خود الفت جتائی آپ نے خود بے وفائی کی
ستم ہے حسن بے پروا کی یہ ہنگامہ آرائی — تمھارے ہاتھ سے لکھی ہے بربادی خدائی کی
تعجب ہے کہ اب تو بھی شفیق کو نہ پہچانے — یہی ہے جس نے برسوں تیرے کوچے کی گدائی کی

انوکھی زندگی ہے زندگی مجھ کشتۂ غم کی　　صدائے نغمہ ہے میرے لیے آواز ماتم کی
ہماری آنکھ سے دیکھے کوئی دنیائے فانی کو　　یہاں جو چیز ہے اک مستقل تصویر ہے غم کی
محبت میں ہماری بے حسی بڑھتی ہی جاتی ہے　　کہ بھولی جا رہی ہیں داستانیں راحت و غم کی
گہرباری ہوئی ہے شاہد قدرت کی جانب سے　　کہ اوراق چمن پر قطرہ افشانی ہے شبنم کی
شفیق افسوس اپنی عمر گزری اشکباری میں　　مگر دنیا میں ہم نے زندگی پائی تھی شبنم کی

اس لیے بے رونقی سوہ چراغ کشتہ ہے　　ماتم پروانہ مقصود چراغ کشتہ ہے
اب کہاں وہ رونق بزم طرب ہنگام صبح　　یا چراغ کشتہ یا دود چراغ کشتہ ہے
ہجر میں مرنے سے بدتر ہے مرا جینا شفیق　　ہر نفس ہم صورت بود چراغ کشتہ ہے

اس لیے سنتے ہیں حکم ارتفاع جلوہ ہے　　بوالہوس بھی اب خریدار متاع جلوہ ہے
جبکہ ہیں دیر و حرم دونوں تجلی گاہ دوست　　پھر عبث شیخ و برہمن میں نزاع جلوہ ہے
حیرتیں ہیں تیری تابانی کا عالم دیکھ کر　　اے مہ کامل یہ کس کا اتباع جلوہ ہے
آپ فرماتے ہیں میں رہتا ہوں شہ رگ کے قریب　　یہ اگر سچ ہے تو پھر کیوں انقطاع جلوہ ہے
اس لیے ہوتی ہے ہر دم اک نئی شان جمال　　شاہد قدرت کو شوق اختراع جلوہ ہے
اپنی کم ظرفی کو ہم تسلیم کرتے ہیں مگر　　بیخودی تو بھی تو وجہ امتناع جلوہ ہے
کون رخصت ہو رہا ہے کس سے کہتا ہے شفیق　　کس قیامت کی گھڑی وقت وداع جلوہ ہے

خواہش خلد نہ کی حور کے شیدا نہ بنے　　کچھ بنے ہم تو گدائے در جانانہ بنے
ذرہ ذرہ ہے دل داد طلب کی تصویر　　عرصۂ حشر نہ یارب کہیں بت خانہ بنے
آہ وہ آنکھ جسے ہو ترے دیدار کا شوق　　دل ہے وہ دل جو ترے درد کا کاشانہ بنے

اللہ اللہ رخِ روشن کی ضیائے دلکش
شمع آئے تری محفل میں تو پروانہ بنے
آپ ہی جب اسے دیوانہ کہا کرتے ہوں
کیسے پھر کیوں نہ شفیق آپ کا دیوانہ بنے

کب دہر میں جینے کا مزا میرے لیے ہے
جو سانس ہے پیغامِ قضا میرے لیے ہے
کچھ غم نہیں مجھ کو کوئی پوچھے کہ نہ پوچھے
احباب نہیں ہیں تو خدا میرے لیے ہے
میں اپنی تباہی کی شکایت نہیں کرتا
خوش ہوں کہ یہی حکمِ خدا میرے لیے ہے
آباد رہے تیری گلی جس کی بدولت
دنیا ہی میں جنت کا مزا میرے لیے ہے
اتنی بھی غنیمت ہے شفیق ان کی توجہ
کچھ اور نہیں ہے تو جفا میرے لیے ہے

جاتا ہوں کوئے یار سے کیا کیا لیے ہوئے
گویا چلا ہوں اک نئی دنیا لیے ہوئے
لوٹے نہ راہ میں کوئی آفت غریب پر
قاصد چلا تو ہے مرا نامہ لیے ہوئے
بے فکر ہیں شفیق غمِ دو جہاں سے ہم
بیٹھے ہوئے ہیں ساغر و مینا لیے ہوئے

کرے گی یاد چمن اور بے قرار مجھے
خدا کرے کہ نہ ہو خواہشِ بہار مجھے
مجھے نہ دیکھ مری وسعتِ نگاہ کو دیکھ
خزاں میں بھی نظر آئی تری بہار مجھے
سنا ہے اب تو کوئی غائبانہ کہتا ہے
شفیق سا نہ ملے گا وفا شعار مجھے

ہمیشہ مطربِ بزمِ ازل مستِ ترنم ہے
مگر ہستی کے ہنگاموں میں نغموں کی صدا گم ہے
عجب پرلطف دریائے محبت کا تلاطم ہے
یہ آوازِ ترنم ہے کہ موجوں کا تصادم ہے
پہنچ کر اس تجلی گاہ میں عاشق پکار اٹھا
تمھیں تم ہو مری ہستی تو ہم ہی تو ہم ہے
تمھیں اس گلشنِ ایجاد میں ہنگامہ آرا ہو
نہ پھولوں کا تبسم ہے نہ بلبل کا ترنم ہے
شفیق اس وقت کیوں آتے ہیں وہ میری عیادت کو
کہ نظارے کی طاقت ہے نہ اب تابِ تکلم ہے

کیا خوشی ہو تمھارے آنے کی — شام ہی سے پڑی ہے جانے کی
اہلِ دل کے لیے تبرک ہے — خاک میرے شراب خانے کی
میں کروں آپ کا گلہ کیا خوب — بات کیجیے ذرا ٹھکانے کی
زندہ ہوتے ہیں مرنے والے ابھی — دیر ہے تیرے لب ہلانے کی
نہیں معلوم اے شفیق انھیں — فکر کیوں ہے مرے مٹانے کی

جسے اپنی تمنا جس کو اپنا مدعا سمجھے — خدا کی شان ہے وہ بت ہمیں نا آشنا سمجھے
زمانہ آپ کی رفتار سے پامال ہوتا ہے — اگر ظالم نہ سمجھے آپ کو دنیا تو کیا سمجھے
کرم سے بھی زیادہ لطف دیتا ہے ستم اس کا — وہ کافر ہے جو اس بت کی جفاؤں کو جفا سمجھے
ہمارے عشق کی باتیں تمھارے حسن کی گھاتیں — کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے
شفیق تم سا دیوانہ نہیں کوئی زمانے میں — کہ مجنوں بھی تمھیں دیکھے تو اپنا پیشوا سمجھے

حسن عالمگیر نے کی خوب تشہیر آپ کی — ہر درودیوار سے لپٹی ہے تصویر آپ کی
لن ترانی کی صدائیں لا رہی ہیں وجد میں — ہم کو نغمے کا مزا دیتی ہے تقریر آپ کی
حسن والے ہو رہے ہیں خود طلبگار آپ کے — حضرتِ دل اب چمک اٹھی ہے تقدیر آپ کی
چھپکے چلنا، چل کے رکنا طرزِ معشوقانہ ہے — آ گئی ہے آپ کے خنجر میں تاثیر آپ کی
لیجیے وہ بھی عیادت کے لیے آئے شفیق — آپ اگر اب بھی نہ اچھے ہوں تو تقدیر آپ کی

نشیمن پر گرے بجلی چمن برباد ہو جائے — الٰہی کچھ بھی ہو لیکن قفس آباد ہو جائے
ہمارے خانۂ وحشت کا عالم پوچھتے کیا ہو — اگر برباد ہو جائے تو اور آباد ہو جائے

قفس میں پائی وہ راحت کہ اب ہردم مناتا ہوں　　خدایا اور زائد قید کی میعاد ہوجائے
جو تھوڑی اور تجھ پر حضرتِ حسرت کی شفقت ہو　　شفیق تو بھی اپنے وقت کا استاد ہوجائے

جو یاد آتی ہیں ہم کو داستانیں عہدِ اول کی　　تو یہ معلوم ہوتا ہے یہ باتیں ہیں ابھی کل کی
کسی کو دیکھ کر ناگاہ کوئی ہوش کھوتا ہے　　کوئی زانو پہ سر رکھ کر ہوا دیتا ہے آنچل کی
پلائی ہے جو خود ساقی نے دستِ ناز سے اپنے　　تو اک چلو میں کیفیت ہوئی ہے ایک بوتل کی
فقط مضمون الفت جان ہے اپنے فسانے کی　　اسی سے داستانِ زندگی ہم نے مکمل کی
فراقِ یار میں کچھ کھا کے آخر جان دے بیٹھا　　شفیق جلانے اپنی مشکل آپ ہی حل کی

کہتے ہو میرے دل میں راہ نہ کی　　خیر گزری کہ میں نے آہ نہ کی
کیا تلون مزاج ہو تم بھی　　چار دن ایک سے نباہ نہ کی
اس کی شانِ کرم کے میں صدقے　　مطلقاً پرسشِ گناہ نہ کی
غیر نامہرباں رہا تو رہا　　آپ نے کیوں ادھر نگاہ نہ کی
تھا عجب مرد خاکسار شفیق　　عمر بھر فکر عزوجاہ نہ کی

تم بھی دشمن ہو فلک بھی برسرِ بیداد ہے　　ایک میری زندگی کس کس طرح برباد ہے
آہ وہ بیتابیِ دل، آہ وہ آہ و فغاں　　شامِ فرقت کی مصیبت ہم کو اب تک یاد ہے
آہ سے مانع ہے ان کا پاسِ رسوائی مجھے　　ورنہ اے چرخِ ستمگر تیری کیا بنیاد ہے
تو بھی تھا میری طرح بے چین میرے واسطے　　او نگاہیں پھیرنے والے تجھے بھی یاد ہے
کون جانباز محبت ہے شفیق کی طرح　　اب اسی کو قیس کہیے اب وہی فرہاد ہے

بالیں پہ ان کو دیکھ کے ایسی خوشی ہوئی　　گویا مریضِ غم کی نئی زندگی ہوئی

لب کوثر کوئی جا کر یہ پوچھے میرے ساقی سے   کہ کب سیراب ہوں گے شربت دیدار کے پیاسے
گلے مل مل کے روتی ہے وفا شوق و تمنا سے   کہ رخصت ہو رہا ہے آپ کا بیمار دنیا سے
ارے او اپنے جلوے کا تماشا دیکھنے والے   قیامت ہو نہ برپا تیرے حسن آشکارا سے
محبت کی وساطت سے قریب یار جا پہنچے   ملائے حد اوسط جس طرح صغریٰ کو کبریٰ سے
یہ شان حسن ہے تیری تو پھر بیکار ہے پردہ   کہ جلوے پھوٹ نکلے ہیں نقاب روئے زیبا سے
محب محبوب سے مل کر محب باقی نہیں رہتا   کہ بن جاتا ہے قطرہ خود بھی دریا مل کے دریا سے
مسلمانوں کو اب تک خانہ جنگی سے نہیں فرصت   شفیق اغیار کو دیکھو کہ وہ کیا ہو گئے کیا سے

نہ گردوں پر بھروسہ ہے کہ گھر آباد رہنے دے   نہ قسمت سے توقع ہے کہ مجھ کو شاد رہنے دے
اگر سچ ہے تو یہ بھی اک خدا کی شان ہے ورنہ   وہ کافر ادا اپنے دل میں میری یاد رہنے دے
جو اے صیاد میری زندگی منظور ہے تجھ کو   تو جب تک موسم گل ہے مجھے آزاد رہنے دے
شب غم کاش یوں آ کر کوئی کہتا سرہالیں   کہ اٹھ ہم آ گئے اب نالہ و فریاد رہنے دے
جنوں کی رائے کچھ ہے عقل کی فہمائشیں کچھ ہیں   نہ وہ آباد رہنے دے نہ یہ برباد رہنے دے
طریقہ شاد کرنے کا تو سیکھا ہی نہیں تو نے   یہی احسان تیرا ہے اگر نا شاد رہنے دے
مجھے لائی تو ہے زنداں میں وحشت کر کے گھر ویراں   جو اس کو بھی مرا جوش جنوں آباد رہنے دے
مزا ملتا ہے عاشق کی تباہی میں تو ہاں یوں ہی   شفیق خانماں برباد کو برباد رہنے دے

صورت دکھائی اس بت غفلت شعار نے   سن لی مری دعا مرے پروردگار نے
دنیا جو بے ثبات نہ ہوتی تو خوب تھا   کیا گل کھلائے ہیں چمن روزگار نے
میدان حشر میں عجب انداز سے شفیق   محبوب کبریا کو چلا ہے پکار نے

کشتۂ دار ورسن وہ راز دار نغمہ ہے — جس کی آواز اناالحق یادگار نغمہ ہے
دیکھیے اپنی صدائے لن ترانی کا اثر — طور کے ایک ایک پتھر میں شرار نغمہ ہے
تھی چمن والوں میں پہلے صرف بلبل نغمہ سنج — اب تو جو تار رگ گل ہے وہ تار نغمہ ہے
جس کی ہر لے سے کلیم اللہ بے خود ہو گئے — کون سا وہ نغمہ اے پروردگار نغمہ ہے
نعرۂ منصور وجہ کشتن منصور ہے — کیا تماشا ہے مغنی خود شکار نغمہ ہے
آہ بلبل تیرا انداز ترنم باغ میں — ہر کلی ہر برگ ہر گل بے قرار نغمہ ہے
یہ جہاں معمور ہے اس کے ترانوں سے شفیق — لیکن اپنا ساز ہستی پردہ دار نغمہ ہے

رباعیات شفیق

غیروں کی نظر میں عیب والا ہوں میں　　احباب کی دانست میں اچھا ہوں میں
ہر ایک نے ایک رائے قائم کرلی　　خود مجکو یہ معلوم نہیں کیا ہوں میں

کیونکر نہ ہو محرومیٔ قسمت کا ملال　　ہوتا ہے مدینے کا، ارادہ ہر سال
رہتی ہے مگر دل کی تمنا دل میں　　ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

دنیا نے علی کو پیشوا بھی مانا　　لوگوں نے وصی مصطفیٰ بھی مانا
مولیٰ بھی کہا تمام عالم نے انھیں　　حتیٰ کہ نصیری نے خدا بھی مانا

شہرہ جو ہوا میری سخن دانی کا　　یہ فیض ہے اک ادیب لاثانی کا
کہتے ہیں شفیق جونپوری مجکو　　شاگرد ہوں میں حسرت موہانی کا

رباعی متعلق بزمِ میلادِ حضرت امام حسین علیہ السلام واقع کچگاؤں

میں بزمِ حسین کو جو احسن سمجھا   حماد کے گھر کو اپنا مامن سمجھا
ہر ذرہ نے دی صدا کہ فاخلع نعلیک   کچگاؤں کو میں وادئ ایمن سمجھا

اپنا جو عقیدہ ہے وہ تبریلی ہے   خود ساختہ مذہب ہے نہ تخیلی کی ہے
سنی ہے نہ شیعہ ہے شفیق بدنام   دونوں سے وہ افضل ہے کہ تفضیلی ہے

کرتے نہیں کچھ وصل کا وہ بندوبست   ہمت ہوئی جاتی ہے دلِ زار کی پست
کہتے ہیں وہ ہنس کر میری مایوسی پہ   در مذہبِ عشق ناامیدی کفر است

مدینۃ الرسول

اے مدینہ اے مد۔ میں تو پاک ہے   سرمہ تیری گرد ہے اکسیر تیری خاک ہے
بالیقیں تو ہے ۔ گاہ حسن کبریا   سو رہا ہے تیری ہی آغوش میں نورِ خدا
تیرے ہر گوشہ میں پھیلی ہے تجلی طور کی   تیرے دیواروں پہ پھرتی ہے سفیدی نور کی
تیرے اس خطے سے جس میں سو رہے ہیں آنحضور   عرش بھی شرما رہا ہے آشکارا ہے وہ نور
سجدہ گاہِ قدسیاں تو ہے تری کیا بات ہے   کعبۂ مقصود ہے تو قبلۂ حاجات ہے
تو دلِ عشاق کا مقصود ہے مطلوب ہے   کیونکہ نہ ہو اللہ کے محبوب کا محبوب ہے
کارفرما ہے بہارِ حسن دلجوئے رسولؐ   آج تک آتی ہے تیری خاک سے بوئے رسولؐ

قرآنِ عظیم

کیا ترے اوصاف لکھوں اے کلام کبریا　　خوب ہستی میں اچھالا تو نے نام کبریا
سارے عالم کے لیے تو ہے پیام کبریا　　سچ تو یہ ہے تجھ سے قائم ہے نظام کبریا
تو چراغِ طور ہے تو عرش کی قندیل ہے　　تو کتابِ حسن کے اجمال کی تفصیل ہے

تجھ سے انسانوں نے سیکھا آدمیت کا سبق　　تجھ سے گمراہوں نے پایا ہے ہدایت کا سبق
مل رہا ہے تجھ سے اخلاق وحمیت کا سبق　　دے رہا ہے تو زمانے کو اخوت کا سبق
باعثِ تنظیم اربابِ ادب تو ہی تو ہے　　زندہ قوموں کی ترقی کا سبب تو ہی تو ہے

عید

عید آئی ہے کلی دل کی کھلانے کے لیے　　کسی معشوق سے عاشق کو ملانے کے لیے
دہر کو. انجمن ناز بنانے کے لیے　　عید کا روز مبارک ہے زمانے کے لیے
خلق آراستہ ہے انجمن آرائی ہے
عید آئی ہے کہ دنیا میں بہار آئی ہے
خوب سرسبز ہوا ہے چمنستانِ بہار　　کیا ہی نکھرے ہوئے پھرتے ہیں عروسانِ بہار
جان بلبل کی ہوئی جاتی ہے قربانِ بہار　　پردۂ غیب سے پیدا ہوئے سامانِ بہار
اہل دل ماہ جبینوں سے گلے ملتے ہیں
آج عشاق حسینوں سے گلے ملتے ہیں
عید اے عید مجھی ہے تری آنے کی خوشی　　ہے تیری ذات سے وابستہ زمانے کی خوشی
اہل میخانہ کو ہے پینے پلانے کی خوشی　　کم ہے کم حضرتِ زاہد کو دوگانہ کی خوشی
کس قدر لطف ہو ہردن اگر ایسا دن ہو
کاش اک عید کا دن لاکھ برس کا دن ہو

اتحاد

کون دشمن ہوگیا اے باغبانِ اتحاد / آج کیوں اجڑا ہوا ہے آشیانِ اتحاد
اے زمینِ ہند قائم رکھ نشانِ اتحاد / تیرے ہر ذرہ میں ہو اک داستانِ اتحاد
دیکھ لیں گے ایک دن اس خانہ جنگی کا مزا / آپ ہی پچھتائیں گے سب دشمنانِ اتحاد
ہر طرف ہے فتنہ برپا الحفیظ والاماں / بے بسی میں لٹ رہا ہے کاروانِ اتحاد
حضرتِ حسرت کا دم بھی مغتنم ہے اے شفیق / پھر نہ پیدا ہوگا ایسا قدردانِ اتحاد

سحر

اے سحر کس جلوہ گاہِ ناز سے آتی ہے تو / عالمِ ہستی کے ہر ذرے کو چمکاتی ہے تو
عالمِ امکاں کے ہر گوشہ کو مہکاتی ہے تو / کون سے یوسف کے پیراہن کی بو لاتی ہے تو
کھل گئیں آنکھیں منور ہوگئے سب کے قلوب / ہر طرف عرشِ بریں کا نور پھیلاتی ہے تو
دل لیے لیتی ہے تیری جلوہ پاشی کی ادا / کس حریمِ ناز سے ہوتی ہوئی آتی ہے تو
اپنے مشتاقوں کو دیوانہ بنانے کے لیے / بن سنور کر کھول کر بندِ نقاب آتی ہے تو

جگنو

وہ جلوہ گاہ کہاں ہے مجھے بتا جگنو / جہاں سے تجھ کو ملی تابش و ضیا جگنو
جو دیکھتا ہوں تو چھوٹا سا جاندار ہے تو / مگر خدا کی خدائی میں اک بہار ہے تو
یہ صاف صاف ہویدا ہے تیری صورت سے / ملا ہے نور تجھے شاہدِ حقیقت سے
تری چمک پہ یہ دھوکا ہوا مجھے کہ ضرور / اندھیری رات میں برسات کی ہے بارشِ نور
چراغِ طور ہے نورِ جمالِ یار ہے تو / ضرور جلوۂ جاناں کا راز دار ہے تو
تجلیوں کا تلاطم ہے تیرے سینے میں / کہ ماہتاب کا عکس آپڑا نگینے میں

شبِ ماہ

وہ روشنی ہے دن نظر آتا ہے رات میں / آیا ہے کون انجمنِ کائنات میں
کیا چاندنی کا فرش بچھا ہے زمیں پر / لیلائے چرخ جلوہ نما ہے زمیں پر
اک دھوم سی ہے کوچۂ و بازارِ دہر میں / گویا بہار آئی ہے گلزارِ دہر میں

اے ماہتاب کس نے یہ جلوہ دیا تجھے　　کس آفتاب حسن نے چمکا دیا تجھے
میں جانتا ہوں اس لیے تو نور بیز ہے　　پردے میں تیرے حسن ازل جلوہ ریز ہے

منقبت سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ

علی کی تعریف و منقبت میں رسول کی نعت کا مزا ہے　　رسول کی نعت کو جو سوچو تو اصل میں حمد کبریا ہے
امام برحق کا پوچھنا کیا کہ جس کا چہرہ پکارتا ہے　　یہ رہنماؤں کا رہنما ہے یہ پیشواؤں کا پیشوا ہے
مدد کو اٹھتا ہے دست داور جو کوئی بے کس پکارتا ہے　　خدا نہیں ہے مگر یہ بندہ خدا کے بندوں کا ناخدا ہے
محمدؐ و مرتضےٰ میں اکثر عیاں ہیں اوصاف رب اکبر　　یہ مانتا ہوں علی علی ہیں نبی نبی ہیں خدا خدا ہے
کہیں تو یہ رنگ خاکساری کہ ہے عیاں شان بوترابی　　کہیں بلندی کا ہے یہ عالم کہ زیر پا دوش مصطفیٰ ہے
عیاں ہے ایسے محمدیت کہ مشتبہ ہوگئی ولایت　　نبی کے بستر پہ سونے والا نبی کی تصویر بن گیا ہے
ہے فیض جاری اسی کے در سے علوم پھیلے اسی کے گھر سے　　یہ وارث علم مصطفیٰ ہے یہ مظہر شبر کبریا ہے

تاج محل آگرہ

ہیں جلوے آگرے کی سرزمیں سے آشکار اب تک　　نظر آتے ہیں کچھ پہلے کہ آثار بہار اب تک
کسی کی خواب گاہِ ناز پر رحمت برستی ہے　　کھڑی رہتی ہے صف باندھے فرشتوں کی قطار اب تک
بچشم غور دیکھو اس عمارت کے مناظر کو　　کہ ہے شاہان مغلیہ کی عظمت آشکار اب تک
گزر گاہِ حسیناں ہے نمائش گاہ خوباں ہے　　اسے کہتے ہیں ملک ہند کا دار القرار اب تک
کہے دیتا ہے انداز فنا یہ آنکھ والوں سے　　یہاں روپوش ہے کوئی عروس نور بہار اب تک
زبانِ حال سے کہتے ہیں غنچے اس گلستاں کے　　کہ حوریں بھی پہنتی ہیں مرے پھولوں کا ہار اب تک
ملائک جنّ کا خاکہ لے گئے بستان جنت میں　　نظر آتے ہیں دیواروں پہ وہ نقش و نگار اب تک
وہ نقشہ ہے وہ جلوہ ہے وہ رونق ہے وہ عالم ہے　　کہ ہوتی ہے بہار خلد آ آ کر نثار اب تک
یہ وہ گلزار فیض آثار ہے اے دیکھنے والو　　بہار قدس ہے جس کی فضا سے ہمکنار اب تک
خطیبان گلستاں کے منابر ہیں کہ شاخیں ہیں　　پڑھی جاتی ہے جن پر حمد پاک کردگار اب تک
شفیق ایسی نفاست اس عمارت سے نمایاں ہے　　کہ بوسے لے رہی ہے صنعت پروردگار اب تک

کسی کا ماتم

اب نہ تو ہے نہ جمالِ رخِ زیبا تیرا — رہ گیا محفلِ احباب میں چرچا تیرا
آہ یہ حسن یہ ایام جوانی یہ شباب — تھا نہ افسوس ابھی مرنے کا زمانا تیرا
مرنے والے تجھے کس طرح بھلاؤں دل سے — ہر گھڑی پیش نظر ہے رخِ زیبا تیرا
مل گئی خاک میں اس طرح جوانی تیری — کہ رہے گا ترے دشمن کو بھی صدما تیرا
میں نے رو رو کے یہ لکھی تری تاریخ وفات — چھپ گیا زیرِ کفن چاند سا چہرا تیرا

حسرت موہانی اردو کے ممتاز شاعر اور صحافی تھے۔ ادبی صحافت میں حسرت کے کارہائے نمایاں کا اعتراف مسلسل کیا جاتا رہا ہے۔ انھوں نے اپنی شخصیت کا اظہار شاعری، ادبی صحافت اور قومی سیاست کے ذریعے سے کیا اور ان میں سے ہر ایک میدان میں ان کی خدمات کا دائرہ نہ صرف یہ کہ بہت وسیع ہے بلکہ ناقابل فراموش بھی ہے۔ انگریزوں سے مکمل آزادی کی تجویز پیش کرنے میں بھی حسرت موہانی کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ انھوں نے آزاد ہندوستان میں عوامی نمائندگی کی بھی نہایت سادہ و رنگین تاریخ رقم کی۔ انھوں نے جس درویشانہ شان کے ساتھ ہندوستانی پارلیمنٹ کے رکن کی حیثیت سے زندگی گزاری، وہ عدیم المثل ہے۔ ان کا رسالہ "اردوئے معلیٰ" بھی اردو کی ادبی صحافت میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے۔ حسرت کا ایک اہم اور گرانقدر کارنامہ تقریباً دو سو اساتذہ کے انتخاب کلام کی اشاعت بھی ہے جو انھوں نے 'انتخاب سخن' کے نام سے شائع کیا۔ 'انتخاب سخن' گیارہ جلدوں میں تقریباً تین ہزار صفحات پر محیط ہے۔ حسرت نے یہ انتخابات قلمی و مطبوعہ دواوین، بیاضوں اور تذکروں کی مدد سے مرتب کیے ہیں اور ترتیب کے دوران یہ خیال بھی رکھا ہے کہ ہر غزل کے انتخاب میں غزل کی ہیئت برقرار رکھی جائے یعنی مطلع و مقطع اور کم سے کم تین اشعار ضرور شامل انتخاب ہوں۔

حسرت کے اس انتخاب نے اردو کے اہم، معروف اور بڑے شاعروں کے ساتھ بہت سے کم مشہور اور گم نام شعرا کو بھی روشناس خلق کیا اور یہ انتخابات اتنے جامع ہیں کہ ان سے ان شعرا کی شاعرانہ حیثیت کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

ISBN 978-93-87510-08-1
9789387510081

NCPUL
New Delhi

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی-33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025

₹ 155/-